ISSN: 2225-613X

سیرت نمبر
اشاعتِ خاص

ضیائے تحقیق

Vol: 4, Issue: 7

شعبہ علوم اسلامیہ و عربی
جی سی یونیورسٹی فیصل آباد

بسم الله الرحمن الرحيم

سیرت نمبر
اشاعتِ خاص

ضیائے تحقیق

شمارہ ۷ | جنوری تا جون ۲۰۱۴ء | جلد ۴

سرپرستِ اعلیٰ

پروفیسر ڈاکٹر ذاکر حسین
(وائس چانسلر)

مُدیرِ اعلیٰ

پروفیسر ڈاکٹر ہمایوں عباس
چیئرمین: شعبہ علومِ اسلامیہ وعربی
ڈین: فیکلٹی آف اسلامک اینڈ اورینٹل لرننگ

مُدیر

ڈاکٹر عمر حیات

معاون مُدیران

یاسر عرفات اعوان، ڈاکٹر حافظ افتخار احمد

شعبہ علومِ اسلامیہ وعربی
گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد
E-mail:drhumayunabbas@gcuf.edu.pk
E-mail:drumarhayyat@yahoo.com
Phone:041-9201559

مجلسِ مشاورت

ملکی	غیرملکی
پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحٰق قریشی صدر مرکزِ تحقیق، فیصل آباد	***Dr. Llioyd Ridgeon*** گلاسگو یونیورسٹی، برطانیہ
پروفیسر ڈاکٹر عبدالقدوس صہیب بہاءالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان	ڈاکٹر حافظ محمد منیر جامعہ الازہر، مصر
ڈاکٹر محمد حماد لکھوی پنجاب یونیورسٹی، لاہور	ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم جامعہ ہمدرد نئی دلی، انڈیا
ڈاکٹر حافظ محمد سجاد علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی، اسلام آباد	ڈاکٹر یاسمین سائقیہ اری زونا اسٹیٹ یونی ورسٹی، یو۔ایس۔اے
ڈاکٹر محمد فاروق حیدر گورنمنٹ کالج یونی ورسٹی، لاہور	ڈاکٹر نجم الحق ندوی بنگلہ دیش
ڈاکٹر محمد اکرم ورک پرنسپل گورنمنٹ ڈگری کالج، کامونکی	ڈاکٹر جعفر اسماعیل جافعی یونیورسٹی آف ساؤتھ افریقہ، ساؤتھ افریقہ
ڈاکٹر معراج الاسلام ضیاء پشاور یونی ورسٹی، پشاور	ڈاکٹر شاہ کوثر مصطفیٰ بنگلہ دیش

شرکاء کا تعارف

ڈاکٹر محمد سعد صدیقی	چیئرمین شعبۂ علومِ اسلامیہ، جامعہ پنجاب، لاہور
ڈاکٹر محمد ریاض محمود	لیکچرار اسلامیات، گورنمنٹ پوسٹ گرایجویٹ کالج، سیٹلائٹ ٹاؤن، گوجرانوالہ
ڈاکٹر محمد شہباز منج	اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ علوم اسلامیہ، یونیورسٹی آف سرگودھا، سرگودھا
حافظ محمد صدیق	لیکچرار/ریسرچ ایسوسی ایٹ، کلیہ شریعہ وقانون، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد
ڈاکٹر طلعت صفدر	ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبۂ علومِ اسلامیہ، گورنمنٹ کالج برائے خواتین یونیورسٹی فیصل آباد
مدثر حسین	گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج ٹاؤن شپ، لاہور
ڈاکٹر یاسر عرفات	لیکچرار شعبہ علومِ اسلامیہ، جی سی یونیورسٹی فیصل آباد
صومیہ محبوب	ایم فل اسکالر، شعبۂ علومِ اسلامیہ وعربی، جی سی یونیورسٹی فیصل آباد
ڈاکٹر ہمایوں عباس	پروفیسر، چیئرمین شعبۂ علومِ اسلامیہ/ ڈین فیکلٹی آف اسلامک اینڈ اورینٹل لرننگ، جی سی یونیورسٹی فیصل آباد
محمد اکرم ساجد	لیکچرار علومِ اسلامیہ، گورنمنٹ کالج ٹاؤن شپ، لاہور
حافظ محمد نعیم	اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علومِ اسلامیہ، جی سی یونیورسٹی، لاہور
محمد وسیم مختار	ایم فل سکالر، شعبہ علومِ اسلامیہ، جی سی یونی ورسٹی، فیصل آباد
ڈاکٹر عمر حیات	اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اسلامیات، جی سی یونی ورسٹی، فیصل آباد
ڈاکٹر سعدیہ گلزار	لیکچرار شعبہ اسلامیات، لاہور کالج برائے خواتین، یونیورسٹی لاہور

حافظ محمد اصغر	لیکچرار اسلامیات، شعبۂ علوم اسلامیہ و عربی، جی سی یونیورسٹی فیصل آباد
حافظ حامد حماد	لیکچرار، شعبہ علوم اسلامیہ، گورنمنٹ کالج یونی ورسٹی، فیصل آباد
محمد منشا طیب	پی ایچ ڈی سکالر، ادارہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونی ورسٹی، لاہور
محمد عبدالرحمٰن ناصر	پی ایچ ڈی سکالر، لیکچرر گورنمنٹ ڈگری کالج شاہ کوٹ، ضلع ننکانہ صاحب
ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی	شعبہ عربی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ
دکتورہ عمرانہ شہزادی	الاستاذة المساعدة جامعة الكليّة الحكوميّة للنساء ، بفيصل آباد
دکتور افتخار احمد خان	اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم (اسلامیہ و عربی)، جی سی یونی ورسٹی، فیصل آباد
دكتور غلام محمد قمر الازهرى	جامعہ الازہر، مصر
دكتور محمد نجم الحق الندوى	الأستاذ بقسم الدعوة والدراسات الاسلامية، و مدير معهد اللغة العربية، الجامعة الاسلامية العالمية شيتا غونغ، بنغلاديش
DDSA / C.QEC	Zeeshan Ahmad Khan

فہرست

ادار یہ ۹

اردو ادب میں سیرت نگاری کا محدثانہ اسلوب — محمد سعد صدیقی
۱۰

''الروض الأنف'' از امام عبدالرحمٰن السہیلی: خصوصیات، اسلوب اور مصادر — محمد ریاض محمود/محمد شہباز منج
۲۵

حضرت ایمن بن عبیدؓ اور بکر بن شداخؓ کے حالات اور مرویات کی روشنی میں ۔۔۔ — حافظ محمد صدیق
۴۰

مطالعہ سیرت نبوی ﷺ (افکارِ گولن کی روشنی میں) — طلعت صفدر
۴۸

سیرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا مکی عہد — مدثر حسین/یاسر عرفات
۶۶

عہدِ نبوی میں خواتین کی معاشی سرگرمیاں — صومیہ محبوب/ہمایوں عباس
۸۰

میکسم روڈنسن بحیثیت سیرت نگار ـــــ ایک تجزیاتی مطالعہ — محمد اکرم ساجد
۹۸

سیاست داخلہ وخارجہ کے نبویؐ اصول — حافظ محمد نعیم
۱۱۲

عیون الاثر کے ادبِ سیرت پر علمی وفنی اثرات — محمد وسیم/عمر حیات
۱۲۴

پاکستان کے نظام محصولات کا سیرۃ النبی ﷺ کی روشنی میں جائزہ — سعدیہ گلزار
۱۳۸

تفہیم دین میں رسول اللہ ﷺ کے جسمانی تاثرات کا اظہار — حافظ محمد اصغر
۱۵۵

سیر ومغازی وہب بن منبہؒ — حافظ حامد حماد/محمد منشا طیب
۱۶۶

بحیثیت ماہرِ معیشت سیرت رسول اللہ ؐ کا روشن پہلو انسدادِ غربت | محمد عبدالرحمٰن ناصر
۱۷۷
خطباتِ احمدیہ ـــ تحلیل وتجزیہ | ابوسفیان اصلاحی
۱۹۷
شخصية الرسول ﷺ في شعر حسان بن ثابتؓ | عمرانہ شہزادی
۲۲۸
مباحث السيرة النبوية في شعر عصر النبي ﷺ | افتخار احمد خان
۲۴۲
قطوف من السيرة النبوية ﷺ وتطبيقاتها في... | غلام محمد قمر الازهری
۲۵۲
تصوير أخلاقيات الحرب في الغزوات النبوية | محمد نجم الحق الندوي
۲۶۷

مقالہ نگاران کرام سے ضروری گزارش

۱۔ مضمون تحقیقی وتنقیدی نوعیت کا ہو۔
۲۔ ضخامت ۱۵ سے ۲۰ صفحات تک ہو۔
۳۔ مضمون کی تلخیص Abstract انگریزی زبان میں مضمون کے ہمراہ ارسال کیا جائے۔
۴۔ مضمون کے ساتھ Soft Copy بھی ارسال کی جائے۔
۵۔ متنازعہ نوعیت کے مضامین شامل اشاعت نہیں ہوں گے۔
۶۔ موصول ہونے والے مضامین Evaluation Committee کو ارسال کئے جائیں گے جس کی رپورٹ کی روشنی میں اشاعت کا فیصلہ ہوگا۔
۷۔ حوالہ جات مضمون کے اختتام پر درج کئے جائیں۔

ترتیب حوالہ

الف۔ قرآنی حوالہ: نام سورہ (نمبر شمار) آیت نمبر
ب۔ حوالہ حدیث: نام مؤلف، کتاب کا نام، باب کا نام، مطبع مع سن اشاعت، رقم الحدیث، ص:
ج۔ حوالہ کتاب: مصنّف کے نام کا معروف حصہ، پورا نام، کتاب کا نام، ترجمے کی صورت میں مترجم کا نام، ادارہ اشاعت وسن اشاعت، جلد نمبر، صفحہ نمبر

مضامین ارسال کرنے والے معزز محققین سے گزارش ہے کہ مذکورہ شرائط کی پابندی کریں۔ شکریہ

نوٹ: مجلس ادارت کا تحقیق نگار کی رائے سے کلیتاً متفق ہونا ضروری نہیں۔

جستجو

لازمی تقاضائے فطرت ہے کہ کائنات میں ارتقاء اور تلاش وجستجو کا عمل بدستور جاری رہے تا کہ اس میں جمود پیدا نہ ہو۔ اسلام پہلا اور آخری دین ہے جس میں دعوتِ فکر وتحقیق اور تلاش وجستجو کا سب سے زیادہ سامان فراہم کیا گیا ہے۔ اسلام اوّل وآخر دینِ علم وتحقیق ہے جس میں صاحبانِ علم ودانش کی بھرپور قدر افزائی اور جہلا کی پُرزور مذمت کی گئی ہے۔ دینِ فطرت کی رُو سے علم وتحقیق سے وابستگی ایمان کا لازمی تقاضا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کے بغیر زندگی اعتماد اور وقار سے محروم رہتی ہے اور ترقی کی راہ مسدود ہو جاتی ہے۔

اسلام کا آغاز علم وتحقیق سے ہوا جس نے تحریک کی شکل اختیار کی۔ قرونِ وسطیٰ مسلمانوں کی علمی، سائنسی اور تہذیبی ترقی کے عروج کا دور کہلاتا ہے جو کئی صدیوں پر مشتمل ہے۔ امت مسلمہ کا باعثِ صد افتخار طرۂ امتیاز ہے جو آنے والے ہر دور کے لیے مشعل راہ بنا۔ دورِ حاضر میں گزشتہ کارہائے نمایاں سے استفادہ کرتے ہوئے اُن میں تحقیقات کا اضافہ کیا جا رہا ہے اور یہ عمل مشرق ومغرب میں جاری ہے۔ اس سلسلے میں اسلامی علوم وفنون میں تحقیق وجستجو کا رجحان بہت خوش آئند اور حوصلہ افزا ہے۔ اس ضمن میں اعلیٰ تعلیمی اداروں کے شعبہ جاتی تحقیقی مجلّات کا حوالہ بھی بہت اہم ہے جو نئے نئے علمی گوشوں کو منظر عام پر لانے اور تحقیقی نکات کے فروغ میں قابل ذکر کردار ادا کر رہے ہیں۔

شعبہ علومِ اسلامیہ وعربی گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد کا تحقیقی مجلّہ ''ضیائے تحقیق'' اِسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ جو جنوری ۲۰۱۱ء سے ششماہی بنیادوں پر مسلسل اشاعت پذیر ہے۔ بحمداللہ! شعبہ علومِ اسلامیہ وعربی کو یہ اعزاز بھی نصیب ہوا ہے کہ اس کے زیرِ اہتمام ''مسندِ سیرت'' (Seerah Chair) کا قیام عمل میں آ چکا ہے۔ اس سلسلے میں شعبہ ہذا جناب وائس چانسلر، پروفیسر ڈاکٹر ذاکر حسین کا تہہ دل سے شکر گزار ہے جن کی خصوصی دل چسپی اور سرپرستی کے باعث ''مسندِ سیرت'' کے قیام کا مرحلہ پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ اسی مناسبت سے از راہِ تشکّر، ضیائے تحقیق کے شمارہ ہذا کو ''سیرت نمبر'' کے طور پر شائع کیا گیا ہے جو ملکی وغیر ملکی محققین کے مضامین سیرت سے آراستہ ہے۔ بھرپور کوشش کی گئی ہے کہ مجلّہ ایچ۔ای۔سی۔ کے مطلوبہ معیار کے مطابق ہو۔ ہم اپنے ان تمام فاضل تحقیق نگار حضرات وخواتین کے ممنون ہیں جنھوں نے ضیائے تحقیق کے اس ''خاص نمبر'' کے لیے اپنے گراں قدر مضامین ارسال کیے!

(مدیر)

ooo

اردو ادب میں سیرت نگاری کا محدثانہ اسلوب
''سیرت المصطفیٰ ﷺ'' کی روشنی میں

محمد سعد صدیقی☆

Abstract:

"Seerah writing is an outstanding and proudful field for the Muslims through ages. The Muslim Seerah writers have adopted different styles and methods in this regard. The style of Seerah writing based on Hadith, the Prophetic word is most reliable and close to understanding of the spirit of Seerah of the Prophet (S.A.W). In this article this style is discussed in the light of the Seerah Al-Mustafa by Muhammad Idrees Kandhalwi and is made on effort to describe the style of Seerah writing based on Hadith and Urdu Literature."

اللہ تعالیٰ نے انسانی زندگی میں صالح تبدیلی پیدا کرنے کے لیے حضرت آدم علیہ السّلام سے انبیاء علیہم السّلام کا سلسلہ شروع کیا، انبیاء نے انسانی اخلاقیات میں انقلابی تبدیلیاں پیدا کیں۔ انسانی اخلاقیات، انسانی تہذیب وتمدن اور اس کی معاشرت میں جو انقلاب نبی آخرالزماں نے برپا کیا، اُس کی نظیر تاریخ میں پیش کرنا ممکن نہیں۔ نبی کریم ﷺ نے جہاں انسان کی عملی تہذیب واخلاقیات میں انقلاب برپا کیا، وہاں علمی تہذیب اور علمی روایات واقدار میں بھی ایسا انقلاب برپا کیا کہ آپ کی حیات مبارکہ علوم وفنون کا سرچشمہ بن گئی۔ کوئی آپ کی احادیثِ مبارکہ کی نقل وتدوین کی جانب متوجہ ہوا، کسی نے اس کے بنیادی اصول اور معیارات کو اپنی جولانگاہ بنایا۔ کوئی قرآن کی تشریح وتعبیر کی طرف متوجہ ہوا تو کسی نے آپؐ کی زندگی سے فقہی وقانونی مسائل کے استنباط میں مشغول ومنہمک ہونے کو اپنا طرزِ تحریر قرار دیا۔ اور امت مسلمہ کے ایک بڑے طبقہ نے آپؐ کی سیرت کو اپنا موضوعِ سخن بنایا۔ نبی کریمؐ کی سیرت طیبہ سے متعلّق

☆ چیئرمین شعبۂ علومِ اسلامیہ، جامعہ پنجاب، لاہور

معلومات حاصل کرنا، اِن معلومات سے استفادہ کرنا اور انھیں حرزِ جان بنانا اور یہ سمجھنا کہ سیرت طیبہ سے متعلّق یہ تمام جذبات و احساسات صدرِ اسلام میں بھی موجود تھے، ہمارے نظریہ وفکر کا حصہ ہے۔ بقولِ شبلی نعمانی:

> ''عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ چونکہ عرب میں پڑھنے لکھنے کا رواج نہ تھا اور اسلام میں تدوین وتالیف کا آغاز خلیفہ منصور عباسی کے زمانے سے (تقریباً ۱۴۳ھ) ہوا، اس لیے اس زمانہ تک سیرت اور روایات کا جو کچھ ذخیرہ تھا، زبانی تھا، تحریری نہ تھا۔ لیکن یہ خیال صحیح نہیں، عرب میں پڑھنے لکھنے کا رواج گو کم سہی، مدت سے چلا آتا ہے۔''(۱)

ابتدائی زمانہ کے اسلوب سیرت نگاری پر غور کریں تو محسوس ہوگا کہ سیرت نگاری میں مؤرخانہ اسلوب بعد میں آیا البتہ آپ کی عادات، سیرت اور خصوصاً مغازی وسرایا سے متعلّق احادیث جمع کرنے اور نقل روایات کا اسلوب پہلے ہی سے عام تھا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیرت النبی کا محدثانہ اسلوب سب سے پہلے معرضِ وجود میں آیا۔ بقول حکیم عبدالرؤف دانا پوری:

امام زھریؒ سے پہلے سیرت اور حدیث کے عالموں میں کچھ زیادہ فرق نہ تھا، البتہ بعض علماء صاحب المغازی کے نام سے مشہور تھے، شاید اس وجہ سے کہ اُنھیں مغازی کی روایتیں زیادہ معلوم تھیں، یا اس وجہ سے کہ مغازی کی روایتیں زیادہ بیان کرتے تھے۔ امام زھریؒ کے وقت میں چار عالم بے نظیر سمجھے جاتے تھے، ابن المسیبؒ مدینہ میں، شعبیؒ کوفہ میں، حسن بصریؒ بصرہ میں اور مکحولؒ شام میں۔ یہ سب ائمہ حدیث بھی ہیں اور ائمہ سیر بھی، زھریؒ ان چاروں کے فیض یافتہ تھے اور امام زھریؒ کے شاگردوں نے ہی سنن اور سیرت کو بظاہر دو فنون کی حیثیت سے نمایاں کیا۔ ایک طرف امام مالکؒ اور سفیان بن عیینہؒ جیسے ائمہ حدیث اُن کے شاگرد تھے جنہوں نے علم حدیث کی بنیاد کو مستحکم کیا اور دوسری طرف امام السیر والاخبار محمد بن اسحٰق بن یسارؒ اور موسیٰ بن عقبہؒ اُن کے شاگرد تھے جن کی روایات اور تصنیفات سے فن سیرت ایک مستقل فن بن گیا۔(۲)

دانا پوری کی یہ تفصیل واضح کرتی ہے کہ پہلی صدی ہجری میں یعنی امام زھریؒ تک علم سیرت علم حدیث کا حصہ تھا اور پھر زھریؒ کے شاگردوں کے دور میں اگرچہ مستقل فن بنا لیکن محدثین کی روایات اور تالیفات کی بنیاد پر بنا یعنی سیرت میں محدثانہ اسلوب مقدم اور مؤرخانہ اسلوب مؤخر ہے۔ سیرت نگاری کا آغاز عربی کتب سے ہوا، بعد ازاں اس صف میں فارسی شامل ہوئی اور پھر اردو زبان بھی اس صف میں جگہ بنانے میں کامیاب ہوئی۔

اردو ادب کے سفر کا آغاز تصوف، شریعت، اخلاق اور فقہ اسلامی سے ہوا اور پھر اس میں سیرت النبی بھی شامل ہوگئی۔ بقول ڈاکٹر سید رفیع الدین: اردو نعتیہ شاعری کا آغاز نویں صدی ہجری میں ہو گیا تھا، چنانچہ خواجہ بندہ نواز گیسودراز سید محمد حسینی (م: ۸۲۵ھ) کے کلام میں نعتیہ اشعار بھی ملتے ہیں(۳)

جبکہ ڈاکٹر خالد کے مطابق اردو نظم میں سیرت کی تصنیف کا آغاز گیارھویں صدی ہجری میں اور اردو نثر میں تیرھویں صدی ہجری میں ہوا۔ (۴)

سیرت پر تالیفِ کتب کا سفر اپنے ارتقاء کی منازل طے کرتا ہوا جب ۱۸۵۷ء تک پہنچتا ہے تو اردو میں ۱۷ کتب تالیف کی جا چکی تھیں لیکن اُن میں سے بیشتر روایتی مولود نامے تھے جو محافل میلاد میں پڑھے جاتے تھے البتہ چند کتب ابھی بھی مل جاتی ہیں جو مستند کتب سیرت پر مبنی ہیں۔

انیسویں صدی کا آخری نصف حصہ اور بیسویں صدی کا ابتدائی حصہ اردو سیرت نگاری میں زریں عہد کہلاتا ہے۔ بیسویں صدی کے نصف اول میں قاضی محمد سلیمان منصور پوریؒ (م: ۱۹۸۹ء) کی کتاب رحمۃ للعالمین نمایاں حیثیت رکھتی ہے۔ اسی عہد میں شبلی نعمانیؒ اور سید سلیمان ندویؒ کی سیرت النبی، مولانا اشرف علی تھانویؒ (م: ۱۹۴۳ء) کی نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب، مولانا ابو رشید محمد عبد العزیزؒ کی ''سوانح عمری حضرت رسول کریم ﷺ''، سید سلیمان ندویؒ کے خطباتِ مدراس، پروفیسر نواب علی (م: ۱۹۶۱ء) کی کتاب سیرت رسول اللہ، حکیم عبد الرؤف دانا پوریؒ (م: ۱۹۴۸ء) کی اصح السیر، مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ (م: ۱۹۵۶ء) کی النبی الخاتم، چودھری افضل حق (م: ۱۹۴۳ء) کی محبوب خدا اور مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ (م: ۱۹۷۴ء) کی سیرت المصطفیٰ نمایاں نظر آتی ہیں۔ (۵)

دورِ جدید میں سیرت پر کتب و تالیفات کا وسیع ذخیرہ موجود ہے جن میں محدثانہ طرز و اسلوب اختیار کرنے والے چند مؤلفین جن میں مولانا اطہر مبارکپوریؒ نے الرحیق المختوم، ڈاکٹر محمد لقمان سلفی نے الصادق الامین اور حافظ زاہد علی ملک نے خصائص النبی کی تالیف کر کے ممتاز مقام حاصل کیا۔ اردو نثر میں محدثانہ اسلوب میں لکھی گئی کتب سیرت کے تعارف سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس بات کا جائزہ لیا جاتا ہے کہ محدثانہ اسلوب کیا ہوتا ہے اور محدثانہ اور مؤرخانہ اسلوب میں کیا فرق ہے۔

محدثانہ اسلوب کی حقیقت و خصوصیات

محدثین کی تاریخ اور اُن کے سوانحی واقعات اِس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ ایک محدث جب حدیث کی تحقیق، درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کو اپنا شعارِ زندگی بنالیتا ہے تو محدثانہ رنگ اُس پر اس قدر غالب آجاتا ہے کہ اُس کے عمومی معمولاتِ زندگی اور اُن سے متعلق گفتگو حتیٰ کہ اُس کی نشست و برخاست سب کچھ حدیث کے رنگ میں رنگا جاتا ہے۔

مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ سے کسی نے دریافت کیا کہ آپ اخبار کیوں نہیں پڑھتے، جواب میں فرمایا کہ اخبار میں خبر ہوتی ہے کہ فلاں جگہ فلاں واقعہ پیش آگیا اور راوی نامعلوم ہے نہ معلوم ثقہ ہے، یا غیر ثقہ، اُس کی خبر کو رد کیا جائے یا قبول؟ (۶)

اسی طرح محدث کسی بھی علم و فن پر جب بھی قلم اٹھاتا ہے، اُس کا محدثانہ رنگ، اُس کی ہر تحریر و

تقریر میں نمایاں رہتا ہے۔ سیرت نگاری میں محدثانہ اسلوب اختیار کرنے والے اشخاص جنہوں نے سیرت پر زیادہ کام کیا، دراصل حدیث کے متخصص تھے، ان کی عمر کا بیشتر حصہ اور وقت علم حدیث کے درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں گذرا انھوں نے سیرت کے ادب میں جو نمایاں خصوصیات پیدا کیں، انھیں حسب ذیل الفاظ میں بیان کیا جاسکتا ہے:

۱۔ محدثانہ اسلوب اختیار کرنے والوں نے علم حدیث کے قواعد و اصول کو ہمیشہ مدنظر رکھا اور سیرت النبیؐ پر جمعِ مواد کے لیے جرح و تعدیل کے معیارات اور ردوقبولِ روایت کے اصول وضوابط کو ہمیشہ مدنظر رکھا۔

۲۔ محدثانہ اسلوب اختیار کرنے والوں نے بقول ڈاکٹر محمود احمد غازی اس بات کو مدنظر رکھا کہ جو چیز رسالتمآب ﷺ سے منسوب کی جائے وہ ایک سوایک فیصد یقینی ہو، اور رسول اللہ کے ساتھ اُس کی نسبت میں ذرہ برابر بھی شک یا تامّل نہ کیا جاسکے۔ (۷)

۳۔ محدثانہ اسلوب اختیار کرنے والے سیرت نگار اس بات کو ملحوظ رکھتے ہیں کہ نبی کریمؐ سے جو بات بھی منسوب کی جائے، اس کی مکمّل سند از اول تا آخر پورے تسلسل و اتصال کے ساتھ موجود ہے اور اس سند کے کسی بھی حصہ میں کہیں بھی انقطاع یا ابہام کی کوئی کیفیت موجود نہ ہو۔

۴۔ محدثانہ اسلوب اختیار کرنے والے مؤلفین اس بات کو بھی ملحوظ رکھتے ہیں کہ روایات کو نقل کرنے والا اُن معیارات کے آئینہ میں کس درجہ اور رتبہ کا حامل ہے جو ائمہ جرح و تعدیل نے مرتب کیئے ہیں۔ ائمہ جرح و تعدیل کے ترتیب دیئے ہوئے یہ معیارات اس قدر عقلی و نظری اور اس قدر اعلیٰ پائے کے ہیں کہ اِن معیارات پر پرکھے جانے کے بعد روایت کے نا قابل اعتبار ہونے کا تصور و احتمال ہی ختم ہو جاتا ہے بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اگر اِن معیارات کے ترازو میں تلنے کے باوجود بھی روایات حدیث نا قابل اعتبار ٹھرتی ہیں تو پھر لفظ اعتبار ہمیں اپنی لغات اور اپنے ادب سے نکالدینا چاہیے۔

۵۔ محدثانہ اسلوب میں جمع کی گئی روایات میں مؤلفین نے استنباط کو بھی ملحوظ رکھا کہ روایت میں نبی کریمؐ کا قول نقل کیا گیا ہے یا کوئی عملی واقعہ۔ اگر فرمانِ رسول نقل کیا گیا ہے تو اُس میں روایت باللفظ کا کس قدر لحاظ رکھا گیا ہے اور کوئی عملی واقعہ نقل کیا گیا ہے تو روایت بالمعنی کی اجازت کی حدود و قیود کا لحاظ رکھا گیا ہے یا نہیں۔

۶۔ محدثانہ اسلوب میں لکھی گئی اردو کتب سیرت میں بعض مؤلفین نے راوی اور روایات پر نقد و جرح کے بعض اسالیب پر بھی تبصرے کیے ہیں مثلاً مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ نے شبلی نعمانیؒ کی اس بات پر کڑی تنقید کی جبکہ انہوں نے واقدی کو مشہور دروغ گو افسانہ ساز اور نا قابل ذکر قرار دیکر ایک مقام پر اس کی روایت کو مسترد کر دیا، مولانا نے سیرت النبیؐ کے مختلف مقامات سے اُن روایات کا

حوالہ دیا ہے جو علامہ نے ابن سعد سے منسوب کی ہیں اور وہ تمام روایات ابن سعد نے واقدی سے ہی حاصل کی ہیں۔(۸)

محدثانہ اور مؤرخانہ اسلوب میں فرق

سیرت نگاری کے محدثانہ اور مؤرخانہ اسلوب میں کچھ اقدار و اوصاف تو مشترک نظر آئیں گی جبکہ کچھ اوصاف میں باہم فرق کا مشاہدہ ہوتا ہے:

۱۔ مؤرخ جب کسی روایت کو نقل یا کسی واقعہ کو بیان کرتا ہے تو وہ اُس وقت و زمانہ کے حالات و حوادث پر بھی گہری نظر رکھتا ہے اور ان حالات و حوادث کے تناظر میں ہی وہ اس واقعہ کو بیان کرتا ہے جبکہ محدث نہ صرف اس زمانہ کے واقعات و حوادث کو پیش نظر رکھتا ہے بلکہ وہ جس راوی یا جس سند سے روایت نقل کر رہا ہے، سند کے تمام مراحل پر وہ اس کی نقل کی کیفیات سے بھی واقف ہوتا ہے کہ روایت استاد سے سنی گئی یا استاد کے سامنے پڑھی گئی، نقل روایت کے وقت شاگرد تنہا تھا یا شاگردوں کی پوری جماعت وہاں موجود تھی۔

۲۔ علامہ ابن خلدونؒ نے مؤرخ کے لیے ضروری قرار دیا ہے کہ مؤرخ نہ صرف تاریخی واقعات پر گہری دسترس رکھتا ہو بلکہ وہ ان واقعات کے پس منظر اور وجوہات پر بھی گہری نظر رکھتا ہو۔ اور پھر اُن کے عواقب و نتائج بھی اُس کی نظر سے پوشیدہ نہ ہوں۔ ابن خلدونؒ ان چیزوں کا لحاظ کیے بغیر روایات نقل کرنے والے مؤرخین کو بچگانہ حرکت کا مرتکب قرار دیتا ہے۔(۹)

اسی طرح محدث بھی نہ صرف یہ کہ ہر روایت کے اسباب ورود، کسی مخصوص واقعہ کے پس منظر میں پیش آنے والے مخصوص حالات کو بھی اپنی گرفت میں لاتا ہے اور روایت نقل کرتے وقت انھیں نقل کر کے اس واقعہ کے مخصوص پس منظر سے پردہ اٹھاتا ہے۔

۳۔ مؤرخ عام طور پر غیر جانبدارانہ انداز میں واقعات کو نقل کرتا ہے۔ تاریخی واقعات سے کسی طرح کی جذباتی وابستگی کا نہ ہونا، مؤرخ کی خوبی اور غیر جانبدارانہ تحقیق کہلاتا ہے لیکن محدث جب روایت نقل کرتا ہے تو اس روایت کی نقل کی حد تک تو وہ غیر جانبدار ہوتا ہے کہ روایت اس کی رائے کے مطابق ہے یا خلاف، اسے وہ نقل کریگا اور اس کے صحیح درجہ اور رتبہ کو بھی متعیّن کریگا، لیکن محدث نبی کریم ﷺ سے جو والہانہ اور جذباتی عقیدت و محبّت رکھتا ہے، مؤرخ میں اُن جذبات کا پایا جانا ضروری نہیں ہوتا۔

۴۔ مؤرخ عام طور پر اپنی روایت کے مصادر و منابع، اسناد اور اُس میں نقل کرنے والے رجال کی ثقاہت و کردار پر بحث نہیں کرتا جبکہ ایک محدث اپنی نقل کردہ روایت کے رجال سے متعلّق مکمّل معلومات رکھتا ہے اور بوقت ضرورت انھیں واضح بھی کر دیتا ہے۔

۵۔ محدث کا معیار و اسلوبِ تحقیق مؤرخ کے معیار کے تحقیق سے بہت بلند ہوتا ہے، محدثین اور ماہرینِ اصول، حدیث نے ان معیارت کی درجہ بندی اور ثقاہت وتعدیل یا جرح وتنقید کے لیئے بڑی احتیاط سے جو معیارات متعیّن کیے ہیں وہ دنیاءِ علم ودانش میں اپنی نظیر آپ ہیں اور یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ تاریخ یا مؤرخ کے قبول روایت کے مطابق اعلیٰ ترین معیارات پر قرار دی جانے والی روایت بعض اوقات محدثین کے ادنیٰ ترین معیار کے برابر بھی نہیں ہوتی۔(۱۰)

اردو ادب میں سیرت کا محدثانہ اسلوب

اردو ادب میں نبی کریم ﷺ کی سیرت طیبہ کے حوالہ سے جو ذخیرہ ادب تیار ہوا ہے، اُس میں دیگر اسالیب کے ساتھ محدثانہ اسلوب بھی نمایاں نظر آتا ہے۔ اردو ادب میں سیرت کے محدثانہ اسلوب پر تالیفات وکتب کا وسیع ذخیرہ موجود ہے، سطورِ آئندہ میں ان میں سے چند کتب کے مجموعی اسلوب کی روشنی میں ان کے اسلوب کا مختصر جائزہ لیا جائے گا اور پھر مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کی سیرت المصطفیٰ کا جائزہ لیا جائے گا۔

اصح السیر فی ھدی خیر البشر ﷺ

(تالیف: حکیم مولانا ابوالبرکات عبدالرؤف قادری داناپوری)

حکیم داناپوری اپنی کتاب کے مقدمہ میں محدث اور سیرت نگار کے طرز واسلوب تحقیق کا فرق بڑے خوبصورت انداز میں بیان کرتے ہیں اور اسی سے یہ واضح ہوتا ہے کہ داناپوری نے اپنی کتاب میں سیرت کے بیان کا محدثانہ اسلوب اختیار کیا ہے۔ داناپوری لکھتے ہیں:

اصحاب حدیث دراصل تین امور کو جمع کرتے ہیں:

۱۔ رسول اللہ ﷺ نے کیا فرمایا۔

۲۔ رسول اللہ ﷺ نے کیا کام کیا۔

۳۔ رسول اللہؐ کے سامنے یا رسول اللہؐ کے وقت میں کیا گیا۔ اصحاب سیرت بھی انہیں تین امور کو جمع کرتے ہیں۔

اس لیے اصل کام دونوں کا ایک ہے۔ مگر باوجود اِس کے دونوں میں بڑا فرق ہے۔ اصحاب حدیث کا مقصود بالذات احکام کو جاننا ہوتا ہے۔ اور رسول اللہؐ کی ذات سے اُن کی بحث ضمناً یا التزاماً ہوتی ہے۔ اور اصحاب سیر کا مقصود بالذات رسول اللہؐ کو جاننا ہے۔ احکام پر بحث اُن کے یہاں ضمناً ہوتی ہے۔ اس لیے محدثین کا مدار بحث یہ ہوتا ہے کہ یہ فعل یا یہ قول رسول اللہؐ کا ہے یا نہیں۔ اُن کی تمام تر قوت اس تحقیق میں صرف ہوتی ہے کہ اس قول یا فعل کا انتساب رسول اللہؐ کی طرف صحیح ہے یا نہیں لیکن اصحاب سیرت کو یہ بھی کرنا پڑتا ہے اور اس کے سوا اس کے ساتھ دو باتیں اور معلوم کرنی پڑتی ہیں، یہ کہ حضورؐ نے

کب ایسا کہا یا کیا۔ دوئم یہ کہ ایسا کہنے یا کرنے کی وجہ کیا ہوئی۔ اصحاب سیرت حضورؐ کے اقوال وافعال کو مسلسل اور مربوط بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور اُس کے اسباب وعلل کو بھی جاننا چاہتے ہیں۔ اصحاب حدیث کہتے ہیں کہ اس کی ضرورت نہیں ہے۔ جب صحت کے ساتھ یہ معلوم ہو جائے کہ یہ قول یا یہ فعل رسول اللہؐ کا ہے تو وہ رسول اللہ کی سنت اور آپؐ کا طریقہ ہو گیا۔

گو یہ نہ معلوم ہو کہ رسول اللہؐ نے کب کس دن کس تاریخ ایسا کہا یا ایسا کیا۔ اس فرق کی وجہ سے اصحاب سیرت اور اصحاب حدیث کی دو جماعتیں الگ الگ بن گئیں اور معیار تحقیق بھی دونوں کا جدا ہو گیا۔ محدثین رواۃ کی ثقاہت، تقویٰ اور دیانت کی کمی، زیادتی کی بناء پر مقبول رواۃ کی روایتوں میں اختلاف کے وقت ترجیح دیتے ہیں اور اصحاب سیرت حالات کی موافقت اور واقعات کے علم کی بنا پر ترجیح دیتے ہیں۔

محدثین نے رسول اللہؐ کے قول وفعل کی صحت دریافت کرنے کے لیے جس احتیاط سے قواعد بنائے ہیں اُس کی نظیر عالم میں نہیں مل سکتی۔ وہ بے سند کسی بات کو قبول نہیں کرتے۔ رواۃ حدیث میں سے ایک ایک کے حالات کی نہایت احتیاط سے تنقیح کی ہے۔ مدارج مقرر کر دیئے ہیں اور بتا دیا ہے کہ کس کی بات کہاں تک قابل قبول ہے اور کہاں تک قابل رد۔

اصحاب حدیث ہوں یا اصحاب سیرۃ، جھوٹوں کی روایتیں کوئی قبول نہیں کرتا۔ (۱۱)

محدثین اور سیرت نگاروں کے اسلوب تحقیق میں اس تفاوت وتوافق کو بیان کرنے کے بعد دانا پوری درحقیقت اِن دونوں کو ایک جماعت قرار دیتے ہیں۔ دانا پوری فرماتے ہیں:

یہاں پر یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اصحاب سیر اور اصحاب حدیث واقعی دو جماعت نہیں ہیں جتنے اصحاب سیر ہیں وہ اصحاب حدیث بھی ہیں اور جتنے اصحاب حدیث ہیں وہ اصحاب سیر بھی۔ مگر سیرت پر جب اُن کو واقعات جمع کرنے پڑتے ہیں اور سیرت کے مقاصد کو پورا کرنا ہوتا ہے تو اس کے شرائط اور وجوہ ترجیح میں مناسب تبدیلی کرنی پڑتی ہے۔ اصل یہ ہے کہ ہر زمانے میں بڑے بڑے اصحاب تقویٰ و دیانت اُن امور کی طرف بہت کم توجہ کرتے ہیں۔ جس کا اصحاب سیرت کو بیان کرنا ضرور ہے۔ اور جس کو اصحاب حدیث نے بھی ناسخ ومنسوخ سمجھنے کے لیے، احکام کی ترتیب کو جاننے کے لیے اور بہت سے احادیث کا صحیح مطلب سمجھنے کیلیے ضروری سمجھا ہے۔ اس لیے اصحاب سیرت کو ایسی معلومات کا اخذ کرنا ضروری ہو گیا۔ گو وہ ایسے لوگوں سے ملے جو ثقاہت اور تدیّن میں بہت اعلیٰ پایہ کے نہ ہوں مگر معتبر ہوں اور اُن پر شدید جرح نہ ہوئی ہو۔ اصحاب سیر لکھتے ہیں کہ حضورؐ کی پیدائش کے وقت یا اُس کے قریب حجاز کی معاشرتی یا مذہبی حالت کیا تھی۔ اس کے لکھنے کا منشا یہ ہوتا ہے کہ حضورؐ کی تعلیمات سے حالات میں کیا تغیّرات ہوئے۔ اور کون سا حکم کس کس مناسبت سے دیا گیا۔ یہ بغیر اُن حالات کو جانے معلوم نہیں ہو سکتا۔ محدثین کے شرائط کے موافق ایک روایت بھی ان معلومات کے متعلّق نہیں مل سکتی۔

الاّ وہ جو خود جناب رسول اللہؐ نے بیان کی پیدائش سے نبوت تک کے حالات کی بھی یہی حالت ہے۔ بڑے سے بڑے محتاط محدثین نے بھی یہی کیا کہ رسول اللہؐ کے بیان کے علاوہ صحابہ اور کبار تابعین کے صحیح اقوال کو جمع کیا ہے۔ گو واقعہ کے وقت وہ موجود نہ تھے۔ کیونکہ اس کے سوا چارہ نہیں ہے۔

مغازی کے حالات دونوں لکھتے ہیں محدثین بھی اور اصحاب سیرت بھی مگر دونوں کے لکھنے میں فرق ہے۔ فتح مکہ کے متعلق محدثین اتنا لکھتے ہیں کہ قریش نے حدیبیہ کا معاہدہ کو توڑا اور بنی خزاعہ پر ظلم کیا جو رسول اللہؐ کے حلیف تھے اس لیے رسول اللہؐ نے حملہ کیا اور فتح مکہ ہوا۔ لیکن اصحاب سیرت اتنا نہیں لکھتے وہ یہ بھی بتاتے ہیں کہ معاہدہ کتنا اہم تھا۔ بنی بکر اور بنی خزاعہ کی جنگ عرصہ سے چلی آرہی تھی۔ اُس معاہدہ کی وجہ سے وہ جنگ رک گئی تھی۔ قریش نے عہد توڑ کر پھر اُس جنگ کو مشتعل کر دیا تھا۔ اس کی توضیح اسی طرح ممکن تھی کہ بنی بکر اور بنی خزاعہ کے نزاعات کی کچھ تاریخ بیان کریں۔ مگر اس باب میں محدثین کے شرائط کے موافق واقعات تک متدیّن مسلمانوں کی متّصل روایت کیونکر مل سکتی تھی اور ایسی روایت نہ ملنے کا یہ مطلب نہیں ہوسکتا کہ بنی الدیل کے لوگوں نے جو کچھ اپنے کافر باپ دادا سے سنا تھا اور جس میں عرصہ تک وہ خود مبتلا رہ چکے تھے وہ سب قابل اعتبار نہ ہو اور رد کر دیا جائے۔ (۱۲)

داناپوری نے اپنے اس محدثانہ اسلوب کی پابندی اپنی کتاب میں از اول تا آخر کی ہے۔ دعوت اسلامی کے ابتدائی دور پر گفتگو کرتے ہوئے سابقین اولین کے اسماء گرامی بیان کرتے ہوئے داناپوری نے ایک جانب محدثین کے بنیادی مصادر پر دارومدار کیا تو دوسری جانب حوالہ جات میں ان کے تعارف پیش کرنے میں بھی ائمہ اسماء الرجال کے اسلوب کی پیروی کی ہے، ان میں سے جن صحابہ کی بحیثیت محدثین شہرت ہوئی ان کو بھی علیحدہ بیان کیا گیا ہے۔ (۱۳)

سیرت کے محدثانہ اسلوب میں ماضی قریب میں الرحیق المختوم اور عصرِ حاضر میں السادق الامین اور خصائص النبی نمائندہ حیثیت رکھتی ہیں۔

الرحیق المختوم

مولینا صفی الرحمٰن مبارکپوری۔

صفی الرحمٰن بن عبداللہ مبارکپوری ۱۹۴۲ء کے وسط میں ضلع اعظم گڑھ (انڈیا) کی ایک بستی حسین آباد میں پیدا ہوئے۔ مبارکپور میں آپ نے تعلیم حاصل کی اور ناگپور میں درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ ۱۹۷۲ء مادرِ علمی دار التعلیم مبارکپور کی انتظامیہ نے آپ کو وہاں انتظام درس وتدریس کی دعوت دی جو آپ نے قبول کر لی۔

مولانا مبارکپوری علوم الحدیث، علوم العقائد، مذہب کے تقابلی مطالعہ کے حوالہ سے مختلف کتب کے مؤلف ہونے کے علاوہ سیرت النبی ﷺ پر دنیا بھر میں اول انعام یافتہ کتاب الرحیق المختوم

کے مؤلف بھی ہیں۔مولانا نے اپنی کتاب میں محدثانہ اسلوب اختیار کیا ہے اور ایجاز واختصار کے ساتھ واقعات سیرت کو خوبصورت لڑی میں پرودیا ہے۔

مولانا مبارکپوری نے نبی کریم ﷺ کے بچپن کے واقعات کی زیادہ تفصیلات نقل نہیں کیں۔البتہ بدء وحی اور فترۃ الوحی کی کیفیات اور لیل وحی کی تاریخِ نزول کے حوالہ سے قابل قدر تحقیقات پیش کی ہیں۔اس ضمن میں صحیح بخاری کے علاوہ سید قطب کی فی ظلال القرآن، ابن حجر کی فتح الباری، ابن ھشام کی سیرت النبی ﷺ، صحیح مسلم، مسند احمد بن حنبل، سنن بیہقی اور حاکم کی المستدرک کو اپنا مصدر بنایا ہے۔مولانا کے مصادر سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کی کتاب میں محدثانہ رنگ غالب ہے۔(۱۴)

الصادق الامین

ڈاکٹر محمد لقمان السّلفی

ڈاکٹر لقمان السّلفی کی کتاب الصادق الامین دور جدید کے ذخیرہ سیرۃ میں ایک معتبر اور قابلِ قدر اضافہ ہے۔مؤلف نے اپنی تحقیق کے مأخذ ومصادر بیان کرتے ہوئے پہلا ماخذ قران کریم اور دوسرا ماخذ نبی کریم کی احادیث مبارکہ کو قرار دیا ہے۔۷۳۶ صفحات اس کتاب کے زیادہ تر مآخذ صحاح ستہ پر مشتمل ہیں۔(۱۵)

خصائص النبی

حافظ زاہد علی

پیغمبر اسلام ﷺ کی خصوصیات پر حافظ زاہد علی کی کتاب بھی دور جدید کی محدثانہ اسلوب کی عمدہ کتاب ہے۔دو جلدوں پر مشتمل اس کتاب احادیث مبارکہ کی بنیاد پر نبی کریم ﷺ کی شخصی وذاتی اور نبوی و پیغمبرانہ خصائص پر مدلل انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے۔(۱۶)

سیرۃ المصطفیٰ

مولانا محمد ادریس کاندھلوی

مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کا تعلّق یوپی کے قصبہ کاندھلہ سے تھا۔یہ قصبہ برگ وگل کے اعتبار سے زرخیز اور افراد کے اعتبار سے مردم خیز ہے۔بقول احسان دانش:

> ''کاندھلہ مین متعدد شاعر بھی تھے، اور جید مولوی بھی، انگریزی کے فارغ التحصیل فضلاء بھی اور اصول وعقیدہ کے لحاظ سے انگریزی کو گناہ خیال کرنے والے صاحبِ نظر بھی، نیز پرانی فیشن کے وہ علماء بھی جن کی علمیت کے باعث بڑی بڑی درسگاہیں دنیا بھر کے دارالعلوم کاندھلہ کا نام عزت سے لیتے ہیں۔''(۱۷)

۱۲ ربیع الثانی ۱۳۱۷ھ مطابق ۲۰ اگست ۱۸۹۹ء کو مولانا پیدا ہوئے۔تعلیم وتدریس کا آغاز

ہندوستان میں ہی ہوا اور دسمبر ۱۹۴۹ء کو آپ نے پاکستان ہجرت کی اور ۸ رجب ۱۳۹۴ھ مطابق ۲۸ جولائی ۱۹۷۴ء کولاہور مین وفات پائی۔(۱۸)

علم تفسیر میں معارف القرآن، علم الحدیث میں التعلیق الصبیح، عقائد وکلام میں علم الکلام اور سیرت رسول میں سیرت المصطفیٰ مولانا کی علمی اور تصنیفی زندگی کے چند نمایاں نام ہیں۔

سیرت المصطفیٰ اردو ادب میں تصنیف کی گئی کتبِ سیرت میں چند مقبول ترین کتب میں شمار ہوتی ہے۔ مولانا نے یہ چار حصوں پر مشتمل تالیف کی ۱۳۵۸ھ/۱۹۴۱ء میں اس کتاب کی تصنیف مکمّل ہوئی، مولانا کے زمانۂ حیات میں یہ کتاب متعدد مرتبہ شائع ہوئی، ۱۹۹۰ء میں یہ کتاب احقر کی تدوین وتخریج کے ساتھ شائع ہوئی۔

مولیناؒ کاندھلوی اپنی کتاب کے اسلوب کے بارے میں لکھتے ہیں:

آنحضرت ﷺ کی اصل سیرت تو پوری حدیث ہے لیکن متقدمین کی اصطلاحات میں فقط غزوات اور سرایا کے حالات اور واقعات کے مجموعہ کو سیرت کہتے ہیں۔ حدیث آٹھ علوم کے مجموعہ کا نام ہے اور سیرت اس کا ایک جزو ہے۔

سیَر آداب وتفسیر وعقائد　　　فتن اشراط واحکام ومناقب

لیکن اس زمانہ میں سیرت کا اخلاق سوانح عمری سے کیا جاتا ہے۔ محدثین نے جرح وتعدیل کے جو قوائد مقرر کئے اور صحیح وسقیم کے پہچاننے کا جو معیار قائم کیا ہے وہ بلاکسی تفریق وتخصیص کے ہر جگہ ملحوظ رکھا گیا اور تمام حدیثیں خواہ احکام سے متعلّق ہوں یا مغازی اور مناقب سے سب اسی معیار سے جانچی گئیں البتہ جن حدیثوں پر دین کا دارومدار تھا جیسے عقائد اور حلال وحرام، محدثین نے ان کے قبول کرنے میں زیادہ تشدد سے کام لیا اور جن حدیثوں پر دین کا دارومدار نہ تھا جیسے فضائل ومناقب وہاں کسی قدر وسعت اور سہولت سے کام لیا گیا اس لیے کہ وہاں کوئی عمل مقصود نہیں محض علم مقصود ہے۔

اس لیے ایسے مقام پر توسیع ہی مناسب ہے۔ چنانچہ امام احمد بن حنبل سے مروی ہے:

﴿اذا روینا فی الحلال والحرام تشدد واذا روینا فی الفضائل تساھلنا﴾

(جب ہم حلال وحرام کے بارے میں روایت کرتے ہیں تو تشدد کرتے ہیں اور جب فضائل ومناقب کے بارے میں روایت کرتے ہیں تو نرمی کرتے ہیں۔)

الحاصل صحت اور ضعف کا جو معیار ہے اور جو ضابطہ احادیث میں ہے وہی مغازی اور سیر میں ہے۔ اسی ضابطہ سے سب احادیث کو جانچا جاتا ہے۔ اسی کے مطابق بلاکسی تفریق صحیح اور ضعیف کا حکم لگایا جاتا ہے۔

جن محدثین نے اپنی کتاب میں صحت کا التزام کیا انہوں نے ہر قسم کی حدیثوں کو خواہ احکام کی ہوں یا مغازی اور مناقب کی سب کو صحیح طور پر جمع کیا جیسے صحیح بخاری، صحیح مسلم، صحیح ابن خزیمہ، منتقی ابن

جارود، صحیح ابن حبان۔ ان کتابوں میں سیرت اور مناقب کا ایک بڑا ذخیرہ موجود ہے اور سب صحیح ہے اور جن محدثین نے اپنی کتاب میں صحت کا التزام نہیں کیا ان کا مقصد یہ تھا کہ حدیث کا ذخیرہ جمع ہو جائے اور آنحضرت ﷺ سے جو منقول ہوا ہو وہ سب ایک بار محفوظ ہو جائے بعد میں اس کی تنقیح کر لی جائے گی اس لیے کہ جب سند موجود ہے تو پھر اسے جرح و تعدیل کی کسوٹی پر پرکھنا کیا مشکل ہے۔ الغرض ان حضرات نے حدیث کے جمع کرنے کا پورا اہتمام اور اس کی کوشش کی کہ کوئی حدیث جمع ہونے سے نہ رہ جائے۔

حضرات محدثین نے جہاں ایک طرف جرح و تعدیل کے اصول مقرر فرمائے تا کہ کوئی غلط بات ذات نبوی سے منسوب نا ہو جائے۔ کذب النبی اگر چہ متعمدانہ ہو تب بھی کذب اور خطا ضرور ہے۔ اسی طرح محدثین نے دوسرے طرف یہ احتیاط کی کہ جو روایت ان کو ملی بلا کم و کاست سند کے ساتھ اس کو درج کتاب کر دیا تا کہ ذات نبوی کے متعلق کوئی علم مخفی نہ رہ جائے اور کوئی کلمہ جو آپ ﷺ کی زبان مبارک سے نکلا ہو وہ گم نہ ہونے پائے اور یہ سند اگر چہ مستند نہ ہو لیکن ممکن ہے کہ یہ روایت کسی دوسری سند سے منقول ہو جائے تو تعدد سند اور اختلاف طرق کو دیکھ کر آئندہ کے اہل علم اس کا خود فیصلہ کر لیں گے کہ یہ روایت کس درجہ مستند ہے۔ بہت سی صحیح روایتیں متعدد طرق سے مروی ہونے کی وجہ سے حد تواتر اور شہرت کو پہنچ گئیں۔ لہٰذا جن محدثین نے رطب و یابس روایت کو جمع کیا وہ بے احتیاطی نہیں بلکہ **بلغو عنی و لو آیۃ** 'یعنی مجھ سے جو سنو وہ پہنچاؤ اگر چہ وہ ایک کلمہ ہی ہو' کے اعتبار سے غایت درجہ کی احتیاط ہے۔ (۱۹)

مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ نے اپنی کتاب سیرۃ المصطفیٰ میں بھی اپنے مخصوص محدثانہ اسلوب کو پوری کتاب میں برقرار رکھا۔ (۲۰)

مولانا نے محدثانہ رنگ میں، محدثین کے اصول و ضوابط کی روشنی میں سلف صالحین کی کتب کا ایک بہترین نچوڑ اور جوہر سیرۃ المصطفیٰ کی شکل میں ہمارے سامنے رکھ دیا ہے۔

مولانا نے اپنی کتاب کی تالیف میں ایک محتاط انداز کے مطابق کم و بیش ۱۰۰ کتب سے استفادہ کیا ہے۔ ان کتب میں علامہ زرقانیؒ کی شرح مواھب اللدنیہ اور ابن قیمؒ کی زاد المعاد سے خصوصا بہت زیادہ کسب فیض کیا ہے۔ یہ دونوں کتب مولانا کے ذاتی کتب خانہ میں موجود ہیں۔ مولانا نے اپنی کتاب میں چونکہ آثار و احادیث بکثرت نقل کی ہیں اور جہاں ضرورت سمجھی ان کی مختلف سندیں بھی بیان کیں اور ائمہ جرح و تعدیل کی آراء کی روشنی میں راویوں پر بھی گفتگو کی۔ اس وجہ سے شخصیات کے ناموں کی کثرت ہے، دو جلدوں کا اشاریہ جس میں شخصیات قبائل اور مقامات موجود ہیں ۹۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ (۲۱)

نبی کریم ﷺ پر پہلی وحی کے نزول کے واقعات میں بطورِ خاص مولانا کا محدثانہ رنگ نمایاں ہو کر نظر آتا ہے۔ مولانا نے قرآن کریم کی آیات مبارکہ کے علاوہ، صحیح بخاری، ابن حجر کی فتح الباری اور الاصابہ، ابن ہشام کی سیرت النبیؐ، طبری کی تاریخ الامم والملوک، ابن سید الناس کی عیون الاثر، زرقانی کی شرح مواہب اللدنیہ اور سیوطی کی الخصائص الکبریٰ کے حوالوں سے غارِ حراء میں نازل ہونے والی پہلی

وحی کی کیفیات، آپؐ کا گھر واپس تشریف لانا، حضرت خدیجہؓ کا آپ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے کر جانا اور ورقہ بن نوفل سے آپؐ کی اور حضرت خدیجہؓ کی گفتگو کے واقعات پوری جزئیاتی تفصیلات کے ساتھ بیان کیے ہیں۔[۲۲]

بدء الوحی کی اس بحث کے ساتھ مولانا نے فوائد ولطائف کے عنوان سے منصبِ نبوت و رسالت کے چالیس سال کی عمر کی حکمت پر لطیف بحث کی ہے۔ مولانا لکھتے ہیں:

اصل عمر تو انسان کی چالیس ہی سال ہے اس کے بعد تو انحطاط اور زوال ہے اسی طرح جب آپ کے قوائے جسمانیہ و روحانیہ حد کمال کو پہنچ گئے اور تجلّیات الٰہیہ اور نفحات قدسیہ کے قبول کرنے کی استعداد مکمّل ہوگئی، تب اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل اور اپنی رحمت سے آپ کو نبوت و رسالت کا خلعت عطا فرمایا **واللّٰہ یختص برحمته من یشاء واللّٰہ ذوالفضل العظیم** (البقرہ: ۱۰۵)

شعبی کی ایک مرسل روایت میں ہے جس کو امام احمد بن حنبل نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے کہ بعثت کے بعد کچھ عرصہ تک اسرافیل علیہ السّلام آپ کی معیت اور رفاقت کے لیے مامور ہوئے۔ وقتاً فوقتاً آپ کو محاسن آداب وغیرہ کی تلقین و تعلیم فرماتے مگر ان کی توسط سے کبھی قرآن کی کوئی آیت نازل نہیں ہوئی سنداس روایت کی صحیح ہے۔

اسرافیلؑ کی معیت و رفاقت میں اس طرف اشارہ تھا کہ یہ نبی آخری نبی ہیں ان کے بعد قیامِ قیامت کا انتظار کرنا چاہیے۔ اس لیے کہ اسرافیلؑ ہی نفخ صور کے لیے مامور ہو چکے ہیں انہی کے صور پھونکنے سے قیامت قائم ہوگی **ذکرہ السیوطی فی الاتقان نقلا عن بعض الائمة**[۲۳]

آثارِ وحی و نبوت پر مشتمل حضرت عائشہ کی طویل حدیث پر گفتگو کرتے ہوئے مولانا لکھتے ہیں:

حدیث کا یہ لفظ ثم حبب الیہ الخلاء یعنی خلوت وعزلت کی محبّت ڈال دی گئی۔ صیغۂ مجہول لانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ خلوت کی محبّت خود بخود پیدا نہیں ہوئی بلکہ کسی ڈالنے والے نے دل میں ڈال دی ہے۔ یعنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا عطیہ ہے اور خلوت کی محبّت اس لیے دل میں ڈالی گئی کہ خلوت وعزلت یعنی مخلوق سے علیحدگی اور تنہائی تمام عبادتوں کی جڑ ہے بلکہ خلوت خود مستقل عبادت ہے اور اگر خلوت کے ساتھ ذکر و فکر کی عبادت بھی مل جائے تو سبحان اللہ نور علی نور ہے۔[۲۴]

اس حدیث میں اس طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ مبتدی کے لیے خلوت وعزلت ہی مناسب ہے۔ گھر میں اور اہل وعیال میں رہ کر اچھی طرح عبادت نہیں کر سکتا منتہی کے لیے خاص خلوت کی ضرورت نہیں اس لیے کہ کامل اور منتہی کے لیے اہل وعیال کی صحبت تعلق مع اللہ سے مانع نہیں ہوتی۔

واقعہ معراج کے بیان میں محدثانہ اسلوب

حکیم عبدالرؤف دانا پوری نے اپنی کتاب اصح السیر میں نبی کریم ﷺ کے واقعہ معراج کو بہت

اختصار سے بیان کیا ہے،اس بیان میں دانا پوری نے امام زھری اور ابن عبد البر کی روایات پر اعتماد کیا ہے۔ (۲۵)

مولٰینا محمد ادریس کاندھلوی کا محدثانہ اسلوب سیرۃ المصطفیٰ میں واقعہ معراج کے بیان میں بہت نمایاں ہوکر سامنے آیا ہے۔

مولٰینا نے یہ واقعہ پوری تفصیل اور مکمّل جزئیات کے ساتھ بیان کیا ہے۔واقعہ معراج کا یہ بیان ۳۷ صفحات پر مشتمل ہے۔مولٰینا نے واقعہ کی مختلف جزئیات کے بیان میں مختلف احادیث اور آثارِ صحابہ کو اپنا مقصد تحقیق بنایا ہے۔مولٰینا نے نہ صرف اس واقعہ اور اس کی تفصیلات کے بیان میں محدثانہ اسلوب اختیار کیا ہے بلکہ بعض جگہ متن میں اور بعض مقامات پر حواشی میں روایات کے اختلاف کو بھی واضح کیا ہے۔مثلاً بیت المقدس میں نبی محترم ﷺ کے نزول اقدس کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے امام مسلم کی روایت نقل کی۔اس عبارت کے درمیان چند الفاظ قوسین میں دیے گئے ہیں اور حاشیہ میں واضح کر دیا ہے کہ بین القوسین عبارت مسلم کی روایت میں نہیں ہے۔ (۲۶)

اسی طرح مختلف آسمانوں پر مختلف انبیاء علیہم السّلام سے ملاقات اور ان کے کلماتِ ترحیب و تحمید کی نقل میں مولٰینا نے صحیح مسلم اور صحیح بخاری کے علاوہ زرقانی کی شرح مواھب اللدنیہ، ابن کثیر کی تفسیر القرآن العظیم اور البدایۃ والنھایۃ اور سیوطی کی الخصائص الکبریٰ سے روایات نقل کی ہیں۔ (۲۷)

سدرۃ المنتہٰی اور مقامِ صریف الاقلام کے توضیح بھی پیش کی اور حاشیہ میں واضح کر دیا کہ صریف الاقلام پر پہنچنا، بخاری اور مسلم میں ابن عباس اور ابوحبہ انصاری سے مروی ہے باقی صریف الاقلام کی شرح زرقانی سے ماخوذ ہے۔ (۲۸)

سفر معراج میں نبی کریم ﷺ کا بارگاہِ الٰہی میں ہم کلام ہونے کی سعادت اور دیدار پر محدثانہ اور محقّقانہ انداز میں بحث کی ہے۔

حضرت ابوھریرۃ کی ایک تحویل حدیث نقل کرنے کے بعد جس میں مولانا نے وہ الفاظ نقل کئے ہیں جو ربّ کائنات نے نبی کریم ﷺ سے ارشاد فرماتے تھے اِن کلمات کو نقل کرنے کے بعد مولانا نے راوی کی تعدیل وتوثیق کے حوالہ سے مختلف ماہرین جرح وتعدیل کے الفاظ نقل کیے:

> ”وقال السیوطی فی الآیة الکبریٰ فی شرح قصة الاسراء اخرجهٗ الحاکم وغیره ورجالهٗ موثقون الّااِنّ ابا جعفر الرازی وثقهٗ بعضهم و ضعفهٗ بعضهم وقال ابوزرعة یتهم وقال الحافظ ابن کثیر الاظهرانهٗ سیئی الحفظ“ (۲۹)

مولانا اطہر مبارک پوریؒ نے واقعہ معراج کو بیان کرنے کے لیے ابن القیمؒ کی زاد المعاد، قاضی سلیمان منصور پوریؒ کی رحمۃ للعالمین ابن ہشامؒ کی سیرت النبی، مختلف کتب تفسیر کے علاوہ صحیح بخاری کی جلد

اول کے ۹ اور جلد دوم کے ۲ مقامات سے اور صحیح مسلم جلد اول کے چھ مختلف مقامات سے استفادہ کیا ہے۔[۳۰]

قاضی سلیمان سلمان منصور پوریؒ نے واقعہ معراج کو مختلف حصوں میں تقسیم کر کے بیان کیا، اس ضمن میں صحیح مسلم، ابن القیمؒ کی زاد المعاد سے حضرت عائشہؓ، معاویہؓ اور حسن بصریؒ کی روایات سے استفادہ کیا ہے۔[۳۱]

غزوات اور تصورِ جہاد کے سلسلہ میں مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ اور قاضی اطہر مبارک پوری کا محدثانہ رنگ ممتاز ہو کر سامنے آتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ شبلی نعمانی، سیرت النبی، لاہور، الفیصل، ۱۹۹۱، ج ۱: ص ۲۶
۲۔ داناپوری، ابوالبرکات حکیم عبدالرؤف مولٰینا، اصح السیر فی ہدی خیر البشر، کلکتہ مطبع ستارہ، ۱۹۳۲ء، ج ۱: ص ۱۳
۳۔ اشفاق، رفیع الدین سید، ادو کی نعتیہ شاعری: ص ۹
۴۔ خالد، انور محمود، اردو نثر میں سیرت رسول، لاہور، اقبال اکیڈمی، ۱۹۸۹ء: ص ۲۱۹
۵۔ حوالہ بالا
۶۔ کوثر نیازی، مولٰینا، جنہیں میں نے دیکھا، لاہور، جنگ پبلشرز، ۱۹۸۹ء: ص ۴۵
۷۔ غازی، محمود احمد ڈاکٹر، محاضرات سیرت، لاہور، الفیصل، ۲۰۰۷ء: ص ۱۹۷
۸۔ کاندھلوی، محمد ادریس مولٰینا، سیرۃ المصطفٰی، لاہور، مکتبہ عثمانیہ ۱۹۹۲ء، ج ۱: ص ۱۳۰، تدوین وفہارس، محمد سعد صدیقی
۹۔ ابن خلدون، مقدمہ، ص: ۴
۱۰۔ محدثین کے معیارِ تحقیق کی تفصیلات علم الجرح والتعدیل کی کتب میں موجود ہیں، بنیادی معلومات کے لیے راقم کے درج ذیل تین مقالات ملاحظہ فرمائے جا سکتے ہیں:
الف) علمِ حدیث میں جرح وتعدیل، فکر ونظر، اپریل۔ جون ۱۹۸۸ء
Criticism In The Narrators of Hadith- A Pelude, Al qalam 14/14 December 2009
Garrison of The Science of Hadith- Formation and Development of Standards, Al Qalam,15/1 June 2010
۱۱۔ داناپوری، اصح السیر، ج ۱: ص ۸
۱۲۔ ایضا: ج ۱: ص ۹، ۱۰
۱۳۔ ایضا: ص ۵۹ تا ۶۹
۱۴۔ مبارکپوری، قاضی اطہر، الرحیق المختوم، ص: ۹۶ تا ۹۸
۱۵۔ السّلفی، محمد لقمان ڈاکٹر الصادق الامین، مظفر گڑھ، الفرقان، س ن

۱۶۔ زاہد علی، حافظ، خصائص النبی ﷺ، لاہور، راحت پبلشرز، ۲۰۰۷ء
۱۷۔ احسان دانش، جہان دانش: ص ۲۰
۱۸۔ مولانا محمد ادریس کاندھلوی کے حالات، زندگی کی تفصیلات کے لیے دیکھیے:
صدیقی، محمد میاں مولانا، تذکرہ مولانا محمد ادریس کاندھلوی، لاہور مکتبہ عثمانیہ
۱۹۔ کاندھلوی، کتاب مذکور، مقدمہ
۲۰۔ صدیقی، محمد سعد، علم تفسیر میں مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کی خدمات، مقالہ پی ایچ۔ڈی: ص ۳۰۳
۲۱۔ کاندھلوی، سیرۃ المصطفیٰ ج ۲: ص ۶۵۸ تا ۶۴۸
۲۲۔ کاندھلوی سیرت ج ۱: ص ۱۵۷ تا ۱۶۶
۲۳۔ ایضا، ج ۱: ص ۱۶۸، ۱۶۹
۲۴۔ حوالہ مذکور
۲۵۔ داناپوری، اصح السیر ج ۱: ص ۵۷، ۵۸
۲۶۔ کاندھلوی، سیرۃ، ج ۱: ۳۱۷
۲۷۔ ایضا: ج ۱: ص ۳۱۸ تا ۳۲۴
۲۹۔ ایضا: ج ۱: ص ۳۲۵
۳۰۔ مبارکپوری، قاضی اطہر، الرحیق المختوم: ص ۱۹۷ تا ۲۰۴
۳۱۔ منصور پوری، سلمان سلیمان قاضی، رحمۃ للعالمین: ص ۷۰ تا ۷۲

''الروض الأنف'' از امام عبدالرحمٰن السہیلی: خصوصیات، اسلوب اور مصادر

محمد ریاض محمود☆/محمد شہباز منج☆☆

Abstract:

"Imam Abdul Rehman Al-Sohaili's book "Al-Rauz ul-Onaf" is an important and valuable document and educational extract on the Holy Prophet's life. It is a fine explanation and interpretation of "Seerat Ibne Hashaam". This book has converted the difficult terms into very easy day to day words and phrases and has explained and elaborated the educational points relating to Quran and Hadith. It has completed and nourished the issues and notions which were needed to be explained and it has summarised beautifully the long debates. The writer, a great lover of the Holy Prophet (PBUH), has created this great gift with the help of one hundred and twenty books from different writers. This research article is a critical evaluation on the qualities, important extracts, debates, techniques and resources of "Al-Rauz ul-Onaf"."

ابن ہشام کی کتاب ''السيرة النبويه'' رسول اللہ ﷺ کی سیرتِ مطہّرہ سے متعلّق ایک اہم علمی، تاریخی، تمدنی، فقہی اور دعوتی ذخیرہ ہے۔ اس کتاب کی اہمیت ومقبولیت کے پیش نظر اس کی بہت سی شروح لکھی گئی ہیں۔ چند شروح اور ان کے مؤلفین کا تذکرہ ذیل میں درج ہے:

۱۔ **تنبیهات ابن الوقشی -قاضی ابو الولیدهشام بن احمد وقشی(م۴۸۹ھ)**

۲۔ **الروض الأنف -ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن عبدالله بن احمد السهيلی الاندلسی (م۵۸۱ھ)**

۳۔ **الاملا ء علیٰ سيرة ابن هشام. ابوذرمصعب بن محمد بن مسعود خشنی(م۶۰۶ھ)**

☆ لیکچرار اسلامیات، گورنمنٹ پوسٹ گرایجویٹ کالج، سیٹلائٹ ٹاؤن، گوجرانوالہ

☆☆ اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ علوم اسلامیہ، یونیورسٹی آف سرگودھا، سرگودھا

۴۔ **کشف اللثام فی شرح سیرۃ ابن ھشام. علامہ بدرالدین محمودبن احمدعینی(م۸۵۵ھ)**

۵۔ **المیرہ فی حل مشکل السیرۃ. یوسف بن عبدالھادی صالحی(م۹۰۹ھ)**(۱)

ان میں سے زیادہ مقبولیت کا شرف ''الروض الأنف'' کوحاصل ہوا۔یہ کتاب سیرت ایسے پرسعادت موضوع پر گراں قدر معلومات اور نادرافادات کا خزانہ ہے۔یہ کتاب کئی بارچھپ چکی ہے۔ ڈاکٹرمحموداحمدغازی اس کتاب کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''علامہ سہیلی محدث بھی تھے فقیہہ،لغوی،نحوی، ماہرانساب اورمؤرخ بھی تھے ان کی شرح میں ان سب حیثیتوں کی جھلک صاف محسوس ہوتی ہے۔ان علمی خوبیوں کی وجہ سے ابن ہشام کی وہ شرح جوعلامہ سہیلی نے الروض الأنف کے نام سے لکھی وہ بہت جلد مقبول ہوگئی اوردنیائے اسلام کے ہرعلاقے میں مقبول اورمتداول رہی۔بہت سے لوگوں نے اس کی شرحیں بھی لکھیں اوراس پرحواشی لکھے۔بعض لوگوں نے اس کی تلخیص کی،بعدمیں آنے والے تقریباً ہرسیرت نگارنے اس سے استفادہ کیا۔''(۲)

امام سہیلی کا تعارف اور علمی مرتبہ

ابوالقاسم،ابوزیداورابوالحسن تینوں آپ کی کنیتیں ہیں جبکہ نام عبدالرحمٰن بن عبداللّٰہ بن سعدون (۵۰۸۔۵۸۱ھ) ہے۔آپ اندلس کے بہت بڑے عالم اور باکمال حافظ حدیث تھے۔آپ کی معلومات بہت وسیع تھیں۔مختلف علوم وفنون میں معاصرین پرسبقت رکھتے تھے۔تفسیراورفن حدیث کے عالم،رجال کے ماہر،علم کلام اوراصول فقہ سے باخبر،تاریخ قدیم اورتاریخ جدید کے حافظ،معاملہ فہم اورعقلمند تھے۔نئے نئے قواعداختراع اورعجیب وغریب مسائل استنباط کرتے تھے۔آپ مختلف المذاہب لوگوں کے قاضی رہےاوروہ سب آپ کی سیرت وکردار سے خوش تھے۔(۳)

مؤلفات

نابینا ہونے کے باوجود آپ نے بہت سی عمدہ کتب تالیف کی ہیں۔جن میں سے چندایک مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ **الروض الأنف**

۲۔ **تفسیر سورۃ یوسف**

۳۔ **التعریف والاعلام فی ماابھم فی القرآن من الاسماء والاعلام**

۴۔ **الایضاح والتبیین لماابھم من تفسیر الکتاب المبین**

۵۔ **نتائج الفکر**(۴)

۶۔ كتاب الفرائض وشرح آيات الوصية

۷۔ الامالی

۸۔ مسألة السرفی عورالدجال

۹۔ مسألة الرؤية النبیﷺفی المنام(۵)

”الروض الأنف“ کی امتیازی خصوصیات اوراس کے اہم مباحث

”الروض الأنف“ بیش قیمت معلومات اورنادرافادات کاخزانہ ہے۔ یہ کتاب ۱۳۳۲ھ میں مطبع جمالیہ مصر سے دوحصوں میں شائع ہوئی۔ دوسراایڈیشن عبدالرحمٰن وکیل کی تحقیق وتعلیق سے دارالکتب الحدیثۃ قاہرہ سے تین حصوں میں (۱۹۶۷ءتا۱۹۷۰ء) شائع ہوا۔ ایک تیسراایڈیشن طٰہٰ عبدالرؤف سعد کی کوششوں سے ۱۹۷۳ء میں مکتبۃ الکلیات الازہریہ قاہرہ سے چارحصوں میں سیرت ابن ہشام کے ساتھ شائع ہوا۔ مؤلف نے اپنی اس ہردلعزیز کتاب میں مختلف مباحث بیان کئے ہیں جن کی وضاحت اس نے کتاب کے مقدمہ میں کردی ہے۔ مقدمہ کے چندنکات مندرجہ ذیل ہیں:

خالق کائنات کی تعریف

مقدمہ کا آغاز اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء سے کیا گیا ہے، مؤلف کی لِلّٰہیت اوراللہ تعالیٰ سے گہری جذباتی وابستگی کااظہاران کے ان الفاظ سے ہوتا ہے:

”اللہ رب العزت کی حمد وتعریف ہراہم کام سے مقدم ہے۔ اس ہستی پاک کاذکر مبارک اس بات کامستحق ہے کہ وہ دل اورقلب سے جدانہ ہو۔ اس کی بارگاہ ناز میں عاجزی اورالتجا کرنے سے قبل ہی باجمال عطیات ملنے پراسی کی ستائش ہے۔ جیسے کہ ہم نے آغاز اسی سے کیا ہے۔ اسی ذاتِ والا کے لیے ایسی تعریف ہے جو ہرروز نیا کام کرنے والا ہے اورشانِ غنا سے متصف ہے جوشب وروز کے گزرنے کے باوجودتازہ رہے، اور بوسیدہ نہ ہو۔ اس ذات باری تعالیٰ کی حمد وتعریف کرنا، اس کی نعمتوں اورعمدہ آزمائشوں پراس کاشکرادا کرنا، اس کے احسانات میں سے ایک احسان ہے، اس کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے۔ پاک ہے وہ ذات جس کی جودوسخا اورنعمتوں کی کوئی حد نہیں، اس کے جلال کی کوئی انتہا نہیں، اس کے اسماء کاکوئی شمار نہیں۔“(۶)

خلیفہ ابویعقوب یوسف بن عبدالمؤمن کی تعریف

مؤلف نے خلیفہ وقت سے اپنے خصوصی تعلّق کوتعریف وستائش کے ان الفاظ سے واضح کیا ہے:

”تمام تعریفیں اس ذات کے لیے ہیں جس نے ہمیں اہل توحید کے گروہ کے ساتھ ملایا۔ ہمیں اس پختہ امر کے حلقہ کومضبوطی سے پکڑنے کی توفیق دی۔ ہمیں اس خلافت

کے ایام میں پیدا کیا جس کی برکت کا وعدہ صادقِ امین کی زبان مبارک سے کیا گیا ہے۔اس نے ہمیں خلیفہ امیر المؤمنین بن امیر المؤمنین بن امیر المؤمنین یعنی ابو یعقوب یوسف بن عبدالمؤمن کی خلافت میں پیدا کیا ہے۔اس خلافت کے انوار تمام آفاق میں پھیل گئے ہیں۔جس کے ابرِ کرم کے چھینٹوں اور لشکر کی ڈھال نے کفر و نفاق کے شعلوں کو بجھا دیا ہے۔

فی دولةٍ لحظ الزمان شعاعها فارتدمنتكصاً بعينی ارمد

من كان مولدهٗ تقدّم قبلها اوبعدها فكانّهٗ لم يولد

یعنی ہم اس سلطنت میں پیدا ہوئے،زمانے نے جس کے اجالے کا مشاہدہ کیا،اس نے آشوب چشم والی آنکھ کو واپس لوٹا دیا۔جس کی پیدائش اس خلافت سے پہلے یا بعد میں ہوئی،گویا کہ اس نے جنم ہی نہ لیا۔(۷)

مدحِ رسالت ﷺ

خالقِ کائنات کی حمد وثناء اور خلیفہ وقت کی تعریف کو تمہیداً بیان کرنے کے بعد مؤلف نے رسول اللہ ﷺ کی مدح و نعت کو بڑے خوبصورت انداز میں بیان کیا ہے،آپ لکھتے ہیں:

''ان تمام نعمتوں پر اس کی ایسی تعریف ہے جو ہر لحظہ تازہ بہ تازہ اور پیہم ہو،اسی کے ذمۂ کرم پر ہے کہ وہ افضل درود پاک اور عظیم برکات اس ذات کے ساتھ مختص فرمائے،جو اس کی مخلوق سے برگزیدہ ہیں۔اس کے راستے کی طرف جن کی رہنمائی کی گئی ہے،جنہیں شاہراہِ ہدایت پر گامزن کیا گیا ہے،جو اللہ تعالیٰ کے دین کی نشانیوں کی طرف اس شخص کی رہنمائی کرنے والے ہیں جو کامیاب ہوا،یعنی حضور نبی اکرم ﷺ کی ذات والاصفات،جس طرح آپ ﷺ نے ٹیڑھی ملت کو سیدھا فرمایا اور ہدایت سے واضح راستہ عیاں کیا اور اس کے ذریعے بہرے کان،اندھی آنکھیں اور پردے میں لپٹے ہوئے دل کھول دیئے۔پس درود و سلام ہو رسول اللہ ﷺ پر اور آپ ﷺ کی آل پر۔''(۸)

سببِ تالیف

سیرت کے میدان میں ابن اسحاق اور ابن ہشام کی عظیم خدمات کی تشریحات و توضیحات اس کتاب کی تالیف کے اہم اسباب ہیں۔اس علمی کاوش کے اغراض و مقاصد کی وضاحت مؤلف کے اس بیان سے ہوتی ہے:

''اللہ تعالیٰ سے استخارہ کر لینے کے بعد اور اسی ذات سے استقامت کرنے کے بعد جس کے لیے قدرت اور طاقت ہے،میں نے ان واقعات کی وضاحت کا ارادہ کیا جو حضور ﷺ کی سیرت مطہّرہ کے ضمن میں آئے۔جنہیں تالیف کرنے میں حضرت ابوبکر محمد بن اسحاق مطلبی سب سے سبقت لے گئے۔جن کی تلخیص حضرت عبدالملک بن

ہشام المعافری المصری النسابہ النحوی نے کی۔ میں ان امور کی شرح لکھوں گا جن کا مجھے علم ہوا، جنہیں سمجھنے کی مجھے توفیق دی گئی۔ مثلاً غریب الفاظ، مشکل اور پیچیدہ اعراب، مشکل کلام، دشوار نسب اور ایسے فقہی مقام کی وضاحت کروں گا جس کی شرح کی ضرورت ہوئی، یا نامکمّل بات کی تکمیل کروں گا۔ اس کے ساتھ ساتھ اپنی کمزوری کا اعتراف بھی ہے کہ میں انتہا تک پہنچنے سے قاصر ہوں۔ اس انتہا تک پہنچنا مدعا بھی نہیں ہے لیکن یہ بھی مناسب نہیں کہ ادنیٰ کو اعلیٰ پر سبقت لے جانے سے روکا جائے۔ علم کے حصول میں جس کی ہمت رواں ہوئی اسے زیادہ سیر کرنے کی لاٹھی پھینکنا نہیں چاہئے۔ جس طرح کہ ایک شاعر نے کہا ہے:

افعل الخیر ما استطعت وان   کان قلیلاً فلن تحیط بکلّہٖ

ومتیٰ تبلغ الکثیرمن الفضل   اذا کنت تارکاً لاقلّہٖ

یعنی جتنی استطاعت ہے اتنی ہی بھلائی کرلو۔ اگر چہ قلیل ہی ہو۔ تم تمام بھلائی کا احاطہ نہیں کرسکتے۔ تم زیادہ فضل تک کیسے پہنچ سکتے ہو جب تم اس کی قلیل مقدار کو ترک کرنے والے ہو۔ ہم اللہ تعالیٰ سے اس توفیق کا سوال کرتے ہیں جو اسے راضی کردے، ہم اس شکر کی التجا کرتے ہیں جو مزید فضل کو لے آئے اور زیادہ فضل وکرم کا تقاضا کرے۔"(۹)

"الروض الأنف" کی پختگی کے اسباب

مقدمہ کا حسن مؤلف کا محبّت بھرا وہ بیان ہے جس سے اس کی علمی وفنی محنت کی طرف اشارہ ہوتا ہے، اس کاوش نے مذکورہ تالیف کو شہرت دوام کی منزل سے ہمکنار کردیا۔ مؤلف کے الفاظ اوران میں موجود علمی وجذباتی گہرائی ملاحظہ ہو:

"جب میں نے یہ کتاب لکھنی شروع کی تو مجھے گمان ہوا کہ مقصد کا حصول آسان ہے، میں آہستہ پا چلنے لگا۔ میں ٹوٹی پھوٹی ہمت کے ساتھ اٹھا۔ میں نے کہا، میں اس گھاٹ پر کیسے اتروں جس پر مجھ سے پہلے کوئی نہیں آیا۔ میں تجھ سے اس راستے کا سوال کیسے کروں جسے مجھ سے قبل کسی پیادہ یا سوار نے نہیں روندھا، اسی اثناء میں کہ میں حیران شخص کی مانند متردّد تھا، مجھے یہ خیال آیا کہ عنقریب یہ کتاب امام ابو یعقوب یوسف بن عبدالمؤمن کی عظیم اور برتر خلافت میں پیش کی جائے گی۔ خلافت اسے قبولیت کی نگاہ سے دیکھے گی۔ عنقریب اسے مبارک خزانہ (اللہ تعالیٰ اسے اپنی حفاظت اور نگہبانی سے طویل عمر بخشے اور امیر المؤمنین کی اپنی نصرت کے ساتھ تائید فرمائے) اس کی عمدہ اشیاء کو لڑی میں اسے پرولے گا۔ اس خلافت کی عظمت کے مطالع میں انہی انوار کے ساتھ یہ مکمّل ہوگی۔ تو اس وقت میں نے اشہب کوشش کی پیٹھ پر سواری کی، اس وقت میں نے عزم کی کمان کو حرکت دی۔ میں نے حافظہ کی اونٹنیوں کے تھنوں پر ہاتھ پھیرا۔ میں نے

غور وفکر کے چشموں کو صاف کیا۔ میں نے مشکیزہ کی تری کو نچوڑا۔ الحمدللہ! میں نے دروازہ کھلا ہوا پایا۔ میں اپنے رب کے نرم کیے ہوئے راستوں پر چل پڑا۔ اللہ تعالیٰ کے احسان سے ان کے چشموں نے میرے لیے عجیب وغریب معانی جاری کئے۔ ان کے ہراول وآخر نے میرے لیے لطیف فوائد بہا دیئے۔ کلمات کی دوشیزائیں میرے قریب ہونے لگیں کہ میں ان میں سے کس سے آغاز کرتا ہوں۔ میں نے اختصار کے پیش نظر ان سے اعراض کیا۔ میں نے ان میں سے اکثر کے سینوں میں طوالت اور اکتاہٹ کا خوف ڈال دیا۔ پھر بھی اس تصنیف سے علوم، آداب، اسماء الرجال، انساب، باطن کے خالص نکات، نحو کی تعلیل، اعراب کی درستگی جیسے فوائد حاصل ہوں گے جو ایک سوبیس سے زائد کتب سے نکالے گئے ہیں۔ ان میں سے بعض میرے سینے کی پیداوار ہیں۔ انہیں میرے غور وفکر نے خوشبو میں بسایا ہے۔ میرے غور وخوض نے ان کی نگرانی کی ہے۔ میں نے اپنے استاد محترم سے ایسے علمی نکات حاصل کئے جو مجھ سے قبل کسی نے حاصل نہیں کئے۔ نہ ہی ان کے لیے لوگ جمع ہوئے۔ یہ سب کچھ اللہ تعالی کی توفیق اور اس امر کی برکت سے ہوا جو طالبین کے دلوں کو حیاتِ نو بخشنے والا، ہدایت طلب کرنے والوں کی ہمتوں کو جگانے والا اور غافلین کے دلوں کو تحریک دے کر دین کی علامات سے آگاہی بخشنے والا ہے۔ اس کے ساتھ میں نے فضول اشیاء کا تذکرہ بہت کم کیا ہے۔ فصول کی اطراف کی کانٹ چھانٹ کی ہے۔ میں نے بات سے بات نکالنے کی بھی پیروی نہیں کی۔ بات سے بات نکلتی ہی رہتی ہے۔ کلام کے گھوڑے نے اس انتہا کی طرف سرکشی نہیں کی جس کا میں نے ارادہ نہیں کیا۔ مگر عجیب وغریب باتوں نے میرے لیے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ اس طرح یہ کتاب حجم کے اعتبار سے تمام کتابوں سے مختصر ہے مگر یہ ایسا جام ہے جو علم سے لبریز ہے۔''(۱۰)

مدتِ تدوین

امام سہیلی نے اس کتاب کا آغاز محرم الحرام ۵۶۹ھ میں کیا اور اسی سال جمادی الاول میں یہ مکمّل ہوگئی۔ یعنی یہ پانچ ماہ کی علمی وتحقیقی کاوش کا نتیجہ ہے۔(۱۱)

''الروض الأنف'' کا اسلوب ومنہج

کتب سیرت اور ان کی شروح میں ''الروض الأنف'' کا مقام رسول اللہ سے محبّت وعقیدت میں ہی نہیں بلکہ طرز بیان اور اسلوب کے میدان میں بھی منفرد ویکتا ہے۔ امام سہیلی نے سیرت ابن ہشام میں موجود قصائد کے مشکل الفاظ کی شرح کی۔ جہاں جہاں مشکل الفاظ آئے ان کو بیان کیا۔ جہاں جہاں ابن ہشام کسی خاص نکتہ پر توجہ دیتے ہیں اس نکتے کی طرف توجہ دلائی۔ جہاں انہوں نے ضرورت محسوس

کی کہ ابن ہشام کے بیان کو مزید واضح کرنے اور مزید مدلل بنانے کی ضرورت ہے وہاں حسب ضرورت اس میں اضافہ کر دیا۔ جہاں کوئی بات ابن ہشام کے ہاں نامکمّل نظر آئی اس کی تکمیل کر دی۔ خاص طور پر ایک چیز جس کا انہوں نے اضافہ کیا ہے۔ وہ یہ کہ اگر کسی واقعہ سے کوئی اہم نکتہ نکلتا ہے یا کوئی سبق ملتا ہے تو اس کی طرف انہوں نے اشارہ کیا ہے۔ یہ وہ چیز ہے جس کو ہم آج کل کی اصطلاح میں ''فقہ السیرۃ'' کہہ سکتے ہیں۔ اس موضوع پر سب سے پہلے جو وقیع اور عالمانہ اشارے ملتے ہیں وہ امام سہیلی کے ہاں ''الروض الأنف'' میں ملتے ہیں۔ امام سہیلی خود ایک بڑے ادیب اور نحوی تھے۔ اس لیے انہوں نے نحوی قواعد وضوابط پر بھی بات کی ہے۔ جس قصیدے کے کسی شعر سے کوئی نحوی اصول نکلتا ہے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ یوں علامہ سہیلی نے ''سیرت ابن ہشام'' کو سمجھنا بہت آسان بنا دیا۔ ''الروض الأنف'' کے اسلوب ومنہج کو مندرجہ ذیل عنوانات اور مثالوں کی مدد سے واضح کیا جاتا ہے:

۱۔ غریب الفاظ کی شرح

امام سہیلی نے سیرت ابن ہشام میں موجود غریب الفاظ کی شرح کی ہے۔ مثلاً لفظ ''الصّلوٰۃ'' کے لغوی معنی پر بحث کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ ''الصلوین'' سے مشتق ہے اور اس کا معنی انعطاف اور مڑنا ہے۔ صلوین ان دو رگوں کو کہتے ہیں جو پشت سے شروع ہو کر رانوں تک جاتی ہیں۔ اہلِ عرب کہتے ہیں کہ صلّی علیہ۔ یعنی وہ اس کی سمت مڑا۔ پھر رحمت وشفقت کو ''صلوٰۃ'' سے تعبیر کرنے لگے۔ رحمت کو ''صلوٰۃ'' اس وقت کہا جاتا ہے جب اس میں انتہائی مبالغہ مقصود ہو۔ (۱۲)

۲۔ مشکل کلام کی وضاحت

مؤلف نے جس کلام کو مشکل خیال کیا، اس کی وضاحت بھی کی ہے۔ مثلاً لفظ ''حَنَا'' کی وضاحت میں لکھتے ہیں کہ یہ لفظ ایک دوسری روایت میں ''جَنَاء'' وارد ہوا ہے۔ جناء انحراف کو کہتے ہیں۔ عوف بن محکم کہتا ہے:

بدّلتنی بالشّطاط الحنا وکنت الصعدة تحت السّنان

یعنی تو نے مجھے سیدھے قد سے ٹیڑھا کر دیا ہے حالانکہ میں پہلے نیزے کے پھل کے نیچے مضبوط تیر کی طرح تھا۔ (۱۳)

۳۔ وضاحتِ نسب اور اس علم کی دشواریوں کا ازالہ

مؤلف نے جہاں ضروری سمجھا وہاں نسب کی وضاحت کی ہے۔ مثلاً کتاب کی ابتداء میں حضور ﷺ کے نسب کی مکمّل تفصیل دی ہے۔ یاد رہے کہ سیرت ابن ہشام میں آپ ﷺ کا نسب حضرت آدمؑ تک بیان کیا گیا ہے۔ امام سہیلی نے اس سارے نسب نامے میں شامل ہر ہر فرد کے نام کے اعراب، تلفّظ اور اس کی تاریخی حیثیت واضح کی ہے۔ (۱۴)

۴۔ فقہی مباحث

مؤلف نے بعض مقامات پر فقہی بحثیں بھی کی ہیں۔ مثلاً ''رجم کے حکم میں یہودیوں کا رجوع'' کے ضمن میں بڑی تفصیلی فقہی بحث کی ہے اور فقہاء کے نقطہ نظر کو بیان کیا ہے۔ نیز قرآن وحدیث سے استدلال کیا ہے۔ علاوہ ازیں تورات کا بھی حوالہ دیا ہے۔ (۱۵)

۵۔ نامکمّل بات کی تکمیل

سیرت ابن ہشام میں سیرت کی معلومات مختصر ہیں۔ امام سہیلی نے بعض جگہ پر بیان کردہ معلومات کی تفصیلات زیادہ وضاحت کے ساتھ پیش کی ہیں۔ مثلاً غزوۂ احد کے ضمن میں جبلِ احد کی فضیلت بیان کرتے ہیں اور اسم جبلِ احد کی اغراضِ توحید کے ساتھ موافقت کو واضح کرتے ہیں۔ امام سہیلی لکھتے ہیں:

> ''یہ مدینہ منورہ کا ایک مشہور ومعروف پہاڑ ہے، اسے احد کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ دوسرے پہاڑوں سے ہٹ کر ایک الگ تھلگ مقام پر واقع ہے۔ اس کے متعلّق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، یہ پہاڑ ہم سے محبّت کرتا ہے اور ہم اس سے محبّت کرتے ہیں (ھذا جبل یحبّنا و نحبّہٗ)۔ اس حدیث کے معنی میں علماء کے متعدد اقوال ہیں۔ بعض کا قول ہے کہ پہاڑ سے مراد پہاڑ والے ہیں اور وہ انصار ہیں۔ بعض کا قول ہے کہ آپ ﷺ کی مراد یہ تھی کہ جب آپ ﷺ کسی سفر سے واپس تشریف لاتے تو یہ پہاڑ آپ ﷺ کو اس بات کی خوشخبری دیتا کہ آپ ﷺ اپنے گھر والوں کے قریب آگئے ہیں اور عنقریب ان سے ملاقات کریں گے اور یہ ایک محبّت کا فعل ہے۔ اس اعتبار سے آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ پہاڑ ہم سے محبّت کرتا ہے۔ یعنی اس میں محبّ کا فعل پایا جاتا ہے۔ لیکن بعض علماء نے فرمایا کہ جبلِ احد کی محبّت سے مراد محبّتِ حقیقی ہے اور ایک پہاڑ میں محبّت کا وجود ایسے ہی ہے جیسے حضرت داؤدؑ کے ساتھ تسبیح پڑھنے والے پہاڑوں میں تسبیح کا وجود تھا یا جیسے ان پتھروں میں خشیتِ الٰہی کا وجود ہے جن کے متعلّق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ کئی پتھر ایسے بھی ہیں۔ جو خوفِ الٰہی سے گر پڑتے ہیں نیز آثارِ مسندہ میں ہے کہ قیامت کے دن جبلِ احد جنت کے دروازے کے پاس اندر کی جانب ہوگا اور بعض روایات میں ہے کہ یہ باب جنت کا رکن ہوگا۔ اسے حضرت ابن سلام نے اپنی تصنیف میں ذکر کیا ہے۔''(۱۶)

۶۔ علمِ صرف کا استعمال

کتاب میں صرفی بحثیں بھی کی گئی ہیں۔ مثلاً حضور ﷺ کے نسب مبارک میں ایک شخص عبدمناف تھا۔ اس کے تعارف میں امام سہیلی لکھتے ہیں:

> ''ان کا نام مغیرہ تھا۔ یہ صفت ہے اور ھاء مبالغہ کے لیے ہے۔ اس کا معنی ہے دشمن پر

غارت گری کرنے والا یا پھر یہ وہ مغیر ہے جو ''اَغار الجبل'' سے مشتق ہے۔ اس کا معنی ہے رسی کو خوب مضبوط کر لینا۔ جس طرح علامہ اور نسابہ پر ھاء داخل کر دی جاتی ہے اسی طرح مغیرہ کے آخر پر بھی ھاء لگا دی گئی ہے کیونکہ وہ اس سے انتہائی معنی مراد لیتے ہیں اور اس کو ''الطامۃ'' اور ''الداھیۃ'' کے قائم مقام رکھتے ہیں۔ اتنا مبالغہ پیدا کرنے کے لیے ھاء مناسب ترین ہے۔ اسی وجہ سے جس کلمہ میں یہ ھاء ہو، اس کی جمع مکسر نہیں بنائی جاتی تاکہ مبالغہ پر دلالت کرنے والا تلفّظ ختم نہ ہو جائے۔ جس طرح کہ اسم مصغر کی بھی جمع مکسر نہیں بنائی جاتی تاکہ تصغیر کی علامت اور نشانی ختم نہ ہو۔ علامہ کی جمع علالیم اور نسابہ کی جمع نساسیب آتی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ مغیرہ میں ھاء تانیث کے لیے ہو یا لشکر کے وصف یا غارت گری کرنے والے گھوڑوں سے مشتق ہو، جس طرح کے اہلِ عرب 'عسکر' نام رکھ لیتے تھے۔''(۱۷)

۷۔ اشعار کی مدد سے وضاحتِ کلام:

مؤلف نے بعض جگہ کلام کی وضاحت کے لیے اشعار کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ مثلاً لفظ ''عمروٗ'' کی وضاحت کے لیے تنوخی کے اس شعر کو بیان کیا ہے۔

وعمرو هندٍ کانّ اللّٰه صوّرهٗ — عمرو بن هندٍ یسوم النّاس تعنینا

یعنی ہند کی بالی اتنی حسین ہے گویا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو صورت بخشی ہے۔ عمرو بن ہند لوگوں کو مشکل سے دوچار کر دیتا تھا۔ اس شعر میں پہلے عمرو سے مراد بالی اور دوسرے عمرو سے مراد عرب کا ایک بادشاہ ہے۔(۱۸)

اختلافِ علماء کی خوبصورت وضاحت

کسی خاص مسئلہ میں علماء کے اختلاف کو بڑی وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً رسول اللہ ﷺ کے نسب مبارک میں ایک نام عدنان کا ہے۔ عدنان کے بعد نسب پاک میں علماء کا اختلاف ہوا ہے، اس کی وضاحت امام سہیلی نے ان الفاظ میں کی ہے:

''عدنان کا نسب بیان کرنے والوں کا باہمی اختلاف ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ وہ میدعہ کے بیٹے تھے۔ علامہ قطبی فرماتے ہیں کہ وہ تخشم کے بیٹے تھے۔ عدنان کے بعد نسب میں کافی اضطراب ہے۔ نبی اکرم ﷺ سے صحیح روایت یہی ہے کہ آپ ﷺ جب عدنان تک نسب بیان فرما چکے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ آگے نسب بیان کرنے والے دروغ گو ہیں۔ آپ ﷺ نے دو یا تین مرتبہ اسے دہرایا۔ اس حدیث میں صحیح یہ ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمر فرمایا کرتے تھے کہ ہم عدنان تک ہی نسب بیان کرتے ہیں۔ اس سے آگے نسب سے ہم آشنا نہیں ہیں۔

وہ صحیح روایت جس میں عدنان کے بعد نسب کا ذکر ہے، اسے الدولابی ابوالبشر نے موسیٰ

بن یعقوب کی سند سے عبداللہ بن وہب بن زمعہ الزمعی سے انہوں نے اپنی پھوپھی سے اور انہوں نے حضرت امّ سلمیٰؓ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ’معد بن عدنان بن ادد بن زند بن الیریٰ بن اعراق الثریٰ‘
حضرت امّ سلمیٰؓ فرماتی ہیں کہ زند سے مراد الھمیسع ہے جب کہ یریٰ سے مراد نبت اور اعراق الثریٰ سے حضرت اسماعیل مراد ہیں کیونکہ آپ ﷺ ابراہیمؑ کے لخت جگر ہیں اور حضرت ابراہیمؑ پر بھی آتش نمرود گلزار ہوئی تھی، بالکل اسی طرح آگ تر مٹی کو کچھ نہیں کہتی۔ حضرت علامہ دارقطنی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے علاوہ کسی اور حدیث میں زند کا تذکرہ نہیں ہے۔ زند بن الجون سے مراد ابودلامہ شاعر ہے۔‘‘[۱۹]

۹۔علمِ مختلف الحدیث سے استفادہ:

کلام کے مفہوم کے تعیّن میں بعض اوقات معارض احادیث کی وجہ سے مشکلات پیش آتی ہیں۔ امام سہیلی نے معارض احادیث سے پیدا ہونے والی مشکلات کو علمِ مختلف الحدیث کی مدد سے حل کیا ہے۔ مثلاً رسول اللہ ﷺ کے نسب پاک میں عدنان نامی شخص کا ذکر آیا ہے۔ اس حوالے سے علماء کا اختلاف ہے، اس اختلاف کی ایک اہم وجہ معارض احادیث ہیں۔ ایک روایت جو حضرت ابن مسعودؓ کی ہے اس کے مطابق حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ ہم عدنان تک ہی حضور ﷺ کے نسب سے واقف ہیں۔ اس سے آگے نسب سے ہم آگاہ نہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ایک اور روایت جو حضرت امّ سلمیٰؓ سے منقول ہے، کہ حضور ﷺ نے فرمایا ’’معد بن عدنان بن ادد بن زند بن الیریٰ بن اعراق الثریٰ۔‘‘

امام سہیلی فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک یہ دونوں احادیث باہم معارض نہیں ہیں۔ ابن مسعودؓ اور امّ سلمیٰؓ دونوں کی روایات صحیح ہیں کیونکہ ان میں تاویل کی گنجائش موجود ہے۔ کیونکہ حضرت ابراہیمؑ اور عدنان کے مابین مدت میں مؤرخین کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ یہ محال ہے کہ ان دو ہستیوں کے مابین چار یا سات آباء ہی گزرے ہوں۔ جس طرح کہ ابن سعدؒ نے ذکر کیا ہے یا ان کے مابین دس یا بیس اجداد ہوں کیونکہ ان کے مابین مدت کا تقاضا زیادہ اجداد کا ہے۔[۲۰]

۱۰۔القاباتِ نبوی ﷺ کا تذکرہ

مؤلف نے جا بجا رسول اللہ ﷺ کے مختلف القابات کا تذکرہ کیا ہے۔ یہ بات ان کے حبِّ رسول ﷺ کو ظاہر کرتی ہے۔ مثلاً آپ نے لکھا ہے کہ معراج کی رات حضور ﷺ سے بہت سے انبیاء نے ملاقات کی، بعض انبیاء نے آپ ﷺ کو ’’النبی الصالح‘‘ اور بعض نے ’’الاخ الصالح‘‘ پکار کر خوش آمدید کہا۔ حضرت آدمؑ اور حضرت ابراہیم نے ’’الابن الصالح‘‘ اور ’’النبی الصالح‘‘ کے دل نواز ناموں سے پکارا اور مرحبا کہا لیکن حضرت ادریسؑ نے آپ ﷺ کو ’’الاخ الصالح‘‘ کہہ کر پکارا۔[۲۱]

۱۱۔القاباتِ صحابہؓ

حضور ﷺ کے القابات کے علاوہ بعض اصحاب رسول ﷺ کے القابات بھی بیان کئے گئے ہیں۔مثلاً خلافتِ صدیق اکبرؓ کے دلائل بیان کرتے ہوئے آپ کا لقب ''امیر الشاکرین'' بتایا گیا ہے اور پھر مزید اس کی وجوہات بھی زیر بحث لائی گئی ہیں۔ (۲۲)

۱۲۔عربی کے علاوہ دیگر زبانوں میں الفاظ کے معانی

مؤلف نے عربی زبان کے علاوہ دیگر زبانوں سے بھی بھرپور استفادہ کیا۔مثلاً بیان کیا ہے کہ ابن شیث کو سریانی میں ''شاث'' اور عبرانی میں ''شیث'' کہتے ہیں۔اس کا معنی ''عطیۃ اللّٰہ'' یعنی نعمت خداوندی ہے۔ (۲۳)

۱۳۔ضرب الامثال سے استفادہ

کلام کی وضاحت کے لیے ضرب الامثال سے بخوبی استفادہ کیا گیا ہے جیسا کہ لفظ ''القوس'' کی وضاحت میں کہا گیا ہے کہ اس کا مطلب بلند و بالا گرجا ہے۔ضرب المثل ہے:

''انافی القوس وانت فی القرقوس متی نجتمع'' (۲۴)

(یعنی میں گرجے میں اور تو کشادہ میدان میں، ہم کیسے جمع ہو سکتے ہیں۔)

۱۴۔اعلام و اماکن کی وجہ تسمیہ

اہم شخصیات اور مقامات کی وجہ تسمیہ کی بھی وضاحت اکثر مقامات پر کی گئی ہے۔مثلاً مصر کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ اس شہر کا نام مصر بن النبیط کے نام پر رکھا گیا ہے۔بعض کہتے ہیں کہ وہ ابن قبط بن النبیط تھا جو کوش بن کنعان کی اولاد میں سے تھا۔ (۲۵)

۱۵۔احادیثِ نبویہ ﷺ سے وضاحتِ کلام

مؤلف نے ذخیرہ احادیث سے بھرپور استفادہ کیا اور بعض الفاظ و کلمات کی وضاحت و تشریح کے لیے متن حدیث سے استشہاد کیا۔مثلاً قحطان کے اولاد اسماعیلؑ ہونے کی دلیل کے طور پر اس حدیث نبویہ ﷺ کو بیان کیا گیا ہے:

''ارموا یابنی اسماعیل فانّ اباکم کان رامیاً''

(یعنی اے حضرت اسماعیلؑ کی اولاد! تیر اندازی کرو، تمہارے والد بھی تیر انداز تھے۔)

آپ ﷺ کا یہ فرمان اسلم بن افصی کی قوم کے لیے ہے جب کہ اسلم خزاعہ کا بھائی تھا۔یہ تمام حارث بن ثعلبہ بن عمرو بن عامر کی اولاد ہیں اور یہ تمام سباء بن یشجب بن یعرب بن قحطان کی اولاد میں سے ہیں۔ (۲۶)

۱۶۔اقوال صحابہؓ سے وضاحتِ کلام

بعض مقامات پر اصحابِ رسول ﷺ کے اقوال سے بھی کلام کی وضاحت کی گئی ہے۔ جیسا کہ قحطان اور عرب العاربہ کے تذکرہ میں حضرت ابو ہریرہؓ کے اس فرمان سے مدد لی گئی ہے:

''ھی امکم یابنی ماء السّماء''(۲۷)

(یعنی اے ماء السماء کے بیٹو! وہ تمہاری ماں ہے۔)

۱۷۔محاورۂ عرب کی مدد سے وضاحتِ کلام

مشکل کلام کی وضاحت میں محاورۂ عرب سے بھی مدد لی گئی ہے۔ جیسا کہ انصار کے نسب کے تذکرہ میں سباء اور سیل العرم کی وضاحت اہل عرب کے اس قول سے کی گئی ہے:

''تفرّقوا ایدی سباء و ایادی سبا''(۲۸)

۱۸۔دلائل کی مضبوطی کے لیے ایک سے زائد کتب وروایات سے استشہاد

مؤلف نے اپنی کتاب میں اپنی دلیل کو مضبوط تر بنانے کے لیے حوالہ جات و اسناد کا بھرپور التزام کیا ہے۔ مثلاً حضور ﷺ کے اپنی والدہ ماجدہ کی قبر مبارک پر حاضری کے واقعہ کو امام قرطبی کی کتاب ''تذکرہ''، ابوبکر الخطیب کی کتاب ''السابق اللاحق'' اور ابوحفص عمر بن شاہین کی کتاب ''ناسخ ومنسوخ'' کے حوالہ جات سے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت بیان کی ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ نے ہمارے ساتھ حج ادا فرمایا۔ جب آپ ﷺ اپنی والدہ ماجدہ کی قبر انور سے گزرے تو آپ انتہائی غمگین، گریہ بار اور پریشان تھے۔ آپ ﷺ کے رونے کی وجہ سے میں بھی رونے لگی پھر آپ ﷺ اپنی سواری سے نیچے تشریف لائے اور فرمایا، اے حمیراء! تم ادھر ہی ٹھہرو۔ میں اونٹ کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ آپ ﷺ کہیں تشریف لے گئے۔ کافی دیر بعد آپ ﷺ واپس تشریف لائے۔ آپ ﷺ انتہائی مسرور اور تبسّم کناں تھے۔ میں نے عرض کی، یارسول اللہ ﷺ! میرے والدین آپ ﷺ پر قربان۔ جب آپ ﷺ یہاں تشریف فرما تھے تو آپ ﷺ انتہائی غمگین اور ملول تھے۔ آپ ﷺ کے رونے کی وجہ سے میں بھی رونے لگی۔ جب آپ ﷺ وہاں سے واپس تشریف لائے تو آپ ﷺ انتہائی شاداں وفرحاں تھے۔ یارسول اللہ ﷺ! اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میں اپنی والدہ ماجدہ کی قبر انور پر گیا تھا۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے التجا کی کہ وہ انہیں زندہ فرمائے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ فرمایا، وہ مجھ پر ایمان لائیں، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی روح کو قبض فرمالیا۔

اس روایت کو کسی ایک کتاب کے حوالے سے بھی بیان کیا جاسکتا تھا لیکن چونکہ یہ واقعہ اپنے نتائج کے اعتبار سے بڑا حساس اور مسلمانوں میں متنازعہ رہا ہے، اس لیے مؤلف نے کسی ایک کتاب کے حوالے پر اکتفا کرنے کے بجائے مختلف کتب کے حوالے بیان کئے ہیں۔ یہ اسلوب مؤلف کے طرز تحریر کا ایک اہم خاصہ ہے۔(۲۹)

۱۹۔اعلانِ نبوت سے قبل کے واقعات کا تفصیلی بیان

مؤلف نے اعلان نبوت سے پہلے کے حالات وواقعات کو بھی بڑی تحقیق وجستجو کے بعد بیان کیا ہے۔مثلاً جنگِ فِجار کے ضمن میں لفظ فِجار پر تفصیلی بحث کی ہے۔اہل عرب کی ایسی تین جنگیں بیان کی ہیں جو فِجار کے نام سے موسوم ہیں۔(۳۰)

۲۰۔تفسیر قرآن سے وضاحتِ کلام

مؤلف نے وضاحتِ کلام کے لیے قرآن مجید کی تفسیر سے بھی استفادہ کیا ہے۔مثلاً منافقین کا ذکر کرتے ہوئے مختلف آیات کے حوالے دیئے ہیں اوران کی تفسیر میں معروف مفسّرین امام ترمذیؒ، الکشیؒ اورالطبریؒ کے حوالے دیئے ہیں۔(۳۱)

۲۱۔مؤرخین کی آراء پر نقد وتبصرہ

امام سہیلی روایات کے نقال ہی نہیں بلکہ جہاں ضروری سمجھتے ہیں، وہاں اقوال وروایات پر نقد و تبصرہ بھی کرتے ہیں۔مثلاً سلام بن ابی الحقیق کے قتل کے ضمن میں بیان کرتے ہیں کہ اس واقعہ میں حضرت ابن اسحاق نے ان پانچ آدمیوں کا ذکر کیا ہے جنہوں نے اسے قتل کیا اوران کے نام بھی بیان کئے ہیں۔ابن عقبہ نے ان میں حضرت اسد بن حرام کا بھی ذکر کیا ہے لیکن ابن عقبہ کے علاوہ کوئی ایسا شخص معروف نہیں جس نے حضرت اسد کا بھی ذکر کیا ہو۔(۳۲)

''الروض الأنف'' کے مصادر اوران کی علمی وتاریخی حیثیت

مؤلف نے تحقیق وجستجو کے میدان میں اول درجہ کے مصادر ومنابع پر انحصار کیا ہے جیسا کہ انہوں نے مقدمہ میں ذکر کیا ہے کہ کتاب ہذا کی تدوین کے لیے ایک سوبیس مصادر سے استفادہ کیا گیا ہے۔(۳۳)مؤلف نے تفسیر، حدیث، سیرت،تاریخ، فقہ،تصوّف ، لغت،نحو،نسب اور علم کلام کے ان مصادر سے استفادہ کیا ہے جنہیں سیرت نگاران میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔خصوصاً علامہ سہیلی کا امت مسلمہ پر ایک عظیم احسان یہ ہے کہ انہوں نے ایسے نادر مصادر اور علمی ذخائر کو محفوظ کرلیا ہے جنہیں حاصل کرنا دورِ جدید میں ناممکن نہیں تو انتہائی مشکل ضرور ہے۔اس دعویٰ کی دلیل کے طور پر ''الروض الأنف'' کے چند اہم مصادر کا تذکرہ ذیل میں کیا جاتا ہے:

القرآن المجید،''الاحکام السلطانیہ'' ازالماوردی،''کتاب المغازی'' ازابن ابی الدنیا،''کتاب المغازی'' ازابواسحاق الزجاج،''المسند'' ازوکیع بن الجراح،''الجامع'' ازابن وہب،''کتاب النبات'' ازالدینوری،''الامالی'' ازابوعلی القالی،''فضائل مکۃ'' ازازین،''کتاب الصحابۃ'' ازابوعمر،''المؤتلف والمختلف''

ازابن حبیب، ''غریب الحدیث''ازابوعبیدہ، ''تاریخ الامم والملوک''المعروف ''تاریخ طبری''ازامام طبری، ''غریب الحدیث''از قاسم بن ثابت، ''انیؔ العاطش وانس الواحش''ازاحمد بن عمار، ''المصنف''ازامام ابی داوٗد، ''المسند''ازابن ابی شیبہ، ''تفسیر القرآن''ازبقی بن مخلد، ''کتاب النساء''ازابوعمر، ''کتاب البستان'' ازعلی القیروانی، ''المسند''ازالبراز، ''التذکرۃ''از امام قرطبی، ''السابق اللاحق''از ابوبکرالخطیب، ''الناسخ والمنسوخ''ازابوحفص عمر بن شاہین، ''السیر''از امام زہری، ''المعارف''ازابن قتیبہ، ''المصنف''ازامام ترمذی، ''الکامل'' ازالمبرد، ''السنن''از امام ترمذی، ''الجامع''ازمعمر بن راشد اور''کتاب الاموال'' از ابوعبید بن القاسم۔

تمام گزارشات کا خلاصہ یہ ہے کہ امام عبدالرحمٰن السہیلی الاندلسی کی کتاب ''الروض الأنف'' حضوراکرمﷺ کی سیرتِ طیبہ پرایک اہم علمی ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ ''السیرۃ النبویۃ لابن ہشام'' کی شرح ہے۔اسے دیگر شروح میں امتیازی مقام حاصل ہونے کی وجہ اس کے مؤلف کا بیک وقت مختلف علوم وفنون کا ماہر ہونا ہے۔یہی وجہ ہے کہ اس کتاب نے مشکل الفاظ کو سمجھنا آسان کردیا،نسب سے متعلق پیچیدگیوں کی گتھیوں کوسلجھایا،فقہی آراءاوران میں موجود اختلافات کوواضح کیا،اسماءکی وجہِ تسمیہ بیان کی، رجال واماکن کا تعارف کرایا،قرآنی آیات سے واقعاتِ سیرت کی تشریح کی ،صرفی ونحوی مباحث کے ذریعے ادبیت کے ذوق وشوق کواجاگر کیا،احادیث کی صحت یاضعف کی طرف اشارہ کیا،حدیث کے رُواۃ اوراسناد کی تحقیق کی،علم مختلف الحدیث کے مسائل کوحل کیا،تفسیر سے متعلّق اہم علمی نکات کی وضاحت کی، نامکمّل بات کومکمّل کیااورسب سے اہم بات یہ کہ ایسے مصادرعلمی سے استفادہ کیا جوآج بہت نایاب اورکافی حدتک عدم دستیاب ہیں،یوں یہ کتاب امت مسلمہ کے لیے گراں قدر سرمایہ ہے کہ اس نے آئندہ نسلوں کے لیےاہم ترین اورنایاب علمی مصادرکومحفوظ کرلیاہے۔

حوالہ جات وحواشی

۱۔ اصلاحی،محمداجمل،ابن ہشام اورسیرت ابن ہشام،مقالہ مشمولہ نقوش رسول نمبر،ج۱،ص۴۸۵۔۴۸۴، شمارہ نمبر۱۳۰،ادارہ فروغ اردو،لاہور،۱۹۸۲ء

۲۔ غازی،محموداحمد،ڈاکٹر،محاضرات سیرت،ص۲۸۸۔۲۸۷،الفیصل،لاہور،۲۰۰۷ء

۳۔ الذھبی، ابوعبداللہ شمس الدین بن محمد(م۷۴۸ھ)،تذکرۃ الحفاظ،ج۴،ص۱۳۴۸،داراحیاء التراث العربی،بیروت،لبنان،۱۳۳۴ھ

۴۔ خیرالدین الزرکلی(م۵۸۱ھ)،الاعلام،ج۳،ص۳۱۳،دارالعلم للملایین،بیروت،۱۹۸۶ء

۵۔ السہیلی،عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن احمد بن ابی الحسن(م۵۸۱ھ)،الروض الأنف،ج۱،ص۷، دارالکتب العلمیہ،بیروت،لبنان

۶۔ السہیلی ،الروض الأنف،مقدمۃ المؤلف، ج۱،ص۱۵
۷۔ السہیلی ،م ۔ن،مقدمۃ المؤلف، ج۱،ص۱۶۔۱۵
۸۔ السہیلی ،م ۔ن،مقدمۃ المؤلف، ج۱،ص۱۶
۹۔ السہیلی ،م ۔ن،مقدمۃ المؤلف، ج۱،ص۱۷۔۱۶
۱۰۔ السہیلی ،م ۔ن،مقدمۃ المؤلف، ج۱،ص۱۸۔۱۷
۱۱۔ السہیلی ،م ۔ن،مقدمۃ المؤلف، ج۱،ص۱۸
۱۲۔ السہیلی ،م ۔ن، ج۲،ص۴۔۳
۱۳۔ ایضاً، ج۲،ص۴۲۳
۱۴۔ ایضاً، ج۱،ص۳۷۔۲۳
۱۵۔ ایضاً، ج۲،ص۴۳۱۔۴۲۳
۱۶۔ ایضاً، ج۳،ص۲۴۴۳۔۲۴۰
۱۷۔ ایضاً، ج۱،ص۲۵۔۲۴
۱۸۔ ایضاً، ج۱،ص۲۴
۱۹۔ ایضاً، ج۱،ص۳۲۔۳۱
۲۰۔ ایضاً، ج۱،ص۳۳۔۳۱
۲۱۔ ایضاً، ج۱،ص۳۶
۲۲۔ ایضاً، ج۳،ص۲۹۸
۲۳۔ ایضاً، ج۱،ص۳۷
۲۴۔ ایضاً، ج۱،ص۴۳
۲۵۔ ایضاً، ج۱،ص۴۴
۲۶۔ ایضاً، ج۱،ص۴۵
۲۷۔ ایضاً، ج۱،ص۴۶
۲۸۔ ایضاً، ج۱،ص۵۰
۲۹۔ ایضاً، ج۱،ص۲۹۹
۳۰۔ ایضاً، ج۱،ص۳۱۹
۳۱۔ ایضاً، ج۲،ص۳۸۲
۳۲۔ ایضاً، ج۳،ص۴۸۱
۳۳۔ السہیلی ،م ۔ن،مقدمۃ المؤلف، ج۱،ص۱۸۔۱۷

حضرت ایمن بن عبید رضی اللہ عنہ اور بکر بن شداخ رضی اللہ عنہ کے حالات اور مرویات کی روشنی میں مطالعہ سیرت

حافظ محمد صدیق☆

Abstract:

"The companions of the Holy Prophet (PBUH), known as Sahaba, accepted Islam without any fear of troubles and atrocities. They are like shining stars in the sky. They were the persons who readily responded to the call of the Holy Prophet Muhammad (PBUH) when he came out with the message of the Oneness of Allah. They set forth examples which will serve as a beacon for the Truth and Righteousness for the generations to come. They served, preserved and spread the faith with their deeds and practical conduct. They embraced Islam with utmost sincerity and with true heart, so they endured all the hardships for the sake of Allah with dignity and honour. They listened to what the Holy Prophet (PBUH) said, followed as they were instructed, practiced what he showed to them. No prophet or Messenger had ever been able to get such devoted, faithful, loyal and sincere companions as those the Holy Prophet (PBUH). Their obedience and belief has set an example for a common Muslim for achieving eternal success. We have to follow their footprints if we want to succeed in our lives. In this article, two of the companions of the Prophet is studied throwing light on the Seerah of the Prophet (ﷺ).

☆ لیکچرار/ریسرچ ایسوسی ایٹ، کلیہ شریعہ وقانون، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

حضرت ایمن بن عبید رضی اللہ عنہ کے حالات

نام ونسب

آپ رضی اللہ عنہ کا نام ایمن والد کا نام عبید اور ماں کا نام ام ایمن رضی اللہ عنہ جو نبی کریم ﷺ کی رضاعی والدہ تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہ کا کامل سلسلہ نسب یہ ہے۔ ایمن بن عبید بن عمرو بن بلال بن ابی الحرباء بن قیس بن مالک بن سالم بن غنم بن عوف بن الخزرج۔ (۱)

پیدائش

ابوعمر آپ رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہتے ہیں کہ ایمن بن عبید الحبشی ام ایمن کے بیٹے اور اسامہ بن زید کے اخیافی بھائی ہیں۔ عہد جاہلیت میں آپ کی ماں ام ایمن رضی اللہ عنہ نے عبید بن عمر سے شادی کر لی تھی پھر آپ مکہ آئے اور وہاں ٹھہرے رہے پھر یثرب (مدینہ) گئے اور وہاں ایمن رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ (۲)

جب یثرب میں آپ رضی اللہ عنہ کے والد عبید فوت ہوئے تو آپ رضی اللہ عنہ کی والدہ محترمہ آپ کو لے کر واپس مکہ مکرمہ آگئیں تو وہاں آپ کی والدہ ام ایمن رضی اللہ عنہ کا نکاح حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے ہوا اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے اس نسبت کی وجہ سے حضرت ایمن رضی اللہ عنہ والدہ کی جانب سے حضرت اسامہ بن زید کے اخیافی بھائی کہلاتے ہیں۔ (۳)

آپ رضی اللہ عنہ اپنے باپ کے نام کی بجائے ام ایمن رضی اللہ عنہ کی کنیت کی نسبت سے مشہور ہیں اور آپ رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام اور شرف صحابیت پر تمام ارباب سیر کا اتفاق ہے کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ خدمت نبوی میں مامور تھے۔

خدمت رسول

اسدالغابۃ میں امام ابن اسحاق کا بیان ہے کہ حضرت ایمن بن ام ایمن رضی اللہ عنہ بارگاہ نبوی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مطہّرہ برادری کی خدمت سے سرفراز تھے یعنی طہارت اور وضو کے لیے پانی وغیرہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مہیا کیا کرتے تھے۔ (۴)

غزوات میں شرکت

آپ رضی اللہ عنہ کے بارے میں اہل سیر صرف ایک غزوے کا ذکر کرتے ہیں کہ جس میں آپ رضی اللہ عنہ عہد رسالت میں شریک ہوئے وہ غزوہ حنین ہے۔ اس غزوہ حنین میں وہ تمام صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین شریک تھے جو مدینہ منورہ سے نبی کریم صلی اللہ عنہ کے ہمراہ مکہ آئے تھے اور اس غزوہ میں حصہ لیا۔ ان میں سے ایک حضرت ایمن بن ام ایمن رضی اللہ عنہ تھے۔

جب بنو ہوازن نے اپنی کمین گاہوں سے مسلمانوں پر تیروں کی بارش کی تو ان میں انتشار پھیل گیا اس نازک موقعہ پر جو آٹھ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میدان جنگ میں ثابت قدم رہے ان میں حضرت ایمن رضی اللہ عنہ کا نام بھی آتا ہے۔

شہادت

حضرت ایمن بن ام ایمن رضی اللہ عنہ نے غزوہ حنین میں ہی جام شہادت نوش فرمایا۔ امام ابن اسحاق کا بیان ہے کہ حضرت عباس بن عبد المطلب نے ان اشعار میں آپ رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کیا ہے وہ اشعار یہ ہیں:

نصرنا رسول اللّٰہ فی الدین سبعة
وقد فر من قد فر عنه فاقشعوا
وثامننا لاقی الحمام بنفسه
بما مسه فی الدین لا یتوجع(۵)

(ہم سات آدمیوں نے دین میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کی اور بعض لوگ بھاگ گئے اور آٹھویں شخص نے موت سے ملاقات کی اور جو تکالیف انہیں پہنچیں ل دین کی خاطر وہ ان سے دردمند نہیں ہوئے۔ اور وہ سات آدمی جن کا ذکر اس شعر میں ہے وہ یہ تھے: عباس، علی، فضل بن عباس، ابوسفیان بن حارث بن عبد المطلب، اسامہ بن زید اور یہ اہل بیت میں نہیں تھے ان میں حضرت ابو بکر اور حضرت عمر بن الخطاب رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں۔)

اور آٹھویں شخص حضرت ایمن رضی اللہ عنہ بن ام ایمن تھے جنہوں نے اس غزوہ میں جامِ شہادت نوش فرمایا۔ ان اشعار میں بھی آپ رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ ہے۔

علامہ اصبہانیؒ نے معرفۃ الصحابہ میں ذکر کیا ہے کہ جب آپ رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی تو یہ آیت نازل ہوئی۔ فمن کان یرجو لقاء ربه(۶)

پس وہ کون ہے جو اپنے رب سے ملنے کی تمنا لیے ہوئے ہے۔(۷)

اولاد

حضرت ایمن بن ام ایمن رضی اللہ عنہ کا ایک بیٹا تھا جس کا نام حجاج تھا۔(۸)

مرویات حضرت ایمن بن ام ایمن رضی اللہ عنہ

آپ رضی اللہ عنہ کی مرویات کی تعداد کے بارے میں صحیح پتہ نہیں چلتا البتہ امام ابن کثیرؒ نے جامع المسانید والسنن میں ایک روایت بیان کی ہے(۹) اور صاحب معرفۃ الصحابۃ نے اسی روایت کو دو

متعدد طرق سے بیان کیا ہے جو ذیل میں درج ہیں:

"عن مجاهد وعطا عن ايمن رضى الله عنه قال: لم يقطع النبى صلى الله عليه وسلم السارق الافى ثمن المجن وكان ثمن المجن يومئذ دينارا"(۱۰)

(مجاہد اور عطاء حضرت ایمن سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ڈھال سے کم قیمت کی چیز کے چوری کرنے میں ہاتھ کاٹنے کا حکم نہیں دیا۔ اس زمانے میں ایک ڈھال کی قیمت ایک دینار تھی۔)

"عن ايمن رضى الله عنه وكان فقيها قال: يقطع السارق فى ثمن المجن وكان ثمن المجن على عهد رسول الله عليه وسلم دينارا او عشرة دراهم"(۱۱)

(حضرت ایمن سے روایت ہے اور وہ فقیہ تھے انہوں نے کہا چور کا ہاتھ ایک ڈھال کی قیمت میں کاٹا جائے گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زمانے میں ایک ڈھال کی قیمت ایک دینار یا دس درہم تھی۔)

احادیث کی روشنی میں نقوش سیرت

☆ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں معمولی چوری پر ہاتھ نہیں کاٹا جاتا تھا۔

☆ دس درہم اور ایک دینار کی مقدار میں چوری قطع ید کا نصاب ہے۔فقہاء کے مابین اختلاف ہے احناف کی نزدیک دس درہم کی چوری پر ہاتھ کاٹا جائے گا۔امام شافعی کے نزدیک ۴/۱ دینار قطع ید کے لیے کافی ہے۔

☆ امام مالک کے نزدیک تین درہم یا اس کے مساوی کسی چیز کی چوری پر ہاتھ کاٹا جائیگا۔

حضرت بکر بن شداخ رضی اللہ عنہ کے حالات

نام ونسب

آپ رضی اللہ عنہ کا نام بکر والد کا م نام شداخ اور آپ رضی اللہ عنہ کے نام کے بارے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کا نام بکیر تھا چنانچہ آپ کا مکمّل نام بکر بن شداخ اللیثی ہے۔(۱۲)

ہشام بن الکلبی نے آپ رضی اللہ عنہ کا سلسلہ نسب اس طرح بیان کیا ہے:

" بكر بن شداد بن عامر بن الملوح بن يعمر ،وهو الشداخ بن عوف بن كعب بن عامر بن ليث الليثى"(۱۳)

صاحب اسد الغابہ کہتے ہیں کہ ابن مندہ اور ابونعیم نے آپ رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا ہے مگر نسب

بیان نہیں کیا۔کلبی نے آپ رضی اللہ عنہ کا نسب بیان کیا ہے اور آپ کا نام بکیر بتایا ہے اور والد کا نام کعب بن عامر بن لیث بن بکر بن عبد مناۃ بن کنانہ بن خزیمہ کنانی لیثی اور مزید کہتے ہیں کہ حق وہی ہے جو کلبی نے کہا کیونکہ وہ نسب کے عالم ہیں۔ (۱۴)

خدمت رسول صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت بکر رضی اللہ عنہ ان جلیل القدر اور عظیم الشان صحابہ میں سے ہیں جنہیں خدمت نبوی کا عظیم شرف حاصل ہوا۔عبد الملک بن یعلی اللیثی آپ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتے تھے اور آپ رضی اللہ عنہ اس وقت بچے تھے مگر جب بالغ ہوئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی: **یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم انی کنت ادخل علی اھلک وقد بلغت مبلغ الرجال.** اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں اب تک تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر جاتا تھا مگر اب میں بالغ ہو گیا ہوں (اب نہیں جا سکتا) تو نبی کریم صلی اللہ وآلہ وسلم ان کی اس دیانت داری سے خوش ہوئے اور فرمایا: **اللھم صدق قولہ ولقہ الظفر.** اے اللہ ان کی بات کو سچا رکھ اور ہمیشہ انہیں کامیابی عطا کر۔

چنانچہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دور خلافت آیا تو آپ رضی اللہ عنہ ایک یہودی کو قتل کر آئے۔حضرت عمر کو یہ بات ناگوار گزری اور منبر پر چڑھ گئے اور فرمایا: **افیما ولانی اللہ واستخلفنی تقتل الرجال؟ اذکر اللہ رجلا کان عندہ علم الا اعلمنی۔** اللہ اکبر کیا میری حکومت میں اور میری خلافت میں لوگ قتل کیے جائیں گے۔میں اس شخص کو اللہ کی یاد دلاتا ہوں جسکے پاس یہ علم ہو کہ وہ مجھے رائے دے (کہ اس معاملہ میں کیا کرنا چاہیے) تو (اس کو سننے کے بعد) حضرت بکر بن شداخ کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے کہ میں رائے دوں گا۔حضرت رضی اللہ عنہ نے فرمایا: **اللہ اکبر بؤ ف بدمہ فھات المخرج.** اللہ اکبر تو نے ہی خون کا وبال لیا اچھا اب تو ہی اپنی نجات کی سبیل بتا رہا ہے تو انہوں نے کہا کیوں نہیں، میں بتاتا ہوں تو انہوں نے کہا: فلاں شخص جہاد میں گیا ہے اور وہ اپنے اہل وعیال کو میری حفاظت میں دے گیا چنانچہ میں اس کے دروازے پر گیا تو میں نے اس کے گھر میں اس یہودی کو پایا اور وہ یہ کہہ رہا تھا:

واشعت غرۃ الاسلاۃ منی
خلوت بعرسہ لیل التمام
ابیت علی ترائبھا ویمسی
علی قود الاعنۃ والحزام
کان مجامع الربلات منھا
فئام ینھضون الی فئام

(اسلام کی پیشانی میری وجہ سے غبار آلود ہوگئی (یعنی میں نے اسلام کو ذلیل کیا ہے)
میں نے اس (مجاہد) کی بیوی سے ایک مکمّل رات خلوت کی۔ میں نے اس کے پہلو میں
پوری رات گزاری اور اس کی شوہر تمام دن (جہاد میں) گوڑے کی باگ اور تنگ کھینچ
آتا ہے اور اسکی اٹھی ہوئی رانوں کے جھکنے سے معلوم ہوتا تھا کہ گویا ایک گروہ دوسرے
گروہ کی طرف جھک رہا ہے۔)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی بات سننے کے بعد تصدیق کی کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں دعا دی تھی کہ اے اللہ ان کی بات کو ہمیشہ سچا رکھ۔ (۱۵)

شجاعت و بہادری

حضرت بکر رضی اللہ عنہ شجاعت و بہادری میں اپنی مثال آپ تھے اور اعلیٰ قسم کے شہسوار تھے۔
اسی وجہ سے شماخ نے یہ شعر آپ کے لیے کہا ہے:

وغيبت عن خيل بموقان اسلمت
بكير بنى الشداخ فارس اطلال

اور تو اس لشکر میں نہ تھا جس نے مقام موقان میں بکیر بن شداخ شہسوار کے سامنے سر جھکا دیا۔

مرویات حضرت بکر بن شداخ رضی اللہ عنہ

حضرت بکر بن شداخ اللیثی رضی اللہ عنہ سے صرف ایک ہی روایت مروی ہے جو کہ ذیل میں درج ہے:

"عن عبدالله بن يعلى الليثى ان بكير بن شداخ الليثى وكان ممن يخدم النبى وهو غلام فلما احتلم جاء الى النبى صلى الله عليه وسلم فقال: يا رسول الله صلى الله عليه وسلم انى كنت ادخل على اهلك وقد بلغت مبلغ الرجال فقال النبى صلى الله عليه وسلم: اللهم صدق قوله ولقه الظفر، فلما كان فى ولاية عمر وجد رجلا قتيلا يهودى فاعظم ذلك عمر وجزع وصعد المنبر فقال: اينما ولانى الله واستخلفنى يفتك بالرجال؟ اذكر الله رجلا كان عنده علم الااعلمنى فقام اليه بكر بن شداخ فقال: انا به، فقال: الله اكبر يؤت بدمه فهات المخرج فقال: بلى، خرج فلان غاز يا وكلنى باهله فوجدت هذا اليهودى فى منزله وهو يقول:

واشعت غرة الاسلاة منی
خلوت بعرسه لیل التمام
ابیت علی ترائبها ویمسی
علی قود الاعنة والحزام
کان مجامع الربلات منها
فئام ینهضون الی فئام(۱۷)

(عبدالمالک بن یعلی اللیثی آپ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتے تھے اور آپ رضی اللہ عنہ اس وقت بچے تھے مگر جب بالغ ہوئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں اب تک تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر جاتا تھا مگر اب میں بالغ ہوگیا ہوں (اب نہیں جا سکتا) تو نبی کریم صلی اللہ وآلہ وسلم ان کی اس دیانت داری سے خوش ہوئے اور فرمایا اے اللہ ان کی بات کو سچا رکھ اور ہمیشہ انہیں کامیابی عطا کر۔ چنانچہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دور خلافت آیا تو آپ رضی اللہ عنہ ایک یہودی کو قتل کر آئے۔ حضرت عمر کو یہ بات ناگوار گزری اور منبر پر چڑھ گئے اور فرمایا: کیا میری حکومت میں اور میری خلافت میں لوگ قتل کیے جائیں گے۔ میں اس شخص کو اللہ کی یاد دلاتا ہوں جسکے پاس یہ علم ہو کہ وہ مجھے رائے دے (کہ اس معاملہ میں کیا کرنا چاہیے) تو (اس کو سننے کے بعد) حضرت بکر بن شداخ کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے کہ میں رائے دوں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ اکبر تو نے ہی خون کا وبال لیا اچھا اب تو ہی اپنی نجات کی سبیل بتا رہا ہے تو انہوں نے کہا کیوں نہیں، میں بتاتا ہوں تو انہوں نے کہا: فلاں شخص جہاد میں گیا ہے اور وہ اپنے اہل وعیال کو میری حفاظت میں دے گیا چنانچہ میں اس کے دروازے پر گیا تو میں نے اس کے گھر میں اس یہودی کو پایا اور وہ یہ کہہ رہا تھا: اسلام کی پیشانی میری وجہ سے غبار آلود ہوگئی، میں نے اس (مجاہد) کی بیوی سے ایک مکمّل رات خلوت کی۔ میں نے اس کے پہلو میں پوری رات گزاری اور اس کی شوہر تمام دن (جہاد میں) گھوڑے کی باگ ڈور کھینچا کرتا ہے اور اسکی اٹھی ہوئی رانوں کے جھکنے سیمعلوم ہوتا تھا کہ گویا ایک گروہ دوسرے گروہ کی طرف جھک رہا ہے۔)

احادیث کی روشنی میں نقوش سیرت

☆ نابالغ بچہ گھر کے اندر خدمت سرانجام دے سکتا ہے۔
☆ خادم اگر بالغ ہوجائے تو گھر میں خدمت کے لیے اسے روک دیا جائے۔
☆ حق دفاع اور اسلام کی حفاظت وسلامتی کی خاطر اگر کوئی اہانت کرے تو اس سے نپٹنا چاہیے مگر ہر کوئی قانون کو ہاتھ میں نہیں لے سکتا۔

حوالہ جات

۱۔ (ا)اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابہ لعلی بن محمد الجزری المعروف بابن الاثیر (۵۵۵۔۶۳۰ھ) دار الشعب جلد۱، ص۱۲۹
(ب) الاصابۃ فی تمییز الصحابہ لاحمد بن علی بن حجر العسقلانی (۸۵۲ھ) تحقیق وتعلیق: عادل احمد عبد الموجود علی محمد معوض، تقدیم وتقریظ: محمد عبد المنعم البری-عبد الفتاح ابوسنۃ- جمعہ طاہر النجار دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان، جزء۱، ص۳۱۲
(ج) معرفۃ الصحابہ لاحمد بن اسحاق بن مھران المعروف لابی نعیم الاصبہانی (۴۳۰ھ) تحقیق: محمد حسن محمد حسن اسماعیل، مسعد عبد الحمید السعدنی دار الکتب العلمیۃ، بیروت لبنان، جلد۱، ص۲۹۰
۲۔ (ا) الاصابۃ فی تمییز الصحابہ، جلد۱، ص۳۱۷
(ب) الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب لمحمد بن عبد البر القرطبی (۴۶۳ھ) تحقیق وتعلیق: علی محمد معوض، عادل احمد عبد الموجود، تقدیم وتقریظ: محمد عبد المنعم البری، جمعہ طاہر النجار، دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان، جزء۱، ص۲۱۶
۳۔ (ا) اسد الغابہ، جلد۱، ص۱۸۹ (ب) الاصابہ، جلد۱، ص۳۱۷
(ج) الاستیعاب، جلد۱، ص۲۱۶ (د) معرفۃ الصحابہ، جلد۱، ص۲۹۰
۴۔ اسد الغابہ، جلد۱، ص۱۸۹
۵۔ اسد الغابہ، جلد۱، ص۱۸۹
۶۔ الکہف: ۱۱۰
۷۔ معرفۃ الصحابہ، جلد۱، ص۲۹۱
۸۔ اسد الغابہ، جلد۱، ص۱۸۹
۹۔ جامع المسانید والسنن الھادی لاقوم سنن، ابن کثیر، اسماعیل بن عمر (۷۰۰۔۷۷۴ھ)، تعلیق وتخریج: عبد المعطی امین قلعہ جی، دار الفکر بیروت، لبنان، ۱۹۹۴م، جلد۱، ص۴۵۱
۱۰۔ (ا) جامع المسانید، جلد۱، ص۴۵۱ (ب) معرفۃ الصحابہ، جلد۱، ص۲۹۱
۱۱۔ (ا) معرفۃ الصحابہ، جلد۱، ص۲۹۱ (ب) جامع المسانید، جلد۱، ص۴۵۲
۱۲۔ (ا) اسد الغابہ، جلد۱، ص۲۴۰ (ب) الاصابہ، جلد۱، ص۴۵۳
(ج) معرفۃ الصحابہ، جلد۱، ص۳۶۷
۱۳۔ الاصابہ، جلد۱، ص۴۵۳
۱۴۔ اسد الغابہ، جلد۱، ص۲۴۱
۱۵۔ (ا) اسد الغابہ، جلد۱، ص۲۴۱ (ب) معرفۃ الصحابہ، جلد۱، ص۳۶۷
۱۶۔ (ا) الاصابہ، جلد۱، ص۴۵۳ (ب) اسد الغابہ، جلد۱، ص۲۴۱
۱۷۔ (ا) جامع المسانید والسنن، جلد۱، ص۳۱۸۔۳۱۹ (ب) معرفۃ الصحابۃ، جلد۱، ص۳۶۷

مطالعۂ سیرت نبوی ﷺ
(افکارِ گولن کی روشنی میں)

طلعت صفدر☆

Abstract:

"History of biased orientalists proves that in their fabricated stories about the biography of Holy Prophet Hazrat Mohammad (Sallallaho Alaihi Wasallam), they had been used slang and abusive language. As well as it has been assumed and argued that Holy Prophet had copied from Judaic and Christian sources. No doubt, poisonous kind of books and other printed literature as well as online denigration campaign harms the glory of Islam and its messenger (PBUH). Now duty lies on our prolific Muslim scholars, writers and orators to handle the situation through their scholarly efforts i.e. publishing books and essays on the topics of Seerah for the propagation and preaching of the mission of Holy Prophet all over the world. Mohammad Fethullah Gulen (Turkish) authored many books to pay homage to the Holy Prophet. His latest book "Noor-e-Sarmadi Fakhr-e-Insaniyt" is a collection of his lectures delivered in different mosques. Through this article this book has been reviewed to judge the standpoint of Gulen regarding the significance of Seerah in 21st century."

ترکی کے مشرقی حصہ میں واقع مقام ارضروم میں 1938ء کو رامز آفندی (Ramiz Ependi)

☆ ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبۂ علومِ اسلامیہ، گورنمنٹ کالج خواتین یونیورسٹی فیصل آباد

کے ہاں جس بچے نے جنم لیا۔ اسے لوگ فتح اللہ گولن کے نام سے جانتے ہیں۔ اہلِ ترکی اظہارِ عقیدت کے طور پر انھیں "Hoca efendi" یعنی بہت بڑا عالم کہتے ہیں۔ فتح اللہ گولن کی ابتدائی تعلیم کے مراحل گھر اور مقامی مدارس میں طے ہوئے، چھوٹی سی عمر میں حفظ قرآنِ مجید کی سعادت حاصل ہوگئی۔ والدین کا رجحان دین کی طرف تھا، لہٰذا بیٹا اس خواب کو پورا کرتا ہوا آگے بڑھتا رہا اور ازمیر اور استنبول وغیرہ کے سفر بھی اسی مقصد کے لیے گئے۔ گولن کے دینی شغف پر تبصرہ کرتے ہوئے Dogu Ergil نے لکھا:

> "Since his childhood Gulen looked at life through the window of faith."(1)

دینی علوم سے آگاہی کے ساتھ ساتھ ادب تاریخ اور فلسفہ بھی گولن کے موضوع ہائے دلچسپی ہیں۔ خالص سائنسی علوم مثلاً فزکس، کیمسٹری اور بیالوجی وغیرہ میں بھی مہارت حاصل کی۔ اسلامی تہذیب وتمدن کے فہم کے لیے امام غزالیؒ، امام ربانیؒ اور جلال الدینؒ، امام ابوحنیفہؒ کے کام کا انتخاب کیا۔ دینی علوم کے اصل ماخذ تک براہِ راست رسائی کا انھیں شوق السنۂ شرقیہ مثلاً عربی اور فارسی سیکھنے کے لیے معاون ثابت ہوا۔ مطالعہ کو وسعت دینے کے لیے اپنے معاصر علماء مثلاً الملیکی (Elmaliki)، محمد حمدی، مصطفیٰ صبری، اسماعیل فتی، شمس الدین گونالتے اور محمد علی عیسیٰ وغیرہ کی جانب متوجہ ہوئے۔ تصوف کو اسلام کی رُوحانی زندگی گردانتے ہوئے ترکی کی رُوحانی شخصیات مثلاً احمد یساوی (Yasawi)، یونس امریؒ، جلال الدین رومیؒ اور حاجی بکتاش ولی (Bektash Veli) کے ذخیرہ سے بھرپور استفادہ کیا۔

تعلیم مکمّل ہونے پر انھیں حکومتِ ترکی نے بہت بڑے سرکاری عہدے یعنی ''امام'' پر فائز کیا نیز انھیں 1958ء کو State Preacher License بھی عطا ہوا۔ اس اعزاز کی وجہ سے انھیں ترکی اور بیرونِ ترکی اشاعتِ اسلام کے نادر مواقع حاصل ہوئے۔ اس اعزاز سے قبل بھی آپ اپنی مبلّغانہ سرگرمیاں آغاز کر چکے تھے۔ مساجد کے منبروں سے لے کر قہوہ خانوں تک جا جا کر دینی شعور بیدار کرتے رہے۔ ترکی کے سماجی اور سیاسی دائرہ اثر میں گولن نے چونکا دینے والا کردار ادا کیا۔ عوام کے اذہان کو تعلیم کی روشنی سے اُجالنا گولن کی تحریکی زندگی کا مقدس مشن ہے۔ ان کی تحریک خدمت (جس کا آغاز 1990ء سے ہوگیا تھا) ترکی اور یورپ میں تعلیمی اداروں کا جال بچھا چکی ہے۔ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام میں اِس حوالے سے ان کی ان خدمات کا اعتراف کیا جا چکا ہے۔ مثلاً استانبول کے نواح میں فیتھ یونیورسٹی (پرائیوٹ) کا قیام جس کے شعبہ جات کی تفصیل اِس طرح ہے ہیومینیٹی، سوشل سائنسز، انجینئرنگ اور پیشہ وارانہ تعلیم وغیرہ وغیرہ اس یونیورسٹی کی انقرہ میں قائم ایک شاخ میں نرسنگ کی تربیت کا شعبہ اور سکول آف میڈیسن قائم ہے۔ ترکی ثقافت کو متعارف کرانے، بین المذاہب سرگرمیاں انجام دینے اور کانفرنس اور سیمینار منعقد کرانے کے لیے امریکن سکولوں میں سنٹرز قائم کیے گئے ہیں۔ علاوہ ازیں ترکی کا کثیر الاشاعت اخبار ''زمان'' بھی تحریک خدمت کے کریڈٹ پر ہے۔ سیٹلائٹ ٹیلی وژن کے ذریعے

گولن کے خیالات کی ترجمانی کے ساتھ ساتھ عوام کو معلومات اور تفریح بھی فراہم کی جاتی ہے۔"(۲)

مسلم اکثریتی ممالک کے عوام کی اِس سوچ کو گولن نے ہدفِ تنقید بنایا ہے کہ مسلمان دُنیا بھر میں نو آبادیاتی نظام کے صدمے سہتے ہیں، ترقی کی دوڑ میں پیچھے رہ گئے ہیں یا انتقامی کارروائیوں کا نشانہ بنتے ہیں تو اس کا سبب مغرب ہے۔ مسلم اُمہ کے دُکھوں کا مداوا ان کے نزدیک ممکن ہے اگر درج ذیل پہلوؤں پر توجہ دی جائے۔ مثلاً:

> "Healthy blend of religion and science that would meet the need of mind and soul. Simultaneously reifying Islam from the historical and cultural beggage full of superstitions, anger and violance because it has been infested with politics and has been an instrument of power struggle."[3]

ساری دُنیا بالخصوص عالمِ اسلام کے دیرپا قیامِ امن کے لیے گولن صاحب نے "Redical Islam" کی تھیوری مسترد کر دی ہے۔ مذاکرات کے ذریعے امن کے متمنّی فتح اللہ گولن بین المذاہب مکالمہ پر یقین رکھتے ہیں۔ اِس مقصد کے لیے وہ بارہا یہودی اور مسیحی راہنماؤں سے مِل کر اِن کے سامنے قیامِ امن کی تجاویز رکھ چکے ہیں۔ ان کا یہ اقدام ممکن ہے کہ ترکی کے بعض سیاسی حلقوں میں قابلِ قبول ہو یا نہ ہو، لیکن بین الاقوامی سطح پر انھوں نے ایک امن پسند مسلمان کے امیج کو خوب نمایاں کیا۔ 11 ستمبر 2001ء میں امریکہ میں ہونے والی جارحیت کی مذمت کرتے ہوئے اپنی ایک پریس ریلیز میں گولن صاحب نے کہا:

> "Terror can never be used in the name of Islam or for the state of any Islamic ends. Muslim can only be the representative and symbol of peace, wellfare and prosperity."[4]

عظیم ترک راہنما بدیع الزماں سعید نورسی کے افکار ونظریات کا خوبصورت رچاؤ فتح اللہ گولن کے کارہائے نمایاں میں نظر آتا ہے۔ تحریکی کاموں کے ساتھ ساتھ قلم وقرطاس سے ان کا رشتہ بھی بہت گہرا ہے۔ ساٹھ سے زائد کتب میں اپنے خیالات وافکار کی ترجمانی کر چکے ہیں۔ لاتعداد ملکی اور بین الاقوامی رسائل واخبارات کو اپنے مضامین سے مزین کر چکے ہیں۔ آپ ان خوش نصیب مصنّفین میں سے ہیں جن کے حینِ حیات ان کا تحقیقی اور تخلیقی کام مختلف زبانوں میں ترجمہ ہو کر مقبولیت حاصل کر چکا ہے۔ نمونے کے طور پر چند کتب کے نام نذر قارئین:

1- Key concepts in the practice of sufism.
2- Essentials of Islamic faith.
3- Prophet Mohammad as Commander.

۴۔اسلام اوردورِحاضر۔ ۵۔تعمیرِ شخصیت۔
۶۔حیات بعدالموت۔ ۶۔شکستہ صراحی۔
۸۔المیزان۔ ۹۔جہاداوراس کی حقیقت۔

گولن کی شخصیت اور پیغام سے شناسائی حاصل کرنے کے لیے چند ویب سائٹس بھی موجود ہیں۔مثلاً:

English :http://:en.fgulen.com
Urdu :http://:pk.fgulen.com
Arabic :http://:ar.fgulen.com

محمد صلی اللہ علیہ وسلم نوری سرمدی فخرِ انسانیت: ایک تعارف

سیرتِ رسولﷺ فتح اللہ گولن کے مستقل موضوعات میں سے ہے۔ ترکی زبان میں ''Sonsur Nur'' نامی آپ کی کتاب کا ترجمہ محمدﷺ نور سرمدی فخرِ انسانیت کے نام سے دستیاب ہے۔ یہ ترجمہ Harmony Publication اسلام آباد کی جانب سے 16000 کی تعداد میں شائع ہوا ہے۔ حالانکہ عام کتابیں 1000 کی تعداد میں ہی شائع ہوتی ہیں۔ دو جلدوں اور 1030 صفحات پر مشتمل یہ کتاب گولن صاحب کے ان لیکچروں کا مجموعہ ہے جو آپ نے مختلف مساجد میں دیے اور ان کے تلامذہ نے انھیں جمع کر لیا۔ بعدازاں ان مندرجات کو مصنّف کی توثیق کے بعد شائع کیا گیا۔ خطیبانہ اسلوب کی حامل اِس کتاب کا حسنِ صوری دلفریب ہے۔ نیلے رنگ کی ہلکی اور گہری شیڈ کے ساتھ سفید رنگ کا استعمال موضوع کی متانت سے ایک گونہ مناسبت رکھتا ہے۔ عربی اور اُردو متن کو فونٹ سٹائل کے ذریعے ممیّز کیا گیا ہے۔ فونٹ سائز بھی مناسب ہے، جس سے قاری کو مطالعہ کے دوران اُکتاہٹ یا دِقت محسوس نہیں ہوتی، جہاں تک مقصد تالیف کا تعلّق ہے تو وہ مصنّف کی زبانی کچھ اِس طرح ہے، کہتے ہیں:

> ''دوسرے بہت سے حضرات کی طرح میری بھی یہ دیرینہ خواہش تھی کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عظیم شخصیت پر روشنی ڈالوں اور آپ کے شایانِ شان آپ کی سیرت کے مختلف پہلوؤں کو اُجاگر کروں۔ تاکہ لوگوں کو پتہ چل سکے کہ آپﷺ تمام انسانیت کے لیے نجات دہندہ اور آپ کی تعلیمات ناقابلِ حل مشکلات کا حل اور لاعلاج بیماری کا علاج ہے۔''(۵)

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

> ''حسبِ معمول ہم کتبِ سیرت میں ذِکر کردہ تفصیلات میں نہیں جائیں گے بلکہ صرف خاص خاص امور کا تذکرہ کریں گے۔ ہمارا بنیادی مقصد حضرت سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو اُجاگر کرنا ہے۔''(۶)

لہٰذا اِس کتاب کو تبلیغی مقصد کے تحت تحریر کی جانے والی کتب کے زمرے میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ ایسی کتبِ سیرت کی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ اس کو سلیس اور سہل زبان میں سادہ سے اسلوب اور

مؤثر ومحکم دلیل کے ساتھ ایسے تحریر کیا جائے کہ ذہن پر اِس کا ابلاغ فوری ہو نیز خلوص اور شیریں بیانی کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر قاری کو عمل پر برانگیختہ کرے۔ گولن صاحب کامیاب لکھاری قرار دیے جا سکتے ہیں کہ ایک عام سی علمی اِستعداد رکھنے والا قاری بھی اِس کتاب سے بہ سہولت اِستفادہ کر سکتا ہے۔ اِس طرح پیامِ سیرت سُرعت کے ساتھ عام ہو جاتا ہے۔ بقول مولانا ابوالاعلیٰ مودودی:

> ''قرآن اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم دونوں چونکہ ایک مشن رکھتے ہیں۔ ایک مقصد اور مُدّعا کو لیے ہوئے ہیں۔ اِس لیے ان کو سمجھنے کا انحصار اس پر ہے کہ ہم ان کے مشن مقصد اور مدعا کو کس حد تک سمجھتے ہیں۔ اس چیز کو نظر انداز کر کے دیکھیے، تو قرآن عبارتوں کا ایک ذخیرہ اور سیرت پاک واقعات و حوادث کا ایک مجموعہ ہے۔''(۷)

مولانا صاحب مزید فرماتے ہیں کہ ''تاریخی تحقیق کا کمال دِکھا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات اور آپ کے عہد کے متعلق صحیح ترین اور وسیع ترین معلومات کے ڈھیر لگائے جا سکتے ہیں، لیکن رُوحِ دین کو نہیں پہنچ سکتے۔''(۸)

پوری کتاب کو پانچ اجزاء میں تقسیم کر کے اسے پہلا، دوسرا اور تیسرا حصہ وغیرہ کا عنوان دیا ہے۔ تمام حصوں کو باقاعدہ عنوانات کے تحت ضبطِ تحریر میں لایا گیا ہے۔ نیز قدرے طویل اجزاء کو ابواب میں بھی تقسیم کیا گیا ہے اور فصول بھی قائم کی گئی ہیں۔ کتاب جلد اوّل کے اِبتدائی ۵۷ صفحات فہرست مضامین، مصنّف کے تعارف، مقدمہ از مصنّف اور تمہید پر مشتمل ہیں۔ پانچویں حصے کے موضوعات کی تفصیل حسب ذیل ہے:

پہلا حصہ: انبیاء و رُسل علیہم السّلام

یہ پانچ ابواب پر مشتمل ہے، جس میں بعثت انبیاء کے مقاصد اور انبیاء کے اوصاف وغیرہ مذکور ہیں۔

دوسرا حصہ: نبی کریم ﷺ بحیثیت مربی

یہ جزو پانچ فصول پر منقسم ہے، جس میں حضور ﷺ کا اُسوہ بطور سربراہ خاندان، بحیثیت باپ، اصولِ تربیت اور نظامِ تعلیم کے واضع اوّل کے طور پر دیا گیا ہے نیز مختلف شعبہ ہائے علوم میں آپ ﷺ کی تیار کردہ عبقری شخصیات کا تعارف بھی دیا گیا ہے۔''

تیسرا حصہ: مشکلات کا حل پیش کرنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا کوئی ثانی نہ تھا۔ ☆

پہلی جلد کا اختتام حوالہ جات پر ہوا ہے۔ بھلے کتاب کا مقصد تالیف تبلیغی ہے۔ باوجود اس کے قارئین کو یہ سہولت دی گئی ہے کہ وہ بیانات کی جانچ پڑتال اور تفصیل جاننے کے لیے اصل مآخذ کی طرف مراجعت کر سکتے ہیں۔ یہ کوشش کتاب کو اور زیادہ وقیع بنا دیتی ہے۔ اسی طرح دوسری جلد کا آغاز فہرست مضامین سے ہوتا ہے۔ کتاب میں شامل چوتھے اور پانچویں حصے کی تفصیل اس طرح ہے:

☆ عنوانات یا ابواب کا ٹائٹل پورے جملے پر مشتمل نہیں ہوتا بلکہ اس کا حسن اختصار اور جامعیت ہوتا ہے۔

حصہ چہارم: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کا عسکری پہلو اِس کے ذیل میں رسول اللہ کی عسکری مہارت تأمہ غزوات رسول ﷺ اور قائد کے ضروری اوصاف کا تذکرہ ہے جنھیں اُسوۂ رسالت مآب کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔

پانچواں حصہ: عصمت انبیاء اور عصمت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

یہاں عصمت کا معنی و مفہوم دینے کے علاوہ حیاتِ طیبہ پر عصمت کے اثرات کا ایک جائزہ بھی لیا گیا ہے۔

دوسری جلد کی اہم بات یہ ہے کہ اس میں الحاقی طور پر ایک جزو کا اضافہ کیا گیا ہے، جسے ''اسلامی شریعت میں سنت کی اہمیت اور مقام'' کا ٹائٹل دیا گیا ہے۔ اس کا آغاز بھی مقدمہ سے ہوا ہے۔ یہ حصہ تین ابواب اور فصول پر مبنی ہے۔ دوسری جلد کے آخر میں ''خاتمہ'' کے عنوان سے حصہ ہٰذا کا نچوڑ پیش کر کے سیرت پر مستشرقین کی ہرزہ سرائی پر نقد کیا گیا ہے۔ حواشی اور حوالہ جات کے علاوہ ''کتابیات'' کے عنوان کے تحت فہرست مصادر و مراجع قائم کی گئی ہے۔ مترجم محمد اسلام کی کوشش اس لحاظ سے قابلِ داد ہے کہ انھوں نے اِس انتہائی اہم سیرتی ادب کو اُردو کا جامعہ پہنا کر ''و من ترکی نمی دانم'' کا مسئلہ حل کر دیا ہے، جس سے برادرِ اسلامی ملک ترکی کے اِس عظیم دانشور سے اُردو کے قارئین بھی اِستفادہ پر قادر ہوئے ہیں۔

اصولِ سیرت نگاری کی روشنی میں مطالعۂ نور سرمدی فخرِ انسانیت

علم حدیث، فقہ، تفسیر، تاریخ اور علم الکلام کی تفہیم معرفت کے لیے علماء اسلام نے اصول وضع فرمائے۔ گو کہ سیرت کو سمجھنے کے اصول بھی موجود ہیں جن کا ذِکر مجملاً کتبِ سیرت میں آیا ہے، مگر اصولِ سیرت پر مستقل نوعیت کی تصنیف موجود نہیں ہے، جہاں تک رسول اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مطہّرہ کے اصولوں کا تعلّق ہے تو ان کو حاصل کرنے کا بنیادی مآخذ قرآن مجید ہے، جہاں فخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حیاتِ اقدس کے لاتعداد گوشوں کو آیاتِ قرآنیہ کی زینت بنا کر آپ کے ذِکر پاک کو خلود بخشا گیا ہے۔

مثلاً اپنے ایک مختصر کتابچے میں سیرت نگاری کے اصولوں پر بات کرتے ہوئے ڈاکٹر طاہر القادری رقم طراز ہیں کہ آپ کی حیاتِ مبارکہ کا مطالعہ بطور ایک وحدت کے ہونا چاہیے۔ یعنی اس میں جمالیاتی، روحانی، احکامی اور اطلاقی پہلوؤں کو یکجا کر کے دیکھا جائے کیوں کہ اس کی وجہ سے سیرت کے ساتھ تعلّق پیدا ہوتا ہے۔ یہ تعلّق عملی زندگی میں اپنا رنگ ظاہر کرتا ہے۔ فکر و عمل کے بحران کے حل کے لیے بھی سیرت سے راہنمائی لی جائے۔ قرآن تعلیمات کو سیرت روشنی میں دیکھنے کی سعی کی جائے۔ سیرت کے مطالعہ کے ذریعہ مخاطب اپنے عقیدہ و عمل، اخلاقی و مادی تقاضوں اور دنیوی اور اُخروی زندگی میں توازن برقرار رکھ سکتا ہے۔ نیز اصول سیرت میں بھی ہے کہ حضور کے پیغام کی عالمگیریت کو سامنے رکھا جائے۔ فہم کمال سیرت میں عقل انسانی کی نارسائی کا اعتراف کیا جائے۔ [۹]

اسی اعتبار سے دیکھا جائے تو ''نور سرمدی فخر انسانیت'' ان معیارات پر پوری اُترتی ہے۔ یہ وہی اصول ہیں جن کا التزام ضخیم کتب سیرت میں دکھائی دیتا ہے مگر گولن صاحب کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے چھوٹی دو جلدوں میں بھی ان اصولوں کے مطابق سیرت النبی ﷺ تحریر کی۔

''قرآن مجید میں آپ کی حیاتِ مبارکہ کے مختلف پہلوؤں کی وضاحت کی ہے جس میں آپ کی ابتدائی زندگی، یتیمی، غربت، جوانی میں مالی فراغت، تلاشِ حق، بعثت، نزولِ وحی، دعوت وتبلیغ، کفار کی مخالفت، اسلام کے فروغ، معراج، ہجرت، غزوات اور خود آپ کے اخلاق و عادات کی مختلف انداز میں وضاحت کی ہے یہی وجہ ہے کہ تمام سیرت نگاروں نے قرآن مجید کو سیرت کا پہلا ماٰخذ تسلیم کیا ہے۔''(۱۰)

فتح اللہ گولن کے ہاں کثرت سے آیاتِ قرآنیہ کو بطور استشہاد پیش کیا گیا ہے۔ کبھی آپ کی رحمت للعالمینی کا تذکرہ ہوا، یا آپ سے محبّت کو محبّتِ خداوندی کا ذریعہ ٹھہرانے کا موقع آیا۔ تحویل کعبہ کے یادگار واقعے کو تازہ کیا گیا تو محبوبِ خدا کی بےقراری بیان کرنے کے لیے قرآن سے بڑھ کر معتبر حوالہ اور کون سا ہوسکتا تھا۔ محبّ اور محبوب کی سرِعرش ملاقات کی کہانی کہی گئی تو سورہ اسراء کی روشن آیات کی گواہی لی گئی۔ گولن صاحب کو ساری دُنیا کے منصفوں کے منصف کی عدل گستری کی نظیر لانی مقصود ہوئی تو قرآن سے رجوع کیا۔ بیعت شجرہ کی رُوداد سنانا مقصود ہوئی تو گولن نے سورۃ الفتح آیت ۱۸ سے یہ حوالہ دینا ضروری جانا کہ:

''لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ ''(۱۱)

(اے پیغمبر) جب مومن تم سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے تو خدا ان سے خوش ہوا۔)

گولن صاحب کے نزدیک قرآن مجید کی وہ تفسیر جو کتاب وسنت سے رُوگردانی کرتے ہوئے کی گئی ہو۔ اس کی بھرپور مذمت کرتے ہیں۔ اس قسم کے مفسّرین کا نام لیے بغیر تنکیر کرتے ہوئے حسب ذیل نکتہ کی وضاحت فرماتے ہیں:

''حضرت یوسف کا ھمّ (قلق) اپنے حبیب کی خاطر تھا جب کہ زلیخا کا ھمّ (قلق) اس کے حبیب کی خاطر تھا۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے مفسّرین اللہ تعالیٰ کی دائمی نگرانی میں رہنے والے معزز نبی کے ''ھمّ'' اور شہوت سے مغلوب عورت کے ''ھمّ'' کے درمیان پائے جانے والے بہت واضح فرق میں امتیاز نہ کرسکنے کی غلطی کا شکار ہوئے اور دونوں کو ایک ہی پلڑے میں رکھ دیا۔ گویا دونوں کی فکر جسمانی شہوت کی دبیز تہوں میں دبی ہوئی تھی۔ میں ایسی تمام تفاسیر، شروح اور تعلیقات پر نظر ثانی کیے جانے کو ضروری سمجھتا ہوں۔''(۱۲)

گولن صاحب سیرتِ رسول اللہ کی وضاحت میں تفسیری ماٰخذوں سے استفادہ کرتے تو نظر نہیں آتے البتہ تفسیری ادب کا عمیق مطالعہ انھیں بعض مفسّرین کی اغلاط کی نشاندہی کے قابل بنا دیتا ہے اور دخل اندازی اس سوال پر کیا حضور ﷺ نے ایک صحابی کی آمد پر ناگواری کا اظہار کیا وہ واقعی ابنِ اُمّ

مکتوم ہی تھے؟ فرماتے ہیں:

''محقق مفسّرین نے نبی کریمﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے والے شخص کے مختلف نام ذِکر کیے ہیں، بلکہ ان میں اِس بات پر بھی اختلاف پایا جاتا ہے آیا وہ شخص واقعی بصارت سے محروم تھا، یا اسے مجازاً نابینا بیان کہا گیا ہے یہ صورتِ حال اِس واقع کو وسیع تر تناظر میں دیکھنے کی متقاضی ہے۔''(۱۳)

سیرتِ مصطفیٰﷺ کا حدیث سے گہرا تعلّق ہے، بلکہ سیرت حدیث کے بغیر ادھوری ہے۔ اسی کے پیشِ نظر فتح اللہ گولن نے سیرتِ مصطفیٰﷺ کے بیان میں بے شمار احادیث سے استشہاد کیا ہے۔ اکثر احادیث عربی متن کے ساتھ درج کی ہیں لیکن آپ کی ایک اور قابلِ قدر کوشش سنت اور حدیث کے فرق کو نمایاں کرنا۔ تدوینِ سنت اور اتباعِ سنت کی اہمیت کو اُجاگر کرنا ہے۔ سنت کا التزام جس طرح صحابہ کے ہاں موجود تھا۔ اسے گولن نے اپنی کتاب کی زینت بنایا۔ مثلاً تقبیلِ حجر اسود کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ کا یہ قولِ مبارک نقل کیا ہے:

''میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے کوئی نقصان یا نفع نہیں پہنچا سکتا، اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے ہرگز نہ چومتا۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضرت عمرؓ صرف اتباعِ سنت کے جذبے سے حجرِ اسود کو بوسہ دیتے تھے۔''(۱۴)

ایک سیرت نگار نہ صرف آپ کی تعلیمات کا تذکرہ کرتا ہے بلکہ آپ کے جسمانی اوصاف کو بھی بیان کرتا ہے جس سے قاری کے ذہن کے پردے پر آپﷺ کے وجودِ مسعود کا ایک نقش سا بن جاتا ہے۔ گولن نے حضور کی عاجزی کو بیان کرنے کے لیے اِس روایت کا سہارا بھی لیا۔

''جب آپ مکہ مکرمہ میں فاتح کی حیثیت سے داخل ہوئے تو تواضع کی وجہ سے آپ تھوڑی مبارک آپ کی اُونٹنی کی کوہان سے لگنے لگی۔''(۱۵)

آپﷺ کے شمائل کے تذکرے سے دُنیا بھر کا سیرتی ادب بھرا پڑا ہے۔ نورِ سرمدی فخرِ انسانیت میں بھی حضور کے سراپا کا ذِکرِ جمیل موجود ہے۔

''حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے نبی کریمﷺ کو چودھویں تاریخ کی رات میں دیکھا آپﷺ نے سُرخ جوڑا زیب تن فرما رکھا تھا۔ میں ایک نظر آپ کی طرف دیکھتا اور دوسری چاند کی طرف یقین مانیے آپ مجھے چاند سے زیادہ حسین لگ رہے تھے۔''(۱۶)

گولن صاحب نے گو کہ دو چھوٹی جلدوں میں سیرت رسول اللہ پیش کی لیکن ان تمام مآخذوں کو ملحوظ رکھا جو سیرت نگاری کے لیے ضروری ہیں۔ گزشتہ آسمانی مذاہب کی کتب مقدسہ سیرت فہمی کا ایک ذریعہ ہے جن میں حبیبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کی دُنیا میں تشریف آوری کے حوالے سے پیشگی خبروں کی

موجودگی کی وجہ سے منکرینِ رسالت کے بھونڈے دلائل کی قلعی کھول دی گئی۔ انجیل یوحنا میں حضرت عیسیٰ کا قول ہے:

''میں جا رہا ہوں تا کہ تمہارے پاس سردارِ جہاں آئے۔''(۱۷)

گولن نے بھی انجیل سے حضور ختم المرسلین کے اوصاف کو منتخب کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

''انجیل میں آپ کے مذکورہ اوصاف میں یہ بھی ہے کہ آپ ''صاحب القضیب'' یعنی صاحبِ شمشیر ہوں گے۔ آپ ﷺ حق کو پھیلائیں گے لیکن اگر حق کی راہ میں رُکاوٹیں کھڑی کی گئیں تو آپ طاقت اور تلوار کو بھی اِستعمال کریں گے۔''(۱۸)

ایک اور مقام پر گولن، انجیل برناباس کے تذکرے میں لکھتے ہیں:

''علامہ حسین الجسری نے تورات اور انجیل کے موجودہ نسخوں میں حضور ﷺ سے متعلق ایک سو چودہ اشارات کی نشان دہی کی ہے۔ اِس قدر تحریف اور تبدیلی کے باوجود بشارات اتنی کثرت سے دیکھ کر انسان حیرت زدہ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ نیز ان شاء اللّٰہ ایک دن آئے گا، جب تحقیقات سے انجیلِ برناباس کی صحت کی تائید ہوگی جس میں ہم صلی اللّٰہ علیہ وسلم کا نام صراحتاً موجود پاتے ہیں۔''(۱۹)

گولن صاحب سیرت نگاری میں تاریخ کی اہمیت سے بخوبی واقف ہیں۔ وہ عہدِ نبوی کے کسی تاریخی واقعے کو اِس سے مماثل کوئی واقعہ دُنیا کے کسی دوسرے حصے میں بھی تلاش کر کے تجزیہ کر دیتے ہیں۔ بنونضیر جن کو حضور ﷺ نے مدینہ بدر کر دیا تھا، وہاں جا کر انھوں نے دیگر قبائل کے ساتھ مِل کر مسلمانوں کے خاتمے کی تدبیریں کرنے لگے۔ گولن اِس صورتِ حال کو معرکہ ''چنق قلعہ'' کے مماثل قرار دیتے ہیں، جس میں انگریزوں نے ہندوستانیوں، افریقیوں اور آسٹریلیا وغیرہ کی بہت سی اقوام کے ساتھ مِل کر دھاوا بولا تھا۔(۲۰)

غزوۂ احزاب کے موقع پر کھودی گئی خندق کے موجودہ احوال کو کسی ماہر آثارِ قدیمہ کی نظر سے دیکھ کر کہتے ہیں:

''اب یہ خندق مکمّل طور پر اَٹ چکی ہے۔ کاش اگر یہ باقی ہوتی تو ہم اِس خندق کو دیکھ سکتے جس کی کھدائی اور مٹی کی منتقلی میں حضور نے شرکت فرمائی۔ دورِ حاضر میں اس کے موجودہ آثار کی صحت کے بارے میں ہمیں علم نہیں، لیکن اگر عسکری علوم کا کوئی ماہر ان آثار کا گہرائی سے جائزہ لے کر ان کے اِس خندق کے آثار کے احتمال کو درست بتائے تو پھر اِس سلسلے میں سنجیدہ اقدامات اُٹھانے کی ضرورت ہوگی۔''(۲۱)

☆ **عن عمر رضی اللّٰہ انه جاء الی الحجر الاسود فقبله فقال انی اعلم انک حجر لاتضرُّ ولا تنفع ولولا انّی رایتُ النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم یقبلک ماقبلتک.** (بخاری، کتاب الحج۔ باب ذکر فی الحجر الاسود)

جیسا کہ گولن صاحب نے حضور پُر نور کے حالاتِ زندگی بیان کرتے ہوئے عربی زبان وادب کی مہارت کا بھی ثبوت دیا ہے۔ اِس کتاب میں ثبوت کے طور پر وہ عربی محاورے، ضرب الامثال اور قدیم مقولوں کو پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کسی عورت کو زوجہ رسول ﷺ ہونے کا شرف حاصل ہونا قربِ خداوندی کی علامت ہے، کیونکہ رسول ﷺ کے گھر وحی کا نزول ہوتا ہے اور وہاں ہر وقت حضرت جبریل علیہ السّلام کی آمد و رفت رہتی ہے۔ لہٰذا ''الغرم بالغنم'' فائدے کے بقدر نقصان کے مطابق ایسے گھر میں گناہ کے ارتکاب کی سزا طبعی طور پر زیادہ ہونی چاہیے۔ (۲۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نقد و جرح کرنے والوں کے بارے میں کہتے ہیں کہ:

''جس طرح وہ ہر دور میں عقلی اور علمی سطح پر مغلوب رہے ہیں اِسی طرح مستقبل میں بھی ان کا یہی انجام ہوگا کیونکہ وہ چھلنی سے آفتاب کو چھپانا چاہتے ہیں۔ اگر چہ ہم ان کے اُٹھائے گئے ہر سوال کا جواب نہیں دے سکتے، لیکن ہمیں اپنے آباؤ اجداد کے اِس قدیم مقولے کی صداقت کا یقین ہے کہ

لو كل كلب عوى ألقمه حجراً
لأصبح الصخر مثقلا بدينار (۲۳)

اگر تم نے ہر بھونکنے والے کتے کے منہ پتھر دے دیا تو ایک مثقال پتھر کی قیمت ایک دینار ہو جائے گی۔''

گولن صاحب نے کتاب کی دوسری جلد میں حضور ﷺ کی حیاتِ طیبہ کا عسکری پہلو کے عنوان سے حضور کے مقاصد جہاد، اسلام میں صلح بحیثیت اصل الاصول، رسول اللہ کی جنگی حکمت عملیاں اور عسکری مہمات کے نتائج کا تذکرہ کر کے اِس روایت کو نبھایا ہے جس کو تقریباً ہر قدیم و جدید سیرت نگار نے اجمالاً یا مفصّلاً ذِکر کیا ہے۔ درحقیقت آغاز میں تو مغازی کو ہی سیرۃ کہا جاتا تھا۔ چند صفحات پر مشتمل اِس باب میں تمام اہم غزوات کا تذکرہ جس خوبصورتی اور تحقیق کے ساتھ کیا گیا ہے۔ اِسے دیکھ کر اُردو زبان میں لکھی گئی ایک کتاب ''حدیث دفاع'' یاد آجاتی ہے۔ میجر جنرل اکبر خاں کی یہ کوشش فیروز سنز لاہور نے ۱۹۵۴ء میں شائع کی۔ یہ ''مصنّف چونکہ دورِ جدید کی حربی ایجادات اور ملٹری سائنس کی جزیات سے واقف ہے۔ اسلام اور آنحضور ﷺ کی زندگی کے واقعات پر گہری نگاہ رکھتا ہے۔ اس لیے وہ موضوع سے انصاف کرنے میں پوری طرح کامیاب ہوا ہے۔ ہر غزوے پر اظہارِ خیال سے پہلے مصنّف نے میدانِ جنگ، گرد و نواح، جنگ کے اسباب، فریقین کی مورچہ آرائی صنف بندی لڑائی اور اس سے حاصل ہونے والے نتائج سے بحث کی ہے۔ یوں حدیث دفاع کی صورت میں آنحضرت ﷺ کا ایسا جنگی ہدایت نامہ سامنے آتا ہے جو دُنیا بھر کے جرنیلوں اور سپہ سالاروں کے لیے صحابہ کرام رضی اللّٰہ علیہم اجمعین وہ ہستیاں ہیں جنھوں نے نہ صرف آپ ﷺ کے اقوال و آثار کو محفوظ رکھا بلکہ آپ کی سنتِ مبارکہ کے ہر گوشے کو اُمتِ محمد یہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف منتقل کیا۔ (۲۴)

صحابہ کے اِس احسانِ عظیم کی بدولت آج تک سیرتِ مصطفیٰ ﷺ کا ہر گوشہ محفوظ ہے۔ گولن صاحب نے اپنی اس مختصر کتاب میں صحابہ کرامؓ کی علوشان کے اسباب پر بھی قلم اُٹھایا، کہتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ ان کا تذکرہ فرماتے اور وہ اللہ کو یاد کرتے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ جن کا سایہ بھی ہمیں خواب میں نظر آئے تو ہم کئی کئی دن اس کی لذت سے سرشار رہیں، کے واسطے سے اللہ کے ساتھ اس کی عظمت وجلال کے مناسب حال مسلسل رابطے میں رہتے اور اس قسم کے تعلق فہم وادراک اور بصیرت کے ماحول میں ان کی زندگی کے شب وروز گزرے ہم تک سنت پہنچانے والوں کا یہ مقام ہے۔ ان میں سے کسی کے دل ہی جھوٹ کا خیال گزرنا بھی محال تھا۔''(۲۵)

جناب فتح اللہ گولن نے سیرتِ رسول ﷺ کے ایک اہم ترین ماخذ یعنی آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی درونِ خانہ حیات سے پھوٹنے والی کرنوں کو بھی اپنی تصنیف میں سمو لیا۔ حضور ﷺ نے افرادِ خانہ کی تربیت جو نظام قائم کر رکھا تھا۔ اس کی عظمت ورفعت کا احساس کرتے ہوئے گولن اس نتیجے پر پہنچتے ہیں:

''گفتار وکردار کی ہم آہنگی کے ذریعے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے گھر والوں کو جس قدر متاثر کیا کسی اور کے لیے ممکن نہیں اگر تمام ماہرین تربیت ونفسیات تمام نظام ہائے تربیت کی تمام معلومات اکٹھی کر کے انھیں کام میں لائیں تو بھی ان کے اثرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت کے اپنے گھر والوں پر پڑنے والے اثرات کے عشر عشیر کو نہیں پہنچ سکتے۔''(۲۶)

سیرت محمد عربی ﷺ پر شعراء کرام نے جو کچھ کہا۔ اس کے چند نمونے بھی ''نورِ سرمدی فخرِ موجودات'' میں ملتے ہیں۔ ان نمونوں میں حضرت فاطمہؓ اور حضرت بلالؓ کے اشعار منتخب فرمائے۔ حضرت فاطمہؓ نے اپنے عظیم والد کی وفات پر جو اشعار کہے انھیں ابنِ ماجہ کتاب الجنائز میں دیکھا جا سکتا ہے، مثلاً:

ماذا علی سم تربة احمد
ألا یشم مدی الزمان غوالیا
صبت علی مصائب لو انّها
صبت علی الایام عدن لیا لیا(۲۷)

(جس نے احمد (ﷺ) کی قبر سونگھ لی۔ اگر وہ عمر بھر کوئی خوشبو نہ سونگھے تو اسے کوئی پرواہ نہیں ہے۔ مجھ پر غموں کے اتنے پہاڑ ٹوٹے کہ اگر وہ دِنوں پر ٹوٹتے تو وہ بھی رات میں تبدیل ہو جاتے۔)

بوصیریؒ کے اشعار بھی جابجا کتاب کی زینت میں اضافہ کررہے ہیں۔مثلاً:

وکیف یدرک حقیقته قوم

ینام تسلوا عنه بالحلم(۲۸)

(آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقیقت کو خوابِ غفلت میں مبتلا قوم کیسے پہچان سکتی ہے، جو آپ کے بارے میں محض خوابوں پر مطمئن ہے۔)

رومی کے اشعار کا حوالہ بھی کتاب میں کافی مرتبہ آیا: مثلاً رومی کے اشعار:

بود در انجیل نعتِ مصطفیٰ ال سر پیغمبراں بحرِ صفا

بود ذکر حلیھا و شکل او بود ذکر غزو صوم و اکل او(۲۹)

صوفی شاعر ابراہیم حقی ارضرومی کے اشعار بھی شامل کیے مثلاً:

یا عین ماهذا النوم تعالٰی واستیقظی فی اللیالی

وتاملی تاملی سیرالکواکب فی اللیاتی(۳۰)

ترک شاعر محمد عاکف ارسوری کے شعر کا ترجمہ اس طرح دیا گیا:

''معاشرہ اور فرد سب اس کے مرہونِ منت ہیں بلکہ ساری انسانیت زیر بار احسان ہے اے پروردگار قیامت کے دن اس گواہی پر ہمیں اُٹھانا۔''(۳۱)

مقامِ مصطفیٰ ﷺ کی بلندی کا جو اعتراف معروف ایرانی شاعر کو ہے اسے بھی گولن صاحب حوالہ کے طور پر نقل کرتے ہیں۔ نظامی گنجوی نے کہا تھا:

لقد اصبحت انصاف الاهلة

حدوات تحت حوافر جواده(۳۲)

(ہلال دو ٹکڑے ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھوڑے کے سموں کی نعل بن گیا۔)

اسلامی علوم، تاریخی واقعات اور اسلامی شخصیات پر کام کرنے کا مستشرقین کا اپنا ایک طریقِ کار ہے۔ عصرِ حاضر کے عظیم سیرت نگار جناب پیر محمد کرم شاہ الازہری نے ''ضیاء النبی ﷺ'' کی چھٹی جلد انہی کے تذکرے کے لیے وقف کر رکھی ہے اور الحمد للہ اسے مستشرقین کو سمجھنے کا مستقل حوالہ ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ گولن صاحب نے بھی مستشرقین کے سیرتِ نبوی ﷺ پر مبنی مواد کو پیش کیا، بعض مستشرقین آپ ﷺ سے عناد رکھنے کے باوجود آپ کی عظمت کے معترف ہیں۔ جسٹس صاحب نے ولیم میور کے حوالے سے لکھا:

''محمد (ﷺ) ایک ممتاز شخصیت اور نیکی کا نمونہ تھے۔ انھوں نے عمر بھر کوئی ایسا کام نہیں کیا جس سے کسی شریف انسان کی طبیعت نفرت کرتی ہو۔ انھوں نے کئی سلطنتوں کو گرایا اور بہتوں کی داغ بیل ڈالی۔''(۳۳)

پیر کرم شاہ الازہری کی طرح گولن بھی مستشرقین کے ماخذوں پر تنقید کرتے ہیں جن کو سامنے رکھتے ہوئے انھوں نے سیرت و شخصیت پیغمبرِ اسلام پر ہرزہ سرائی کی۔ کہتے ہیں:

> ''حقائق کو مسخ کرنے والے گولڈزیہر، احمد امین، ابوریہ اور علی عبدالرزاق ایسے لوگ جو اِس کے برعکس دعویٰ کرتے ہیں وہ ''العقدالفرید'' ایسی ادب کی کتاب جس کا علم حدیث سے کوئی تعلق نہیں پر ماخذ کی حیثیت سے بھروسا کرتے ہیں انھیں چاہیے کہ پہلے درست ماخذ سے اِستفادہ کرنا سیکھیں۔''(۳۴)

سیرت کے اہم ترین ماخذ یعنی حدیثِ مبارکہ پر مستشرقین کی گستاخیاں کسی دردِ دل رکھنے والے مسلمان سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ مثال کے طور پر احمد امین، گولڈزیہر نے نیند سے بیدار ہو کر ہاتھ دھونے کی نبوی ہدایت کا مذاق اس لیے اُڑایا کہ بعض مستشرقین اور عالم اسلامی میں ان کے بعض مغرب زدہ پیروکاروں کو اسے روایت کرنے والے صحابہ پسند نہیں ہیں۔ حالانکہ آغاز سے آج تک اُمت کی طرف سے تلقی بالقبول پانے والے ایک ایسی حدیث جو نہ صرف سائنس سے متصادم نہیں بلکہ اِس کے مطابق اور موافق ہے۔(۳۵)

''نورسرمندی فخرِ موجودات'' کے مطالعے سے تصوف پر گولن صاحب کے خیالات سے آگاہی حاصل ہوتی ہے۔ صرف اِسی کتاب کے مندرجات کو جمع کیا جائے تو حاصل شدہ معلومات ایک علیحدہ مضمون کے متقاضی ہیں۔ آپ نے تصوف کی بنیادوں، اِس کے آغاز، صوفیاء کے زُہد و تقویٰ اور اشاعتِ اسلام میں ان مقرب ہستیوں کے کردار کو واضح کیا۔ یہ معلومات زیادہ تر کتاب ہٰذا کی جلد دوم میں پائی جاتی ہیں۔ صوفیاء کرام کس طرح معاشرے میں انقلابی رُوح پھونکتے ہیں۔ راقمۃ الحروف کو جسٹس پیر کرم شاہ الازہری اور گولن صاحب میں ایک بے نظیر مماثلت نظر آئی۔ ''مقالات'' نامی اپنی کتاب میں جسٹس صاحب فرماتے ہیں:

> ''ہندوستان میں نو صدیوں پر پھیلی ہوئی تاریخِ اسلام کا آپ مطالعہ کریں۔ آپ کو پتہ چلے گا جن سلاطین کی شجاعت اور بیدار مغزی کے ہم گیت گاتے ہیں، جن سالاروں کی کشور کشائیوں کا ذِکر کر کے ہمارا سر فخر سے بلند ہوتا ہے جن علماء اور فضلاء کے علمی کارناموں سے ایک دُنیا فیض یاب ہوتی ہے۔ وہ قادرالکلام اور نغز گو شعراء جنھوں نے اپنے کلام معجز نظام سے نیکی اور بھلائی کو فروغ دیا۔ برائی اور بدی کی بیخ کنی کی ان میں سے اکثر کسی نہ کسی مردِ کامل کے بستۂ فتراک تھے۔''(۳۶)

جسٹس صاحب کے نزدیک فتح قسطنطنیہ کا کریڈٹ بھی ان اللہ والوں کو ہی جاتا ہے۔ کہتے ہیں:

> ''فتح قسطنطنیہ دنیائے حرب کا محیرالعقول کارنامہ تھا۔ سلطان محمد اپنے پیرِ طریقت (حضرت آق شمس الدین) کے فیضانِ نظر سے ''فاتح'' قرار پایا تھا۔ اس ۲۲ سالہ نوجوان کو اِس کے پیرِ کامل نے کہا تھا کہ تم قسطنطنیہ پر حملہ کرو اللہ تمہیں کامیابی دے گا۔''(۳۷)

گولن کے نزدیک یہ اولیاء اللہ سنتِ نبویہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اُجالوں میں راہِ سلوک طے کرتے ہیں۔ اللہ کے ولی امامِ ربّانی کا حوالہ دیتے ہوئے کہتے ہیں:

''میں نے راہ سلوک کی منزلیں طے کرتے ہوئے دیکھا سنتِ نبویہ کا نور دیگر تمام روشنیوں سے مختلف ہے۔ تمام اولیائے کرام کی فضا میں بکھری ہوئی روشنیاں درخشاں سنتِ نبویہ کے چھوٹے سے مسئلے کی روشنی کے سامنے ہیچ تھیں۔''(۳۸)

حضور ﷺ کا طریقہ یہ رہا کہ:

''رسول اللہ ﷺ انسان کے تمام عقلی، قلبی، رُوحانی اور وجدانی پہلوؤں کو پیشِ نظر رکھتے اور کسی بھی انسانی صلاحیت کو نظر انداز یا ختم نہ فرماتے تھے بلکہ اِس کی تمام صلاحیتوں کو فعال و متحرک کر کے بدترین انسان کو بہترین انسان بنا دیتے۔''(۳۹)

صوفیاء کی منزل سوائے تقرب الی اللہ کے کچھ اور نہیں ہے۔ ایک ولی کامل ابراہیم بن ادھمؒ کے تذکرے میں گولن لکھتے ہیں کہ درِ کعبہ پر کھڑے دُعا کر رہے تھے کہ میری آنکھوں کو اللہ تعالیٰ تجلّی کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ اچانک برسوں سے بچھڑا بیٹا کعبہ کے پاس کھڑا نظر آیا تو وفورِ محبّت سے اِس سے معانقہ کرنے لگے۔ ہاتفِ غیبی سے آواز آئی کی اے ابراہیم ایک دل میں دو محبّتیں جمع نہیں ہوسکتیں۔ یہ سننا تھا کہ حضرت ابراہیم بن ادھم پکار اُٹھے:

''جو میری اور آپ کی محبّت میں حائل ہو، اِسے آپ اپنے پاس بلا لیجیے۔ چنانچہ ان کا بیٹا فوت ہوکر ان کے قدموں میں آ گرا۔''(۴۰)

رسول اللہ ﷺ جنابِ فاطمہؓ کو مادی آسائش اور زر و جواہر سے دور رہنے کی ہدایت فرماتے تھے۔ جیسا کہ جنابِ فاطمہ سلام اللہ علیہا کی ملکیت میں حضور ﷺ نے ایک طلائی زنجیر کو بھی پسند نہ فرمایا۔ اس پر گولن کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی پیاری بیٹی کو اہلِ بیت اور پھر شیخ عبدالقادر جیلانی، بہاء الدین نقشبندی، احمد رفاعی اور شیخ شاذلی جیسی عظیم ہستیوں کی ماں ہونے کے اعزاز کے لیے تیار کر رہے تھے۔ کسی زاہد کی تعریف ہی گولن کے نزدیک یہ ہے کہ ساری دُنیا کا مالک بن کر دل میں عجب پیدا نہ ہو اور نہ ہی سب کچھ کھونے پر حسرت ہو۔ رسول اللہ ﷺ اس زُہد کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ اگر آپ کو ساری دُنیا کے خزانے مل جاتے تو آپ کو جو کے دانے کے برابر خوشی نہ ہوتی۔ نہ ہی اس سب کچھ کھونے پر ایک جو کے دانے جتنی حسرت ہوتی۔ اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ آپ نے کسبِ معاش چھوڑ دیا تھا۔

حضرت علیؓ کو سلاسل تصوف کا منبع قرار دیتے ہوئے محمد فتح اللہ گولن کہتے کہ آپ رضی اللہ کے خصوصی مقام، حضور ﷺ کے ساتھ آپ کی قرابت داری، اہلِ بیت کے اسرار سے واقفیت، آپؓ کی پشت سے رسول اللہ کی نسل سلوک کے سلسلے جاری ہوئے اور تمام اولیائے کرام کا سرتاج اور ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہونے میں آپؓ کا کوئی ثانی نہیں ہے۔(۴۱)

گولن صاحب نے عظیم صوفی عبدالعزیز دباغ سے آیت مبارکہ (ولقد همت به همّ بها) کا ایک تفسیری قول بھی نقل کیا لکھتے ہیں:

''زلیخا نے اپنے مقصد کو پانے کا ارادہ کیا اور حضرت یوسف علیہ السّلام نے اسے روکنے کا ارادہ کیا جس پر اگر انھیں زلیخا کو مارنا، یا اس پر ہاتھ اُٹھانا پڑتا تو شاید وہ اِس سے بھی دریغ نہ کرتے۔''(۴۲)

مشرق و مغرب صوفیاء کرام کی تعلیمات سے فیض یاب ہے:

''محی الدین ابن عربی نے مغرب کو اِس قدر مسحور کیا کہ ہزاروں کی تعداد میں جرمن افراد کو ان تعلیمات کی برکت سے ایمان کی روشنی نصیب ہوتی، جنھیں ابنِ عربی اور ان جیسی دیگر شخصیات نے پھیلایا۔''(۴۳)

گولن صاحب کے نزدیک صوفیاء اپنے مجاہدہ کی بدولت حسب ذیل انعامات سے نوازے گئے:

۱۔ ان ہستیوں کے قلوب بقول صوفی شاعر یونس امرہ صرف اللہ کی طرف متوجہ رہتے ہیں۔(۴۴)

۲۔ یہ حضرات گناہوں سے محفوظ رہتے ہیں۔ نظری پہلو سے تو امام ربانی جیسے بزرگوں سے بھی معصیت کا صدور عکس ہے لیکن کوئی یہ ثابت نہیں کرسکا کہ انھوں نے عملی زندگی میں کوئی گناہ کیا ہو۔(۴۵)

۳۔ کرامت کے طور پر عالمِ غیب کا مشاہدہ کرتے ہیں اور انھیں دیدار حضور کا دیدار نصیب ہوتا ہے۔ حضرت محی الدین ابنِ عربی، مولانا جلال الدین رومی، امام ربزانی، مشتاق آفندی رحم اللہ نے غیب کی خبریں دیں۔(۴۶)

۴۔ یہ مستجاب الدعوۃ ہوتے ہیں لہٰذا حضور کے ایک ارشاد کے مطابق حضرت عمرؓ، حضرت اویس قرنی رحمتہ اللہ علیہ کو اپنے لیے دُعا کرنے کو کہا کرتے تھے۔(۴۷)

یہی وجہ ہے کہ گولن اپنے قاری کو قندیل حیات کی روشنی کے لیے ''حلیۃ الاولیاء'' کے مطالعہ کا مشورہ دیتے ہیں۔(۴۸) محمد فتح اللہ گولن ترک ہیں لہٰذا ان کے دیس کی مٹی کی خوشبو بھی قاری کو اپنی جانب متوجہ کرتی ہے لیکن یہاں بھی حوالہ سنت اور سیرتِ رسول ﷺ ہی ہے۔ کہتے ہیں مصر میں ترک قوم کے بارے میں ایک معقولہ مشہور ہے کہ بعض لمحات ایسے آتے ہیں جب کسی دوسری قوم کی قوتِ مدافعت جواب دے جاتی ہے اِس وقت یہ قوم جنگ کا آغاز کرتی ہے۔ گولن کہتے ہیں دراصل یہ مقولہ سچے مسلمانوں کے حق میں ہونا چاہیے تاکہ اِس مقولے کی صداقت ہمیشہ قائم رہے۔(۴۹)

گولن سلطنتِ عثمانیہ کے زوال کی وجوہ کا خوب ادراک رکھتے ہیں۔ اپنے ماضی کو یاد کرکے کہتے ہیں:

''سلطان سلیمان قانونی نے اپنی حکمرانی کے چھیالیس برس گھوڑے کی پشت پر ایک محاذ سے دوسرے محاذ کی طرف منتقل ہوتے ہوئے گزار رہے۔ اللہ تعالیٰ کی مدد کے بعد ان کے دورِ حکومت میں مملکت کی حفاظت کا راز یہی تھا۔''(۵۰)

آپ مزید کہتے ہیں:

''یہ خیال غلط ہے کہ عثمانی فاتحین صرف اپنی عسکری قوت پر بھروسہ کرتے تھے کیونکہ اگر ہم

اس زمانے کے وسائل نقل وحمل کو پیش نظر رکھیں تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس قدر وسیع عریض سلطنت کا نظم ونسق صرف قوت کے بل بوتے پر چلانا قطعاً ممکن نہ تھا۔''(۵۱)

گولن فتح قسطنطنیہ کے حوالے سے صحابیٔ رسول ﷺ، حضرت ابوایوب انصاری کا تذکرہ بڑے احساسِ تفاخر کے ساتھ کرتے ہیں:

''ابوایوب انصاری اس شہر کی فتح کی سب سے پہلے خوشخبری سنانے والے تھے۔ انھوں نے جہاد کی خاطر مدینہ چھوڑا، سفر کی صعوبتیں برداشت کیں اور اس دُور دراز شہر تک پہنچے اور اس کی فصیل کے قریب مدفون ہونے کی وصیت کی۔''(۵۲)

سلطان مراد اوّل کی بسرعت قبولیتِ دُعا کے تذکرے میں لکھتے ہیں:

''سلطان مراد اوّل نے معرکہ کوسووسے کچھ دیر پہلے دُعا کہ اے اللہ اُمتِ محمدیہ ﷺ کو فتح کی عزت عطا فرما اور مجھے شہادت نصیب کر۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی دُعا کو قبول فرمایا چنانچہ مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی اور معرکے کے اختتام پر سلطان مقتولین کے درمیان چل رہے تھے کہ میلوش نامی ایک سرب کے خنجر سے شہید ہو گئے۔''(۵۳)

زخمیوں سے چھلنی ہونے کے باوجود استنبول کی فصیل پر چڑھ کر عثمانی پرچم لہرانے والے بہادر ترک اولوباطلہ حسن کے حوالے سے گولن نے لکھا کہ پرچم لہراتے ہوئے اولوباطلہ سے کسی نے ان کی مسکراہٹ کا سبب پوچھا تو انھوں نے جواب دیا۔ رسول اللہ ﷺ یہاں ٹہل رہے تھے۔ میں نے آپ ﷺ کا حسین چہرہ دیکھا ہے۔(۵۴)

افکار گولن اُمتِ محمدیہ ﷺ کے مستقبل کے بارے میں

''نور سرمدی فخرِ موجودات'' میں فاضل مصنّف نے اُمتِ محمدیہ ﷺ کو اِس کے پوشیدہ اور اعلانیہ دُشمنوں کی سازشوں سے بھی آگاہ کیا ہے۔ وہ باطل نظریات اور کاذب شخصیات کا پول بڑی مہارت سے کھولتے ہیں اور بڑی دلسوزی کے ساتھ مسلمانانِ عالم کو دامانِ مصطفیٰ سے دوبارہ وابستہ ہونے کا مشورہ دیتے ہیں۔ کہتے ہیں:

۱۔ ہمارے دُشمن ہمارے درمیان مٹھی بھر شر پسندوں اور اوباش قسم کے لوگوں کے جذبات بھڑکا کر انھیں شاہراہوں پر مظاہرے کرنے پر اُکساتے ہیں، پھر ہمیں کچلنے کے لیے مسلح فوج لے کر چڑھ دوڑتے ہیں۔(۵۵)

۲۔ ترکی کے عوام کو آگاہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ترکی میں تین سو سے زائد ایسے غیر ملکی سکول ہیں جو غیر ملکی اداروں کے لیے جاسوسی اور ثقافتی استعمار کی خدمت انجام دیتے ہیں۔ ان کا یہاں ترکی میں کیا کام۔(۵۶)

۳۔ رُوحانی زندگی کے نام پر حضرت موسیٰؑ، عیسیٰؑ اور حضرت محمد ﷺ کے متبادل کے طور پر پاسکل اور برگساں کو پیش کرنے والوں نے رُوح حاضر کرنے اور تناسخ ارواح کے مفاہیم کے ذریعے دین کا

حلیہ بگاڑا۔[۵۷]

گولن کہتے ہیں کہ دُنیا میں روشنی اور نور پہنچانے والی محمدی فوج جو تقریباً دو نسلوں سے اپنے منصب سے معزول ہو چکی تھی۔ اپنے چھوڑے ہوئے عبادت خانوں کی طرف پورے اعتماد اور فخر سے آگے بڑھ رہی ہے۔ آج بلغاریہ، رُوس اور بھارت کے مظالم جو مسلمانانِ عالم پر توڑے جا رہے۔ دُنیا میں ایسے لوگ موجود جو انھیں بُرا اور قابلِ مذمت سمجھتے ہیں لیکن طاقت کے نشے میں چور قریش مکہ کو مٹھی بھر محبانِ اسلام پر ظلم کرنے سے کوئی بھی نہیں روکتا تھا۔[۵۸]

گولن کہتے ہیں: اسکندرِ اعظم، ہنبل (Hannibal) نپولین، ہٹلر، محمد فاتح، سلطان سلیم اوّل، سلطان بایزید، جلال الدین حرزم شاہ، صلاح الدین ایوبی، طارق بن زیاد اور چالیس سال تک رُوس کے خلاف برسرِ پیکار رہنے والے امام شامل عظیم قائد تھے، لیکن کامیاب قیادت کی تمام صفات بدرجہ اتم صرف رسول اللہ ﷺ میں پائی جاتی ہیں۔[۵۹]

اپنی رجائیت پسندی کا ثبوت دیتے ہوئے گولن پیش گوئی کرتے ہیں کہ:

''انشاء اللہ عنقریب ماسکو کے قلب میں اذانِ محمدی بلند ہوگی۔ دعوتِ محمدی کے پروانے زمین کا کوئی گوشہ دعوتِ محمدی سے خالی نہ چھوڑیں گے۔''[۶۰]

انسانیت کو مساوات آپ ﷺ سے ملی اگر دوبارہ انسانیت اس مقام تک پہنچی تو آپ ﷺ کی برکت سے ہوگی۔ یہ انتظار علم قانون کی فطرت سے پھوٹنے والی حقیقت ہے۔

حوالہ جات

1- Dogu Ergil, Fathullah Gulen-The Gulen movement in 100 questions, Newyork, Blue Dome Press, 2012, Page not mentioned.

2- Compo, Juan Eduardo, Encyclopedia of Islam, Newyork, Infobase publishing, 2009, P.269

3- Dogu Ergil, Fathullah Gulen-The Gulen movement in 100 questions, Page not mentioned.

4- Compo, Juan Eduardo, Encyclopedia of Islam, Newyork, P.269

۵۔ گولن، فتح اللہ، محمد ﷺ نورِ سرمدی فخرِ انسانیت، اسلام آباد: ہارمنی پبلی کیشنز، ۲۰۱۱ء، ۲۵/۱

۶۔ ایضاً، ۱۱۸/۲

۷۔ نعیم صدیقی، محسنِ انسانیت، لاہور: الفیصل ناشران وتاجران کتب، ۱۹۶۲ء

۸۔ ایضاً

۹۔ طاہر القادری، ڈاکٹر، مطالعہ سیرت کے بنیادی اُصول، لاہور: منہاج القرآن پبلی کیشنز، ۲۰۰۶ء

۱۰۔ صلاح الدین، ثانی، پروفیسر، ڈاکٹر، اصولِ سیرت نگاری، تعارف مآخذ ومصادر، کراچی: مکتبہ یادگارِ شیخ الاسلام پاکستان، علامہ شبیر احمد عثمانی، ۲۰۰۳ء، ص۲/ ۸۷

۱۱۔ الفتح ۱۱
۱۲۔ گولن، فتح اللہ، محمد ﷺ نورِ سرمدی فخرِ انسانیت، ص۲/۲۲۸
۱۳۔ ایضاً، ص۲/۲۶۳
۱۴۔ ایضاً، ص۲/۳۳۷
۱۵۔ ایضاً، ص۲/۱۵۴
۱۶۔ ایضاً، ص۱/۳۶۷
۱۷۔ انجیل یوحنا ۱۶:۸
۱۸۔ گولن، فتح اللہ، محمد ﷺ نورِ سرمدی فخرِ انسانیت، ۲/۳۲
۱۹۔ ایضاً، ص۲/۳۶۳
۲۰۔ ایضاً، ص۲/۱۱۳
۲۱۔ ایضاً، ۲/۱۱۴
۲۲۔ ایضاً، ص۲/۱۹۸
۲۳۔ ایضاً، ۲/۲۴۹
۲۴۔ انور محمود، خالد، ڈاکٹر، اُردو نثر میں سیرتِ رسول ﷺ، ص۷۰۹۔۷۱۰
۲۵۔ گولن، فتح اللہ، محمد ﷺ نورِ سرمدی فخرِ انسانیت، ص۲/۴۰۰
۲۶۔ ایضاً، ص۲/۴۰۸
۲۷۔ ایضاً، ص۱/۱۳۵
۲۸۔ ایضاً، ص۲/۷۸
۲۹۔ ایضاً، ص۱/۶۳
۳۰۔ ایضاً، ص۲/۱۱۰
۳۱۔ ایضاً، ص۲/۵۸
۳۲۔ ایضاً، ص۲/۶۹
۳۳۔ ایضاً، ص۲/۱۶۱
۳۴۔ گولن، فتح اللہ محمد ﷺ نورِ سرمدی فخرِ انسانیت، ص۲/۴۱۵
۳۵۔ ایضاً، ص۲/۳۷۱
۳۶۔ محمد کرم شاہ الازہری، پیر، جسٹس، مقالات، لاہور، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، ۱۹۹۰ء، ۱/۳۹۳
۳۷۔ ایضاً، ص۱/۳۹۴
۳۸۔ گولن، فتح اللہ محمد ﷺ نورِ سرمدی فخرِ انسانیت، ص۲/۳۰۶
۳۹۔ ایضاً، ص۲/۴۲۰
۴۰۔ ایضاً، ص۱/۲۶۸
۴۱۔ ایضاً، ص۲/۶۶
۴۲۔ ایضاً، ص۲/۲۲۸
۴۳۔ ایضاً، ص۲/۴۵۷
۴۴۔ ایضاً، ص۲/۷۹
۴۵۔ ایضاً، ص۲/۱۸۲
۴۶۔ ایضاً، ص۱/۱۹۲
۴۷۔ ایضاً، ص۲/۲۴۷
۴۸۔ ایضاً، ص۲/۱۸۷
۴۹۔ ایضاً، ص۲/۴۹۴
۵۰۔ ایضاً، ص۲/۸۰
۵۱۔ ایضاً، ص۱/۱۷۹
۵۲۔ ایضاً، ص۲/۱۴۴
۵۳۔ ایضاً، ص۲/۱۰۳
۵۴۔ ایضاً، ص۲/۱۴۴
۵۵۔ ایضاً، ص۲/۵۵
۵۶۔ ایضاً، ص۲/۳۱
۵۷۔ ایضاً، ص۲/۳۰۵
۵۸۔ ایضاً
۵۹۔ ایضاً، ص۲/۱۴۷
۶۰۔ ایضاً، ص۱/۲۳۲

سیرت رسول اکرم ﷺ کا مکی عہد

(مستشرقین کی آراء کا تحقیقی جائزہ)

مدثر حسین☆ / یاسر عرفات☆☆

Abstract:

"One of the favorite areas of Orientalists' is Seerah of the Holy Prophet Muhammad (SAW). They have contributed a lot in the field of Seerah, but most of the work done by them may not be consider an objective study of the subject. In this article critical analysis of the Orientalists' viewpoint regarding Meccon period is being presented."

نبی کریم ﷺ نے جب دعوت اسلام کا آغاز کیا تو مشرکین مکہ کا ردِ عمل انتہائی غیر ذمہ دارانہ تھا، انہوں نے آپ کو ساحر، مجنون کہنا شروع کر دیا اور آپ ﷺ کی ذات بابرکات اور پیروکاران اسلام کو تنگ کرنے اور تشدد کا نشانہ بنانے کو معمول بنالیا۔ داعی حق کے لیے یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی، راہ حق میں ایسی مشکلات آتی رہتی ہیں، تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ، اہل حق کو دبانے کے لیے شرکی قوتیں پورا زور لگاتی ہیں لیکن فتح ہمیشہ حق کی ہوتی ہے۔

نبی مہربان ﷺ کو بھی طاغوتی قوتوں سے ٹکر لینا پڑی، جس میں کامرانی نے آپ ﷺ کے قدم چومے، لیکن مستشرقین نے اس دعوتی عمل کے ابتدائی مراحل کو جاں گسل تصور کرتے ہوئے، یہ رائے قائم کی کہ آپ ﷺ کی دعوت کا جواب انتہائی مایوس کن تھا جو کہ آپ ﷺ کی توقعات کے برعکس تھا۔ جس کی وجہ سے آپ ﷺ کے مزاج میں سختی آئی اور آپ کا رویہ معاندانہ ہو گیا، مستشرقین کے انہی الزامات کا تفصیلی جائزہ لیتے ہیں۔

☆ گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج ٹاؤن شپ، لاہور

☆☆ لیکچرار شعبہ علوم اسلامیہ، جی سی یونیورسٹی فیصل آباد

(i) خلاف توقع ردعمل پر مایوسی، مزاج میں شدت، منتقم مزاجی

مستشرقین کا خیال یہ ہے کہ نبی مہربان ﷺ کی دعوت پر جب مستشرقین مکہ نے مناسب ردعمل نہ دیا، تو اس سے آپ ﷺ کو مایوسی ہوئی۔

چنانچہ عصر حاضر کا مستشرق Richard Henry Drummond لکھتا ہے:

"Acrimonious obduracy" on the part of the Meccans at times caused deep anguish and even physical wasting in Muhammad's Personality."(1)

(اہل مکہ کی ہٹ دھرمی نے اور تلخ کلامی نے آپ ﷺ کو صرف ذہنی کوفت میں ہی مبتلا نہیں کیا، بلکہ جسمانی نقصان بھی پہنچایا۔)

عصر حاضر کا ایک اور جدید مستشرق Uri Rubin لکھتا ہے:

"Muhammad's religious campaign is focused on the eschotological sphere and conveys the strong feeling that the last Judgement is vey near."(2)

(اسی خلاف توقع ردعمل کی وجہ سے محمد ﷺ نے اپنی دعوت کا محور و مرکز، عقیدہ جرم وسزا بنالیا اور یہ تاثر پیدا کیا کہ فیصلے کا دن بہت قریب ہے۔)

Uri Rubin مزید لکھتا ہے:

(خلاف توقع ردِعمل کے بعد آپ ﷺ نے قریش کو دھمکی دی کہ اگر وہ ایمان نہ لائے، تو اللہ انہیں بھوک سے مارے گا۔''

اس حوالے سے سورۃ قریش کا حوالہ دیتے ہوئے کہتا ہے:

"This statement contains a hidden threat to Quraish: if they do not worship Allah, they are liable to suffer hunger and killing."(3)

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں "Muhammad" کا مقالہ نگار F. Bhul لکھتا ہے:

"When his opponents mocked him because the Divine Judgement threatened by Him did not come, He began to describe in an increasing degree how the contemporaries of earlier prophets had met them with incredulity and had therefore brought on their heads dreadful punishment."(4)

(جب حضور ﷺ کے مخالفین نے آپ کا مذاق اڑایا اور آپ کی تعلیمات کے مطابق مقدس فیصلہ نہ آیا، تو آپ نے گزرے ہوئے انبیاء کے واقعات بتا کر لوگوں کو خوفناک سزا سے ڈرانا شروع کردیا۔)

مندرجہ بالا اقتباسات سے مستشرقین کا یہ مؤقف سامنے آتا ہے کہ نبی مہربان ﷺ کو جب توقعات کے مطابق پیغام رسالت کا جواب نہ ملا تو آپ کو مایوسی ہوئی، جس کے نتیجے میں آپ کے مزاج میں شدت پیدا ہوئی اور جذبہ انتقام کی وجہ سے آپ ﷺ نے لوگوں کو خدائی عذاب سے ڈرایا کیونکہ اس وقت آپ کے پاس اتنی طاقت نہیں تھی کہ خود ان سے ٹکر لیتے۔

مستشرقین کا یہ دعویٰ دلائل سے خالی اور حقائق کے برعکس ہے اور مستشرقین کے اسی رویہ کا عکاس ہے، جس کا مظاہرہ وہ بالعموم کرتے ہیں کہ الزام تراشی کی جائے لیکن اثبات دعویٰ کے لیے دلائل مہیا نہ کیے جائیں۔ حقیقت یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی بعثت کا مقصد ظلمت کی اتھاہ گہرائیوں میں گھری ہوئی انسانیت کو مقام انسانیت سے روشناس کر کے معرفت خداوندی کے قریب کرنا تھا، یہ کام آپ ﷺ نے انتہائی ثابت قدمی، عزم مصمّم، قوت ارادی اور تمام نامساعد حالات کے باوجود جاری رکھا اور راستے میں آنے والی تمام مشکلات کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا اور ایک منٹ کے لیے بھی آپؐ کے پایۂ استقلال میں لغزش نہیں آئی۔ عقبہ بن ابی معیط نے گردن مبارک پر اپنی چادر رسی کی طرح ڈال کر اس زور سے کھینچی کہ آپ ﷺ گھٹنوں کے بل گرے۔ (۵)

آپ ﷺ نے ان تمام سختیوں کو حوصلہ مندی سے برداشت کیا اور اپنا فرض ادا کئے جاتے تھے اگر آپؐ مایوس ہوتے تو اس قسم کے واقعات بعد تبلیغ دین سے ہٹ جاتے، لیکن ایسا نہیں ہوا۔ آپ ﷺ پند ونصائح میں مصروف رہے جیسا کہ قرآن میں بیان ہے:

"فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنتَ مُذَكِّرٌ"(۶)

اسی طرح مستشرقین کا یہ کہنا کہ مزاج میں شدت اور انتقامی جذبہ ابھر آیا، اس کی نفی سفر طائف میں پیش آنے والے واقعہ سے ہوتی ہے کہ جب نبی مہربان ﷺ سرداران طائف کی بدسلوکی کے بعد واپس مکہ کے لیے روانہ ہوئے، تو حضورؐ فرماتے ہیں کہ میں اپنے افکار واندیشوں میں کھویا ہوا چلتا رہا، جب میں قرن الثعالب کے مقام پر پہنچا، تو مجھے پتہ چلا کہ میں یہاں پہنچ گیا ہوں۔ میں نے اچانک سر اٹھایا تو میں نے دیکھا کہ ایک بادل کا ٹکڑا مجھ پر سایہ کیے ہوا ہے۔ پھر میں نے غور سے دیکھا تو حضرت جبرائیلؑ مجھے وہاں دکھائی دیئے، انہوں نے بلند آواز سے مجھے پکارا اور کہا اللہ تعالیٰ نے گفتگو سن لی ہے، جو آپؐ کی قوم نے آپؐ سے کی ہے اور جو روکھا اور درشت جواب انہوں نے آپؐ کو دیا ہے، اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کے فرشتہ کو آپؐ کی خدمت میں بھیجا ہے، آپؐ جو حکم اسے دیں گے وہ بجا لائے گا۔ پہاڑوں کے فرشتہ نے آگے بڑھ کر سلام عرض کیا پھر گذارش کی، مجھے اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی خدمت میں بھیجا ہے۔ آپؐ جو حکم دیں گے، میں اس کی تعمیل کروں گا۔ اگر آپؐ فرمائیں تو دونوں پہاڑوں کو آپس میں ملا دوں اور یہ سارے تلنگے اور اوباش پس کر رہ جائیں۔

رحمت للعالمین نے فرمایا:

"ارجوان یخرج اللہ من اصلابھم من یعبد اللہ لا یشرک بہ شیئاً"(۷)

(میں امید کرتا ہوں کہ ان کی اولاد سے ایسے لوگ ہوں گے جو اللہ کی عبادت کریں گے۔)

حضور ﷺ کی اس رحمت وشفقت کو دیکھ کر پہاڑوں کا فرشتہ یہ کہہ اٹھا:

"انت کما سماک ربک رؤف الرحیم"(۸)

اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اختیار ہونے اور اللہ رب العزت کے فرشتہ کی پیش کش ہونے کے باوجود کسی قسم کا انتقام نہیں لیا، بلکہ یہ امید کی کہ اللہ تعالیٰ ان کی اولادوں کو صاحب ایمان کردے گا۔ اس لیے مستشرقین کا یہ الزام بے معنی ہے کہ آپ منتقم مزاج ہو گئے تھے، اگر ایسا ہوتا تو آپ ﷺ اہل طائف سے انتقام لیتے لیکن تاریخ شاہد ہے کہ آپ ﷺ نے رحمت للعالمین ہونے کا ثبوت دیا اور اللہ سے دعا کی کہ انہیں راہ ہدایت نصیب ہو۔

(ii) آپ ﷺ کے استخفاف پر آپ ﷺ کا ردِعمل

نبی مہربان ﷺ نے دعوت حق کو پھیلانے کے لیے ہر مرحلے پر یقین محکم اور پختہ ارادے سے کام لیا اور کبھی بھی کسی بھی قسم کی کوئی قنوطیت اور یاسیت، آپ کے کام میں رکاوٹ نہ بن سکی اور آپ ﷺ یکسوئی کے ساتھ تبلیغی مشن میں سرگرم رہے۔ لیکن مستشرقین نے یہ رائے قائم کی کہ مقاصد میں مطلوبہ کامیابی نہ ملنے کی وجہ سے اور اہلیانِ مکہ کے سخت رویے کے باعث آپ کی ذات گرامی، دل شکستگی، ناامیدی کا شکار ہوئی اور آپ ﷺ کا اپنے جھٹلانے اور نظر انداز کرنے پر ردِعمل انتہائی مایوس کن تھا۔

E. Roystan Pike لکھتا ہے:

> "He had been poor, He was ignorant, He felt himself unworthy, yet it just a silly delusion on his part, that Allah had chosen him to be a prophet?"(9)

(اپنے آپ کو نظر انداز کئے جانے پر حضور ﷺ نے محسوس کیا کہ شاید اللہ کو مغالطہ (نعوذ باللہ) لگا ہے کہ اس نے ایک غریب، نظرانداز اور غیر مستحق فرد کو نبی بنادیا ہے۔)

یہی مستشرق مزید لکھتا ہے کہ نبی مہربان ﷺ اس بات پر ناامید تھے کہ تمام کوششوں کے باوجود کم لوگ ایمان لائے ہیں، مخالفین کے بغض اور عناد میں اضافہ ہو رہا ہے اور وہ اس صورت حال کو اپنی توہین اور ناکامی تعبیر کرتے تھے۔

> "Muhammad was in Kaaba, sitting alone, sunk in despondency, things seem to be so hopeless, for years He had preached and prayed and protested, and what had to show for all his efforts? Still the number of converts was only about fifty. The scorn and malice of his opponents were as bitter as ever; and what had He to look forward to but a long period of continued

opposition, scoffing and insult, and perhaps in the end a complete failure?"(10)

P De Lacy John Stone رقمطراز ہے:

"Muhammad oppressed by a sense of failure in his mission."(11)

(جب آپ کو جھٹلایا گیا تو آپ کو مشن میں ناکامی کا احساس ہوا۔)

مستشرقین کا مندرجہ بالا موقف بھی اسی روایتی طرزِ عمل کا عکاس ہے، جو انہوں نے نبی مہربان ﷺ کے حوالے سے اختیار کیا ہوا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضور ﷺ نے دعوت حق کے راستے میں آنے والی ہر مشکل کا بڑی پامردی سے مقابلہ کیا۔ آپ ﷺ کی زندگی میں کئی جاں گسل اور کٹھن مراحل آئے، لیکن آپ ﷺ کسی قسم کی مایوسی، ناامیدی اور خوف و رجاء کا شکار نہیں ہوئے، ہر تحقیر، استہزاء اور اذیت کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور ایک لمحے کے لیے بھی پایۂ استقلال میں لغزش نہیں آئی اور آپ ﷺ اللہ کے حکم کے مطابق استقامت سے راہِ حق پر چلتے رہے۔

قرآن میں ارشاد ہے:

"أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ فَاسْتَقِيمُوا إِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوهُ "(۱۲)

(تم سب کا معبود، اللہ ہی ہے، اُسی کی طرف متوجہ ہوں اور استغفار چاہو۔)

آپ ﷺ کی حوصلہ شکن حالات میں ثابت قدمی اسی آیت کی عملی تفسیر تھی۔

اس لیے مستشرقین کا یہ موقف باطل ٹھہرتا ہے کہ آپ کا اپنے استخفاف پر ردِعمل انتہائی مایوس کن اور ناامیدی پر مبنی تھا۔ اصل میں مستشرقین حضور ﷺ کی سیرت کا جائزہ لیتے ہوئے حسد اور بغض کی عینک نہیں اتارتے، کیونکہ وہ حق کا رخِ زیبا دیکھنا ہی نہیں چاہتے۔ اس لیے وہ اپنے سینوں میں اسلام اور پیغمبرِ اسلام کے خلاف موجود کدورت اور کینے کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کے لیے اس قسم کی باتیں لکھتے ہیں۔

قرآن میں ہے:

"قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ "(۱۳)

(معاندینِ اسلام کا ظاہر اور سینوں میں چھپا ہوا بغض ظاہر ہو چکا ہے۔)

مستشرقین کی مندرجہ بالا رائے بھی اس بغض کا عملی ثبوت ہے جس کا اشارہ قرآن مجید کی مذکورہ بالا آیت میں موجود ہے۔ نبی مہربان ﷺ کی ذات بابرکات قول و فعل کے لحاظ سے احسن ترین نمونہ تھی، اس میں اس قسم کا کوئی جھول نہیں تھا جس قسم کی الزام تراشی مستشرقین کرتے ہیں۔

(iii) کفار کی پرتشدد پالیسی کا ردِعمل

نبی آخر زماں ﷺ نے جب اعلانیہ تبلیغ دین کا آغاز کیا، تو کفار مکہ نے اس دعوت دین کے حق میں روڑے اٹکانے شروع کر دیے، جیسے جیسے آپ نے اشاعت دین برحق کے لیے تیزی سے کام کیا،

کفار مکہ کی مخالفت میں بھی اسی تیزی سے اضافہ ہوا اور نوبت یہاں تک آ پہنچی کہ کفار مکہ نے نبی مہربان ﷺ کی ذات گرامی اور آپ کے پیروکاروں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑ ڈالے، پر تشدد کارروائیوں کا آغاز کیا۔ نبی مہربان ﷺ نے ان کٹھن حالات کا بڑے عزم اور حوصلے سے مقابلہ کیا، تمام تر مخالفانہ کارروائیوں کے باوجود حق کا پرچم تھامے رکھا اور عزم مصمّم سے لوگوں کو راہ راست پر لاتے رہے اور کفار کی پر تشدد پالیسی کے سامنے سینہ سپر رہے۔ لیکن مستشرقین نے اس حوالے سے بھی نبی مہربان ﷺ کی ذات کو تنقید کا نشانہ بنایا۔ جارج سیل نے لکھا:

"But this great passiveness and moderation seems entirely owing to his want of power, and the great superiority of His opponent for the first twelve years of his mission...and at length His force increased, He pretended to have the divine leave even to attack them, and to destroy idolatry, and set up the true faith by the sword."[(14)]

(نبی مہربان ﷺ کا غیر مزاحمانہ اور معتدل مزاج رویہ اس وجہ سے تھا کہ آپ ﷺ کمزور تھے اور مخالف طاقتور اور جیسے ہی آپ کی طاقت میں اضافہ ہوا، تو آپ ؐ نے یہ بہانہ کیا کہ تلوار کے زور پر دین قائم کرنے کی اجازت مل گئی ہے۔)

Richard Bell (1876ء۔1952ء) لکھتا ہے:

"His friendly attitude changed to hostility. Those who had disbelieved deserved."[(15)]

Richard A. Gabriel لکھتا ہے:

"Muhammad never forget the persecution inflicted on His followers, and when the time came He took His revenge in blood."[(16)]

(محمد ﷺ اپنے پیروکاروں کے ساتھ ہونے والے ظلم کو کبھی بھی نہیں بھولے اور جیسے ہی وقت آیا، آپ نے انتقام لیا۔)

R.H. Drummond لکھتا ہے:

"He apparently became chilled in this condition."[(17)]

(پر تشدد حالات کی وجہ سے آپ کی طبیعت میں روکھا پن آ گیا تھا۔)

مستشرقین کی اکثریت اسی بات کی قائل ہے کہ نبی کریم ﷺ، کفار کی پر تشدد پالیسی کی وجہ سے ناامیدی، مایوسی اور روکھے پن کا شکار ہوئے، جس کی وجہ سے آپ کے مزاج میں درشتی اور دل میں جذبہ انتقام نے جنم لیا۔ یہ رائے محض قیاس اور تصورات پر مبنی ہے، نبی مہربان ﷺ اللہ کے پیغمبر تھے اور اللہ کا فرستادہ ایسے مزاج کا حامل نہیں ہوتا اور کسی بھی مرحلے پر اعلیٰ اخلاقی اقدار کا دامن نہیں چھوڑتا۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں:

''اس نے یہ کام ظلم اور جبر اور دغا اور فریب سے انجام نہیں دیا بلکہ دل موہ لینے والے اخلاق اور روحوں کو مسخر کر لینے والی شرافت اور دماغوں پر قبضہ کر لینے والی تعلیم سے انجام دیا۔ اس نے اپنے اخلاق سے دشمنوں کو دوست بنایا، رحم وشفقت سے دلوں کو موم کیا، حق وصداقت سے کبھی یک سرمو انحراف نہ کیا۔ جنگ میں کبھی کسی سے بدعہدی نہیں کی، اپنے بدترین دشمنوں پر بھی ظلم نہ کیا، جو اس کے خون کے پیاسے تھے، جنہوں نے اس کو پتھر مارے تھے، اس کے خلاف سارے عرب کو کھڑا کیا تھا۔ حتیٰ کہ جنہوں نے جوش عداوت میں اس کے چچا کا کلیجہ نکال کر چبا ڈالا تھا، ان کو بھی اس نے فتح پا کر بخش دیا، اپنی ذات کے لیے کبھی کسی سے بدلہ نہیں لیا۔''(۱۸)

پیر کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں:

''پیکر حلم ورحمت ﷺ کفار کی اذیت رسانیوں کو صبر اور حوصلے سے برداشت کرتے تھے، وہ نابکار حضور ﷺ کے حلم کو کمزوری پر محمول کرتے اور اپنی دل آزاریوں میں اضافہ کرتے جاتے، اس کے باوجود کبھی حضور ﷺ نے ان کے لیے بددعا نہ کی۔''(۱۹)

ڈاکٹر خالد علوی (۲۰۰۸ء۔۱۹۴۰ء) بیان کرتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ نے تن تنہا مستشرقین کے غیظ وغضب اور مخالفتوں کے طوفان کا مقابلہ کیا، نزول وحی سے لے کر آخری دم تک آپ نے ذرہ بھر بھی تزلزل نہ آنے دیا، آپ کے قوی اور مضبوط ارادے نے خوفناک سے خوفناک صورت حال پر بھی قابو پا لیا، آپ نے اعراض، تکذیب مصائب اور خطرات کو صبر سے برداشت کیا۔''(۲۰)

ڈاکٹر سید عبدالقادر جیلانی لکھتے ہیں:

''اب اگر کوئی بات رہ جاتی ہے تو صرف یہ کہ ذہنی انتشار، مایوسی، ناامیدی یا اعصابی دباؤ تھا اور شدائد کے مقابلے کی سکت نہ رہ گئی تھی، لیکن مسلمانوں کے اس دور کے کارنامے اس مفروضے کی تردید کرتے ہیں، ان میں سے ہر فرد استقامت کا پیکر تھا صرف وہ فرد ایمان ظاہر کرنے کی جرأت کرتا تھا، جو معاشرے کی ہر زیادتی کو برداشت کرنے کی ہمت رکھتا تھا۔ کردار نبوی عظیم ترین کردار ہے، جس میں ایک لمحے کے لیے ایسا کوئی مقام نظر نہیں آتا، جہاں پایۂ استقلال میں جنبش پیدا ہوئی ہو، عزم واستقامت ، صبر وبرداشت کی جو جو مثالیں آپ ﷺ کی زندگی میں پائی جاتی ہیں اس کا عشر عشیر بھی کسی اور انسان کی زندگی میں نہیں ملتا۔ مکی دور کے آخری سنین اس سے بھی زیادہ صبر آزما تھا، سفر طائف سنگین ترین تھا کہ اس وقت سوائے ذات باری کے کوئی سہارا نہ رہ گیا تھا، اگر ذہنی تکان کا اظہار ہو سکتا تھا تو اسی مقام پر ہو سکتا تھا۔''(۲۱)

نبی مہربان ﷺ کی زندگی میں کئی مراحل ایسے آئے، جہاں صورت حال اعصاب شکن تھی، کفار

کی پرتشدد پالیسی بھی انہیں میں سے ایک تھی۔لیکن حضورﷺ نے ان تمام حالات کا مقابلہ عزم واستقلال، دانش مندی اوراخلاقی طریق کار کے مطابق کیا۔اس لیے مستشرقین کا یہ موقف قطعی غلط ہے کہ کفار کے سخت اور معاندانہ ردِعمل کی وجہ سے آپؐ کی شخصیت میں ناامیدی اور مایوسی کا عنصر شامل ہوگیا تھا یا آپ کے مزاج میں شدت یا جذبہ انتقام پیدا ہوگیا تھا۔اللہ کے نبی نہ تو مایوس ہوتے ہیں اور نہ ہی انتقام لیتے ہیں، وہ تو سرتاپا خیر کے علمبردار ہوتے ہیں معاف کرنے والے اور درگزر کرنے والے ہوتے ہیں۔
اور سورۃ النور کی اس آیت کی عملی تفسیر ہوتے ہیں:

''وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ''(۲۲)

(معاف اور درگزر کریں، کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہیں معاف کرے؟)

(iv) ابتدا میں آپﷺ کو اپنی صداقت کا یقین نہیں تھا، یہ احساس تدریجاً پیدا ہوا

مستشرقین کا چونکہ مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ وہ اسلام اور پیغمبر اسلام پر کوئی نہ کوئی ایسا حملہ کرتے رہیں، جس سے اس دین کی بنیادیں کمزور ہوں۔

چنانچہ جہاں انہوں نے عام اسلامی عقائد کو ارتقائی عمل کا نتیجہ قرار دیا، وہاں انہوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ ابتدا میں حضورﷺ کو نہ تو یہ یقین تھا کہ آپﷺ اللہ کے سچے نبی ہیں اور نہ ہی یہ یقین تھا کہ آپ کے پاس جو کلام آتا ہے، وہ خدا کا کلام ہے۔نہ ہی آپ کو یہ پتہ تھا کہ کلام لانے والا کون ہے؟ یہ چیزیں آپ پر وقت کے ساتھ ساتھ آہستہ آہستہ منکشف ہوئیں، یعنی آپ کو یہ احساس تدریجاً پیدا ہوا کہ آپ اللہ کے نبی ہیں۔

چنانچہ ولیم میور نے لکھا:

"The conviction, however, of being inspired of God was not reached by Mahomet till after a protracted trial of mental throes."(23)

(آپ کو ایک طویل ذہنی کش مکش کے بعد یہ یقین آیا کہ آپ پر وحی آتی ہے۔)

منٹگمری واٹ نے لکھا:

"Muhammad turned when in moments of desolation He doubted His commission to be a Prophet."(24)

(آپﷺ اپنے منصب نبوت کے متعلق شکوک وشبہات کا شکار ہوتے تو ورقہ بن نوفل سے رجوع کرتے۔)

یہی مستشرق مزید لکھتا ہے:

"In the early days, soon after the first revelation, He is said to have been encouraged to believe in His vocation by His wife Khadija."(25)

(حضرت خدیجہؓ نے یقین دلایا کہ آپ واقعی اللہ کے نبی ہیں۔)

E Royston Pike لکھتا ہے:

"He did not really believe that He was God's chosen Prophet."(26)

(حضورﷺ کو یقین نہیں تھا کہ وہ اللہ کے منتخب کردہ پیغمبر ہیں۔)

R.H. Drummond لکھتا ہے:

"Muhammad was evidently not at all sure that His experience was not of the same as that of "poets."(27)

(محمدﷺ کو یقین نہیں ہو رہا تھا کہ ان کو ہونے والا تجربہ شعراء سے مختلف ہے۔)

اگر اس بات کو تسلیم کرلیا جائے کہ حضورﷺ کو آغاز میں اپنی نبی ہونے کا یقین نہیں تھا اور نہ ہی آپ کو یقین تھا کہ آپﷺ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آتی ہے، تو مستشرقین کا کام مکمّل ہو جاتا ہے، کیونکہ اس کے بعد اسلام کو الہامی دین ماننے اور حضورﷺ کو خدا کا سچا نبی ماننے کی کوئی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی، جب ایک نبی کو صداقت کا یقین اغیار کے بتانے سے آئے، تو اس کی صداقت کو دوسرے لوگ کیسے تسلیم کرلیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مستشرقین حضورﷺ کی طرف ایسی باتیں منسوب کرتے ہیں اور رنگ آمیزی کرتے ہیں کہ انسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے، کہ مخصوص مقاصد کے حصول کے لیے حقائق کو کس طرح مسخ کیا جاتا ہے؟

مستشرقین جب بھی حضورﷺ کے خلوص پر شک کرتے ہیں یا آپ کے بارے میں یہ رائے قائم کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ آپ کو آغاز میں اپنے مشن کی صداقت کا یقین نہیں تھا، اصل میں یہ کہتے ہوئے وہ، حضورﷺ کے لائے ہوئے اس انقلاب عظیم اور کارناموں سے نظریں چراتے ہیں، جنھوں نے چودہ سو سال سے ایک دنیا کو اپنی طرف متوجہ کر رکھا ہے، حالانکہ جس شخص نے یہ کارہائے نمایاں سر انجام دیئے ہیں، یقیناً وہ عزم، استقامت، صبر، یقین اور خلوص کی اس عظیم دولت سے بہرہ ور تھا، جس کا عام انسان کے لیے تصور کرنا بھی محال ہے۔

علامہ محمد بن علوی المالکی الحسنی حضورﷺ کے ایمان اور یقین کے متعلّق لکھتے ہیں:

"تعاضدت الاخبار والأثار عن نبینا صلی الله علیه وسلم بتنزیهٖ عن کل نقص منذ ولد نشاتهٖ علی التوحید والایمان بل علیٰ اشراق انوارا لمعارف و نفحات الطاف السعادة و من هنا کان توحیده و علمه بالله و صفاتهٖ والایمان بهٖ و بما اوحی الیه علی غایة المعرفة وضوح العلم والیقین والانتقاء عن الجهل بشئی من ذلک اوالشک او الریب فیه والعصمة من کل ما یضاد المعرفة بذالک والیقین"(۲۸)

(بے شمار احادیث اس بات کی تصدیق کرتی ہیں کہ دوران پرورش آپ پرانوار معرفت کی بارشیں ہوتی رہیں اور اللہ رب العزت کی ذات وصفات کی معرفت اور کلام الٰہی پر آپ کا ایمان، یقین کے انتہائی درجے پر تھا۔)

مولانا مودودی رقمطراز ہیں:

''کیا کوئی جھوٹا شخص کسی بے اصل بات کے پیچھے ایسی حقیقتیں برداشت کرسکتا ہے؟ کیا کوئی تیر تکے لڑانے والا شخص محض گمان اور قیاس سے کوئی بات کہہ کر اس پر اتنا جم سکتا ہے کہ مصیبتوں کے پہاڑ اس پر ٹوٹ جائیں، زمین اس پر تنگ کردی جائے۔ تمام ملک اس کے خلاف اٹھ کھڑا ہو، بڑی بڑی فوجیں اس پر امنڈ امنڈ کر آئیں مگر وہ اپنی بات سے یک سر مو ہٹنے پر آمادہ نہ ہو؟ یہ استقامت یہ عزم، یہ ثبات، خود گواہی دے رہا ہے کہ اس کو اپنی صداقت پر یقین تھا۔ اگر اس کے دل میں شک وشبہ کا ادنیٰ سا بھی شائبہ ہوتا تو وہ مسلسل ۲۱ سال تک مصائب کے ان پے در پے طوفانوں کے مقابلہ میں کبھی نہ ٹھہر سکتا۔''(۲۹)

ڈاکٹر سید عبدالقادر جیلانی لکھتے ہیں:

''اللہ کا نبی اس قسم کی ہر کمزوری سے منزہ تھا، اس کی ذات اور اس کا کردار اس قدر بلند، مقدس، پاک اور بے ریا تھے کہ اس سے محبّت، دیوانگی اور جنون کی حد تک بڑھ چکی تھی، عشق ومحبّت صرف حسن خوبی سے وابستہ ہوتے ہیں۔ یہی جذبہ ہے جو محبوب کو محبّ کی ذات سے ارفع واعلیٰ کر دیتا ہے، اسی جذبے کے تحت محبّ اپنی جان قربان کر دیتا ہے، ستم ظریفی یہ ہے کہ داعی اسلام ﷺ جن کا معاشرہ اپنے محبوب نبی ﷺ پر جان چھڑکتا ہے اور یسوعؑ جن کے لیے کسی کی نکسیر بھی نہیں پھوٹی، مغرب جب ان دونوں کا موازنہ کرتا ہے تو کسی قدر کو مشترک نہیں رکھتا، بلکہ دونوں کو میزان بدل کر تولا جاتا ہے اور پیشگی تعین کے مطابق نتائج حاصل کئے جاتے ہیں۔''(۳۰)

حق تو یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے سرور کائنات ﷺ کے ایمان کی بار بار گواہی دی ہے، تو پھر کسی کی ریشہ دوانیوں اور سازشوں سے ایمان رسول اور صداقت حق مشکوک نہیں ہوسکتی۔

اللہ رب العزت نے خود فرمایا ہے:

''آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مِن رَّبِّهِ''(۳۱)

(رسول ایمان لایا، جو رب کی طرف سے نازل ہوا۔)

(v) آپ کی طبیعت میں اخلاص واعتماد تدریجاً پیدا ہوا

مستشرقین نبی مہربان ﷺ کی ذات بابرکات پر یہ الزام بھی لگاتے کہ آغاز اسلام کے وقت آپ کی طبیعت میں اخلاص اور اعتماد کی کمی تھی اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ کمی پوری ہوئی۔

R.H. Drummond لکھتا ہے:

"Gradually as the revelation continued, the conviction grew and was strengthend that He had been chosen as the slave of Allah and the Prophet of His people."(32)

(جیسے جیسے وحی کا سلسلہ آگے بڑھا، آپ مطمئن ہونا شروع ہو گئے کہ آپ اللہ کے بھیجے ہوئے نبی ہیں۔)

G.M. Draycott لکھتا ہے:

"Muhammad entered upon a period of hesitation and dreariness doubtful of himself, of His vision, and of the divine favour."(33)

(حضرت محمد ﷺ تذبذب اور اداسی میں مبتلا ہو چکے تھے اور اپنی ذات، تصور اور مقدس مشن کے حوالے سے شک میں مبتلا تھے۔)

ٹارانڈ رائے لکھتا ہے:

"When circumstances required, Mohammad did not hesitate to assert that Allah had rescinded His former revelation and had substituted another."(34)

(اعتماد کی کمی کی وجہ سے حضور ﷺ حالات کے مطابق وحی کو بدل لیتے تھے اور کہتے تھے کہ اللہ کی طرف سے ہے۔)

مستشرقین کے لیے جب براہ راست الزام لگانے کی گنجائش نہ رہی، تو انہوں پرانی بات ایک نئے انداز سے کہنا شروع کر دی، عہد وسطیٰ میں جو کام بہروپ کے لفظ سے لیا جاتا تھا، عہد حاضر میں وہی کام عدم خلوص یا خلوص کے تدریجاً ارتقاء سے لیا گیا ہے۔

لیکن مقصد کلام وہی رہا کہ اسلام، پیغمبر اسلام اور دین کی ہر چیز کو مسخ کیا جائے۔ خلوص ایک ذہنی کیفیت کا نام ہے، جس کی تصدیق مدعی کے قول و فعل کا جائزہ لے کر کی جا سکتی ہے، پھر اس کے بعد کوئی حتمی رائے قائم کی جا سکتی ہے، لیکن افسوس اہل مغرب کے نزدیک ہر عظیم آدمی کو گوری رنگت مذہباً کیتھولک عیسائی، زبان لاطینی، فکر افلاطونی اور رہن سہن مغربی انداز کا دلدادہ ہونا چاہیے، اگر ایسا نہیں ہے تو اس کی عظمت اور خلوص نا قابل تسلیم رہتا ہے۔ مستشرقین کے اسی عدم خلوص اور خلوص کے تدریجاً ارتقاء کے حوالے سے سید مودودی لکھتے ہیں:

''جب تک کسی شخص کو اپنے حق پر ہونے کا کامل یقین نہ ہو اور جب تک کوئی شخص ذاتی اغراض کی کھوٹ سے بالکل پاک نہ ہو، وہ اپنے عزم میں اتنا مضبوط نہیں ہو سکتا۔''(۳۵)

Prof. Stanley Lane-Poole بھی آپ ﷺ کے اخلاص اور اعتماد کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"Muhammad had shown men what He was, the nobility of His character, His strong friendship, His endurance and courage above all, his earnestness and fiery enthusiasm for the truth He came to preach, ___ these things had revealed the hero, the master whom it was alike impossible to disobey and impossible not to love."(36)

(آپ نے لوگوں کو عظمت کردار کی بہترین مثال پیش کی۔)

ڈاکٹر سید عبدالقادر جیلانی لکھتے ہیں:

''خود پرستی کے پیش نظر'' عدم خلوص کا دعویٰ ایک کھوکھلا نعرہ ہے، حضورﷺ جس معاشرے سے تعلق رکھتے تھے، اس میں انہیں اور ان کے گھرانے کو باوقار مقام حاصل تھا۔ وحی کے نزول کے بعد، انہیں گوناگوں مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، اس وحی نے ان کی جان و مال، عزت و آبرو کو آزمائش میں ڈالا۔ انہیں معاشرے سے منقطع کر کے، محض چند افراد پر مشتمل مظلوم اقلیت بنا دیا گیا۔ ان حالات میں بظاہر وحی نے کوئی دنیاوی فائدہ نہیں پہنچایا۔ نہ مقتدر طبقوں کی نظر میں عزت میں کوئی اضافہ ہوا، نہ کوئی مالی یا معاشی سہولت پیدا ہوئی۔ اس کے باوجود اللہ کے رسولﷺ اپنے مسلک پر سختی سے قائم رہے۔ مکی زندگی کی صعوبتوں کو برداشت کرنے کی استقامت کون سا جذبہ عطا کر رہا تھا، کیا خلوص کے سوا کوئی دوسری قوت تھی، جو ان مصائب کو بطیّب خاطر جھیلنے کی طاقت عطا کر رہی تھی، تن تنہا پورے معاشرے سے وہی شخصیت ٹکرا سکتی ہے، جو اپنے مشن سے بے پناہ مخلص ہو۔''(۳۷)

نبی مہربانﷺ کی اپنے مشن سے وابستگی عدیم المثال تھی، آپ نے انتہائی الوالعزمی، جرأت اور استقامت کے ساتھ اس فریضہ کو نبھایا۔ اس لیے مستشرقین کا یہ کہنا کہ آپ کو اخلاص و اعتماد تدریجاً حاصل ہوا، تاریخی اور واقعاتی لحاظ سے غلط ہے اور اس الزام کی کوئی قانونی اور اخلاقی حیثیت نہیں ہے، یہ اسی تعصّب کا اظہار ہے جو مستشرقین حضورﷺ کی ذات گرامی کے حوالے سے رکھتے ہیں۔

نبی مہربانﷺ نے آغاز بعثت سے وصال تک ثابت قدم رہتے ہوئے تمام تکالیف برداشت کیں، آپ کی یہ ثابت قدمی، خلوص اور اعتماد قرآن حکیم کی اس آیت کے عین مطابق تھا۔

''وَإِن تَصۡبِرُواْ وَتَتَّقُواْ فَإِنَّ ذَٰلِكَ مِنۡ عَزۡمِ ٱلۡأُمُورِ''(۳۸)

(تم صبر اور خدا ترسی اختیار کرو تو یہ حوصلے کا کام ہے۔)

حوالہ جات

1. Drummond, Richard Henry, Islam for the Western Mind, Hampton Road, Company, Charlottesville, Canada, 2005, P:33-34
2. Rubin, Uri, The Cambridge Companion to Muhammad, "Muhammad's Message in Makkah", Cambridge University Press, New Yark, 2010, P:40
3. Ibid, P:41
4. The Encyclopaedia of Islam, "Muhammad" by F.bhull, Lieden (E.J. Brill), New Yark, 1993, P:364/7

۵۔ سلمان، منصور پوری، قاضی محمد سلیمان، رحمۃ للعالمین، ص ۱/۵٦

٦۔ الغاشیہ: ۲۱

۷۔ ابن کثیر، السیرۃ النبویہ ﷺ، ص: ۲/۱۵۳

۸۔ الصالحی، محمد بن یوسف، سبل الہدیٰ والرشاد، قاہرہ، مصر، ۱۹۷۵ء، ص ۲/۵۸۰

9. Pike, E. Roystan, Muhammad, the Founder of New Religion of Islam, Weifden Feld & Nicolson (Edu), London, U.K, 1962, P:27
10. Pike, E.Roystan, Muhammad:The Founder of New Religion of Islam, P:32
11. John, Stone, P De Lacy, Muhammad and His Power, Discovery Publishing House, New Dehli, India, 1984, P:73

۱۲۔ حم السجدہ: ٦

۱۳۔ العمران: ۱۱۸

14. The Koran, P:38
15. Introduction to the Koran, P:23
16. Gabriel, Richard. A, Muhammad Islam's First General, University of Oklahoma Press, 2007, P:60
17. Islam for the Western Mind, P:30

۱۸۔ سیرت سرور عالم ﷺ، ص ۱/۱۱٦

۱۹۔ ضیاء النبی ﷺ، ص ۲/۳۱۰

۲۰۔ انسان کامل، ص ۳۱۲

۲۱۔ اسلام، پیغمبر اسلام اور مشرقین مغرب کا انداز فکر، ص ۲۹۸

۲۲۔ النور: ۲۲

23. Muhammad and Islam, P:22
24. Muhammad Prophet and Statesman, P:12

25. Ibid, P:22
26. Muhammad: The Founder of New Religion of Islam, P:69
27. Islam for the Western Mind, P:30

۲۸۔ المالکی، الحسنی، محمد بن علوی، محمد الانسان الکامل، دار الشرق، جدہ، ۱۹۸۴ء، ص ۸۵

۲۹۔ مودودی، سید، ابو الاعلیٰ، سیرت سرور عالم ﷺ، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ۲۰۰۹ء، ص ۱۱۴/۱

۳۰۔ اسلام، پیغمبر اسلام اور مستشرقین مغرب کا انداز فکر، ص ۲۸۰

۳۱۔ البقرۃ: ۲۳۵

32. Islam for the Western Mind, P:32
33. Mahomet, Founder of Islam, P:71
34. Muhammad: The Man and his Faith, P:66

۳۵۔ سرور عالم ﷺ، ص ۲/ ۵۷-۵۶۷

36. Lane-Poole, Stanley, The Prophet of Islam, National Book Society, Lahore, 1959, P:22-23

۳۷۔ اسلام، پیغمبر اسلام اور مستشرقین مغرب کا انداز فکر، ص ۳۲۱

۳۸۔ آل عمران: ۱۸۶

عہدِ نبوی میں خواتین کی معاشی سرگرمیاں

(عصرِ حاضر میں استفادہ کی صورتیں)

صومیہ محبوب☆/ ہمایوں عباس☆☆

Abstract:

"In the reign of Hazrat Mohammad (P.B.U.H) the best practical pattern of muslim women appears before and it is proved that like other fields of life women also parcticipated in the economic field according to teh urgency of time. By using the different proper means of attainment of economy, they tried to having legitimate subsistence. By this, two important advantages to be obtained, first is, providing honourable life for herself and for the family in the absence of guardian or in teh time of poverty and second is, attainment of hihg position by giving charity in the way of Allah through own economic trade. The pattern of that muslim women is a guideline for this age of women."

اسلام ایک عالمگیر اور ہمہ گیر دستورِ حیات ہے انسانی زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں خواہ وہ انفرادی ہو یا اجتماعی، سیاسی ہو یا اخلاقی، معاشرتی ہو یا معاشی جس کے متعلّق دینِ اسلام میں اصولِ رہنمائی موجود نہ ہوں۔ انسان کی زندگی میں معاشی معاملات کی اہمیت کی وجہ سے دینِ اسلام نے مضبوط بنیادوں پر استوار نظامِ معیشت متعارف کروایا اور معیشت کے بارے میں اولین بنیادی حقیقت، جسے قرآن نے بار بار بیان کیا، یہ ہے کہ وہ تمام ذرائع و وسائل جن پر انسان کی معاش کا انحصار ہے، اللہ تعالیٰ کے پیدا کیے ہوئے ہیں اور وہ تمام ذرائع وسائل انسان کے لیے نافع ہیں۔

ارشادِ خداوندی ہے:

☆ ایم فل سکالر، شعبۂ علومِ اسلامیہ وعربی، جی سی یونیورسٹی فیصل آباد

☆☆ چیئرمین شعبۂ علومِ اسلامیہ وعربی/ڈین فیکلٹی آف اسلامک اینڈ اورینٹل لرننگ، جی سی یونیورسٹی فیصل آباد

''هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِیْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ وَاِلَیْهِ النُّشُوْرُ''(۱)

قرآن مجید میں متعدد مقامات پر کسبِ معاش کی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے اور انسان کو حصولِ رزق کی تاکید فرمائی گئی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''وَجَعَلْنَا لَکُمْ فِیْهَا مَعَایِشَ''(۲)

(اور ہم نے تمہارے لیے زمین میں معیشت کے سامان بنائے۔)

ارشادِ ربانی ہے:

''فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ''(۳)

(پس جب نماز پوری ہوجائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل (رزق) تلاش کرو۔)

اسی طرح رسول اکرم ﷺ کا اسوہ، آپ ﷺ کی تعلیمات ہمیں بھرپور معاشی جدوجہد کی ترغیب دیتی ہیں۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''ان اطیب ما اکل الرجل من کسبه''(۴)

(بے شک سب سے عمدہ کھانا وہ ہے جو انسان اپنی کمائی سے کھائے۔)

حضرت براؓ بن عازب سے روایت ہے کہ:

''سئل النبی ﷺ ای کسب الرجل اطیب؟ قال: عمل الرجل بیده دکل بیع مبرور''(۵)

(نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ آدمی کی سب سے پاکیزہ کمائی کون سی ہے؟)

فرمایا: ''آدمی کا اپنے ہاتھ سے کمانا اور ہر وہ تجارت جو نیکی اور بھلائی پر مشتمل ہو۔''

حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''لأن یحترم احد کم حزمة من خطب فیحملها علی ظهره فبیعها خیر له من ان یسأل اجلاً یعطیه او بمنغه''(۶)

(اگر کوئی لکڑی کا گٹھا باندھے پھر اسے اپنی پیٹھ پر لاد کر لائے اور اسے بیچ دے تو یہ اس کے حق میں کسی سے مانگنے سے بہتر ہے کہ وہ اسے چاہے تو دے اور چاہے نہ دے۔)

یعنی انسان کا کسبِ معاش کے لیے کوشش کرنا اس کی عزتِ نفس کی حفاظت ہے۔

حضرت مقدام سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''ما اکل احد طعام قط خیر من ان یاکل من عمل یده وان نبی الله داؤدؑ

کان یاکل من عمل ھدہ"(۷)

(کسی شخص نے اس شخص سے بہتر کمائی نہیں کھائی ہوگی جوخود اپنے ہاتھ سے کما کر کھاتا ہو۔اللہ کے نبی داوُدؑ بھی اپنے ہاتھ سے کام کر کے روزی حاصل کرتے تھے۔)

اسی طرح آپﷺ نے اپنے عمل کے ذریعہ بھی کسبِ معاش کی ترغیب دلائی۔

حضرت ابو ہریرۃؓ روایت کرتے ہیں کہ آپﷺ نے ارشاد فرمایا:

"مابعث اللہ بنیا الارعی الغنم فقال اصحابہ وانت فقال نعم کنت ارعھا علی قراربط لاھل مکۃ"(۸)

(اللہ تعالیٰ نے کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں اس پر آپﷺ کے صحابہ نے پوچھا اور آپﷺ نے بھی؟ فرمایا: کہ ہاں، میں بھی مکہ والوں کی بکریاں چند قیراط کی اجرت پر چرایا کرتا تھا۔)

آپﷺ کے عمل اور ارشادات سے واضح ہوتا ہے کہ حصولِ رزق کے لیے پوری جدوجہد کرنی چاہیے۔ارشاد خداوندی ہے:

"وَلَقَدۡ مَكَّنّٰكُمۡ فِى الۡاَرۡضِ وَجَعَلۡنَا لَكُمۡ فِيۡهَا مَعَايِشَ ؕ قَلِيۡلاً مَّا تَشۡكُرُوۡنَ"(۹)

(اور البتہ تحقیق ہم نے تم کو زمین میں رہنے کی جگہ دی اور ہم نے تمہارے لیے اس میں سامان معیشت پیدا کیے۔تم میں سے کم لوگ شکر ادا کرتے ہیں۔)

یہ آیت ثابت کرتی ہے کہ دینِ اسلام نے وسائل رزق صرف مردوں کے لیے مخصوص نہیں کیے۔یہی وجہ ہے کہ عہدِ نبویﷺ میں مردوں کے ساتھ ساتھ خواتین نے بھی کسبِ معاش کی کوششیں کی اور معاشی سرگرمیوں میں بھر پور حصہ لیا۔اگرچہ دین اسلام نے کسبِ معاش کے لیے دوڑ دھوپ اور تگ ودو مرد کے ذمہ عائد کی ہے اور عورت کو گھر کے اندورنی نظام کی ذمہ داری سونپی ہے۔تاہم کسبِ معاش عورت پر حرام نہیں بشرطیکہ وہ ضابطے کی پابندی کرے۔

مطالعہ عہدِ نبویﷺ سے بہت سے ایسے شواہد ملتے ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خواتین مختلف معاشی سرگرمیوں میں حصہ لیتی تھیں اور ان کا طرزِ عمل آج کی مسلمان خواتین کے لیے نمونہ عمل ہے۔

خواتینِ عہدِ نبویﷺ کی معاشی سرگرمیوں کا جائزہ لینے سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے درج ذیل مبادین معیشت میں حصہ لیا۔

ا۔تجارت (Trading)

وسائلِ معیشت میں سب سے اہم وسیلہ تجارت ہے۔اقتصادی نظام کی ترقی کا دارومدار تجارت پر موقوف ہے۔عہدِ نبوی میں بھی لوگ تجارت کے پیشے سے منسلک تھے اور مردوں کے ساتھ

ساتھ خواتین نے بھی تجارتی سرگرمیوں میں بھرپور حصہ لیا۔

اس حوالے سے سرِفہرست حضرت خدیجہ بنت خویلہ کا نام آتا ہے۔

''الطبقات الکبریٰ'' میں مذکور ہے کہ:

'' آپ مردوں سے تجارت کرایا کرتی تھیں سرمایہ آپ کا ہوتا تھا اور نفع میں آپ اور آپ کا شریک مرد دونوں برابر کے حصہ دار ہوتے تھے۔''(۱۰)

ان کے علاوہ بھی بہت سی دوسری خواتین تھیں جو مختلف اشیاء کی تجارت کرتی تھیں۔

ا۔کھال کی تجارت

i۔ حضرت ہالہ بنت خویلد:

''حضرت خدیجہؓ کی بہن تھیں اور چمڑے کی کھال کی تجارت کرتی تھیں۔''(۱۱)

ب۔مختلف اشیا کی تجارت

i۔ حضرت قیلہ انماریہ:

یہ نہایت مشہور تاجرہ تھیں۔خود بیان کرتی ہیں کہ:

''انی امرأة اشتری و ابیع...''(۱۲)

(اورانہوں نے آپ ﷺ سے باقاعدہ خرید وفروخت کے اصول وضوابط سیکھے۔)

ج۔عطر کی تجارت

عہدِ نبوی ﷺ میں خواتین کا ایک اہم پیشہ عطر فروش تھا۔

i۔سید ملیکہ ام سائب:

یہ سائب بن اقرع کی والدہ تھیں اور عطر بیچا کرتی تھیں۔ان کے فرزند کا بیان ہے کہ:

''ان امه ملیکة دخلت تبیع العطر من النبی ﷺ''(۱۳)

(میری والدہ ملیکہ حضور ﷺ کی خدمت میں عطر بیچنے کے لیے حاضر ہوئیں۔)

ii۔حولاٗ بنت تویت:

یہ خاتون ایسی عطر فروش تھیں کہ وہ ''العطارہ'' کے نام سے مشہور ہوگئی تھی۔حضرت حولاٗ بنت تویت حضرت عائشہؓ کے پاس اپنے خاوند کا مسئلہ لے کر حاضر ہوئیں اور جب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو فرمایا:

''انی لاجد ریح الحولاٗ فھل اتتکم وھل ابتعتم منھا شیأ''

(مجھے حولاٗ کی خوشبو آرہی ہے کیا وہ تمہارے پاس آئی ہے؟ کیا تم نے اس سے کچھ خریدا ہے۔)

iii۔ اسماء بنت مخربہ:

مشہور سردار مکہ ابوجہل مخزومی کی ماں تھیں۔ان کے فرزند عبداللہ بن ابی ربیعہ یمن سے عمدہ عطر ان کے پاس بھیجا کرتے تھے۔ جسے وہ فروخت کرتی تھیں اور بالعموم خواتینِ خانہ ان ہی سے عطر خریدتی تھیں۔ (۱۴)

خواتین کا تجارتی طریقہ کار (Ways of Trading)

خواتین کی تجارتی سرگرمیوں کا جائزہ لیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ مختلف طریقوں کے ذریعہ انہوں نے تجارت میں حصہ لیا۔مثلاً:

i۔ ملازمین سے کام لینا:

ایک طریقہ کار یہ تھا کہ وہ اپنے غلاموں یا منتخب لوگوں کے ذریعہ تجارت کرتی تھیں۔

حضرت خدیجہ بنت خویلدؓ کے حوالے سے مذکور ہے کہ:

''**کانت خدیجة امرأة تاجرة ذات شرف ومال تستأجر الرجال فی مالها**''(۱۵)

(خدیجہ ایک تجارت پیشہ اور معزز خاتون تھیں وہ اپنے مالِ تجارت کی خرید وفروخت کے لیے مردوں کو اجرت پر رکھ لیتی تھیں۔)

بسرہ بنت غزوان کے حوالے سے روایت ہے کہ:

''**بسرہ بنت غزوان انی کان ابوهریره اجیر ها فی العهد البنوی ﷺ**''(۱۶)

(نبی کریم ﷺ کے عہدِ مبارک میں حضرت ابو ہریرہ نے بسرہ بنت غزوان کی مرزدوری کی۔)

صحیح بخاری میں ایک انصاری خاتون کا ذکر ہے جس نے اپنے بڑھئی غلام سے آپ ﷺ کے لیے منبر تیار کروایا۔اس عورت نے عرض کی:

''**فان لی غلاما تجارا قال ان شئت قال فعملت له المنبر**''(۱۷)

ii۔ کتاباتی طریقہ تجارت:

اسمائ بنت مخربہ کے حوالے سے جو روایت بیان کی گئی ہے اس سے خواتین کا یہ تجارتی طریقہ کار واضح ہوتا ہے:

''اسماء بنت مخربہ خریداروں سے تب قیمت وصول کرتی جب ان کو حاکم وقت کی طرف سے عطیات وصول ہو جاتے تب تک وہ لکھ لیا کرتی تھیں کہ خریداروں کے ذمہ کتنی رقم ہے۔''(۱۸)

iii۔ مقررمقام پر تجارت کرنا (Trading at Specific Place):

''ام معبد خزاعیہ کے حوالہ سے روایت بیان کی جاتی ہے کہ انہوں نے اشیاء فروخت کرنے کے لیے اپنا خیمہ مقرر کیا ہوا تھا۔''(۱۹)

iv۔ گھر گھر جا کر اشیاءفروخت کرنا(House Marketing)

عہدِنبوی میں خواتین کا ایک معروف تجارتی طریقہ گھر گھر جا کر اشیاءفروخت کرنا تھا۔جیسا کہ حضرت حولاؑ کے متعلق مذکور روایت سے واضح ہوتا ہے کہ وہ گھر گھر جا کر عطر فروخت کرتی تھیں۔

الغرض تاریخی واقعات وشواہد ثابت کرتے ہیں کہ خواتین نے کسبِ معاش کے لیے مختلف طریقوں کو اپناتے ہوئے تجارتی سرگرمیوں میں بھرپور شرکت کی اا وران کو مختلف تجارتی مواقع بھی حاصل تھے۔

۲۔ کھیتی باڑی اور باغبانی:

ذرائع کسبِ معاش میں سے ایک اہم ذریعہ زراعت ہے۔عہدِ نبوی ﷺ کے حالات وواقعات یہ ثابت کرتے ہیں کہ مردوں کے ساتھ ساتھ خواتین نے بھی اس میں مختلف انداز سے حصہ لیا۔

i۔ کاشتکاری:

بخاری میں ایک ایسی خاتون کا ذکر ملتا ہے جو سبزیوں کی کاشت کیا کرتی تھی۔حضرت سہل بن سعد بیان کرتے ہیں کہ:

''کانت فینا امرأۃ تجعل علی اربعاً فی مزاعۃ لھا سلقا''(۲۰)

(ہمارے یہاں ایک خاتون تھیں جن کی اپنی کھیتی تھی وہ نالیوں کے اطراف میں چقندر کی کاشت کیا کرتی تھیں۔)

ii۔ کھیتی وشجر کاری:

عہدِنبوی میں خواتین شجر کاری بھی کرتی تھیں۔

حضرت جابر بن عبداللہ کی خالہ نے دورانِ عدت اپنے کھجور کے درخت کاٹنے کی اجازت لی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''بلیٰ فجدی نخلک''(۲۱)

(کیوں نہیں! کھیت جاؤ اور اپنے کھجور کے درخت کاٹو۔۔۔)

''ام مبشر انصاریہ کے کھجور کے باغ تھے اور وہ شجر کاری کرتی تھیں۔آپ ﷺ ان کے باغ میں تشریف لے گئے اور ان کی حوصلہ افزائی فرمائی۔''(۲۲)

''حضرت انس بن مالک کی والدہ کے اپنے کھجوروں کے درخت تھے اور ان درختوں کے ذریعہ وہ آمدنی حاصل کرتی تھیں۔''(۲۳)

iii۔ باغبانی:

عہدِنبوی میں خواتین کے اپنے باغات تھے جو ان کے لیے حصولِ آمدنی کا ذریعہ تھے۔

ابوحمید سامری نے طویل روایت بیان کی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ ہم وادی قریٰ سے گزرے تو ایک عورت پر نظر پڑی جو اپنے باغ میں باغبانی کر رہی تھی۔۔۔۔(۲۴)

اس کی علاوہ متعدد خواتین کے نام ملتے ہیں جو دوسروں کے باغات میں باغبانی کرتی تھیں۔

iv۔کھیتوں میں کام:

زراعتی حوالے سے ایک اہم پہلو یہ ہے کہ خواتین کھیتوں میں کام کرتی تھیں کھیتوں میں مختلف نوعیت کے کام کرتی تھیں مثلاً گٹھلیاں چنتی اور مزدوری کرتی تھیں۔

حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ نے اپنی شادی کے متعلّق طویل روایت ذکر کی ہے جس میں مذکور ہے کہ:

''کنت انقل النویٰ من ارض الزبیر......''(۲۵)

(میں زبیر کی زمین سے اپنے سر پر کھجور کی گٹھلیاں لایا کرتی تھی۔۔۔)

''حرقا'' نامی عورت کے حوالے سے مذکور ہے کہ:

''کانت امرأة حبشیة تلقط النوی......''(۲۶)

(وہ حبشیہ عورت تھی جو گٹھلیاں چنتی تھی۔۔۔)

یعنی خواتین کھیتوں میں کام کرنے کا کافی رجحان پایا جاتا تھا۔اگر خواتین کی اپنی ذاتی زرعی زمینیں اور کھیت وغیرہ نہ ہوتے تو وہ دوسروں کے کھیتوں میں کام کر کے کماتی تھیں۔

v۔ ٹھیکے پر زمین لینا:

ابودوائد میں ایک روایت ذکر کی گئی کہ عمران بن سہل نے اپنی مین ایک عورت کو دوسو درہم کے بدلے ٹھیکے پر دی تھی۔

''فقال: اکر بنا ارضنا فلانة بمائتی درهم''(۲۷)

گویا کہ خواتین کسبِ معاش کے لیے کھیتی باڑی اور باغبانی وغیرہ بھی کرتی تھیں اگرچہ یہ محنت طلب کام تھا لیکن حالات وواقعات ثابت کرتے ہیں کہ مردوں کے ساتھ ساتھ خواتین بھی اس میں سرگرم ہیں۔

۳۔خواتین کی جنگی سرگرمیوں کی نوعیت:

یہ امر تو طے شدہ ہے کہ شریعت نے دفاعِ ریاست کی ذمہ داری پر ڈالی ہے کیونکہ جنگ ذہنی اور جسمانی صلاحیتوں کا بھرپور اظہار ہے۔لیکن روایات،سوانح،آثارِ سیرت اور احادیثِ نبوی بتاتی ہیں کہ اول روزِ جہاد سے مسلم خواتین اور صحابیاتِ عصر میں روحِ جہاد موجود تھی۔اگرچہ میدانِ جنگ میں جانا ان کے لیے فرض نہ تھا لیکن اس کے باوجود رسول اکرم ﷺ نے متعدد خواتینِ اسلام کو مختلف غزوات و مہمات میں شرکت کی اجازت مرحمت فرمائی۔

معاشی نقطۂ نظر سے ان خواتین کی جنگی سرگرمیوں کا جائزہ لیا جائے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ خواتین کسبِ معاش کے لیے جنگ میں حصہ نہیں لیتی تھیں بلکہ کلمۂ الٰہی کی سربلندی کی خواہش اور مختلف

رفاہی خدمات سرانجام دینے کے لیے جنگی سرگرمیوں میں شامل ہوتی تھیں لیکن اگر عصر حاضر میں خاتین کی معاشی سرگرمیوں کا جائزہ لیا جائے تو جنگی سرگرمی ایک اہم اور قابلِ عزت معاشی سرگرمی کے طور پر سامنے آتی ہے۔ آج خواتین کی ایک کثیر تعداد دفاع ریاست کے مختلف شعبوں سے منسلک ہیں اور اس کے ذریعہ باعزت طریقے سے کمار ہی ہیں۔

عہدِ نبوی میں خواتین مجاہدین کے ساتھ جنگوں میں شریک ہوتی تھیں اور مختلف قسم کے کام سرانجام دیتی تھیں۔ جن سے ان کی مختلف صلاحیتوں کا اظہار ہوتا تھا۔

عصرِ حاضر کے نامور سیرت نگار ڈاکٹر یٰسین مظہر صدیق لکھتے ہیں کہ:

''بہت سی خاتونانِ اسلام نے متعدد غزواتِ نبوی ﷺ میں بھر پور حصہ لیا تھا ان میں سے کئی تو مشکل مجاہدات کے زمرے میں شمار کیے جانے کا لائق ہیں کہ بیشتر غزوات میں انہوں نے رفاہی خدمات کے ساتھ ساتھ فوجی اور جنگی خدمات بھی انجام دیں۔''(۲۸)

خواتینِ عہدِ نبوی کی جنگوں میں شرکت درج ذیل نوعیت کی ہوتی تھی:

1۔ فوجیوں کی حوصلہ افزائی

''ام زیاد اشجعیہ بیان کرتی ہیں کہ وہ غزوہ خیبر میں شامل ہونے والی چھ میں سے چھٹی عورت تھیں اور ان کو اس بات پر شامل لشکر ہونے کی اجازت ملی کہ وہ سپاہ کو جوش دلانے کے لیے رجز خوانی کریں گی۔''(۲۹)

''غزوہ احد میں قریشی خواتین میں سے گانے بجانے والیوں اور رجز پڑھنے والیوں نے شرکت کی تھی۔''(۳۰)

2۔ امدادی کاروائیاں

خواتین جنگوں میں مختلف امدادی کام سرانجام دیتی تھیں۔ خواتین کی امدادی کاروائیاں درج نوعیت کی تھیں۔

ا۔ زخمیوں کا علاج معالجہ

خواتین جنگو میں جو سب سے اہم کام سرانجام دیتی تھیں وہ زخمیوں کی دیکھ بھال اور ان کا علاج کرنا تھا۔ اس سلسلے میں اہم خواتین کے نام درج ذیل ہیں:

i۔ ربیع بنت معوذ:

''غزوات میں شامل ہوتی تھیں۔ زخمیوں کا علاج کرتیں اور مقتولین کو اٹھا کر مدینہ لاتی تھیں۔''(۳۱)

ii۔ ام سلیم:

''زخمیوں کا علاج کرتی تھیں۔''(۳۲)

iii۔ لیلیٰ الغفاریہ:

''طب اور جراحی میں مہارت رکھتی تھیں۔ زخمیوں کا علاج کرتیں اور مریضوں کے پاس ٹھہرتی تھیں۔''(۳۳)

iv۔ حمنہ بنت جحش:

''زخمیوں کو اٹھاتی اور ان کا علاج معالجہ کرتی تھیں۔''(۳۴)

v۔ ام سنان اسلمیہ:

''طبیب و جراح تھیں اور اس حیثیت سے جنگوں میں گرانقدر خدمات سرانجام دیں۔''(۳۵)

vi۔ ام عمارہ:

''ان کے پاس پٹیاں تھیں جو زخمیوں کی مرہم پٹی کے لیے تیار کر رکھی تھیں۔''(۳۶)

ب۔ کھانا فراہم کرنا

خواتین میدان جنگ میں لڑنے والے سپاہیوں کے لیے کھانے کا انتظام بھی کرتی تھیں۔

''حضرت ام عطیہ انصاریہ کا بیان ہے کہ غزوات میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہوتی تھیں۔۔۔۔۔ **فاصنع لھم الطعام**۔''(۳۷)

ج۔ زخمیوں کو پانی پلانا

خواتین میدان جنگ میں زخمی ہونے والوں کو پانی پلاتی تھیں تا کہ وہ تازہ دم ہو کر راہِ خدا میں لڑیں۔

i۔ عائشہ بنت ابی بکرؓ اور ام سلیم: غزوہ احد میں دونوں خواتین مشکیں اپنی پشت پر لاد کر لاتی تھیں اور لوگوں کے منہ میں ڈالتی۔(۳۸)

ii۔ ام سلیط: حضرت عمر کا بیان ہے کہ **فانھا کانت تز فر لنا القرب یوم احد**۔(۳۹) کہ وہ احد کی لڑائی میں ہمارے لیے مشکیزے اٹھا کر لاتی تھیں۔

iii۔ جدہ ضمرہ بن سعیب: **کانت قد شھدت احد التسقی المأ**۔(۴۰) غزوہ احد میں شریک تھیں اور پانی پلانے کی خدمت انجام دیتی تھیں۔

iv۔ ام ایمن: **حضرت ام ایمن احد و کانت تسقی المأ**(۴۱) غزوہ احمد میں حاضر تھیں اور پانی پلاتی تھیں۔

د۔ سامان رسد کی فراہمی

خواتین کی امدادی کارروائیوں میں سے ایک کارروائی یہ بھی تھی کہ وہ میدانِ جنگ میں لڑنے والے جنگجوؤں کو سامانِ رسد فراہم کرتی تھیں۔

''ام زیادہ اشجعیہ کا بیان ہے کہ ہمیں اس بات پر شرکتِ جنگ کی اجات ملی کہ ہم تیر اندازوں کو تیر اٹھا اٹھا کر دیں گی۔''(۴۲)

3۔ میدانِ جنگ میں عملی شرکت

ایک طرف خواتین کی جنگ میں شرکت بطور معاونات کے تھی تو دوسری طرف خواتین میں اس قدر جوش و جذبہ موجود تھا کہ حالات کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے وہ لڑنے کے لیے میدانِ جنگ میں اتر جاتی تھیں۔اس سلسلے میں درج ذیل خواتین کا نام سامنے آتے ہیں:

i۔نسیبہ بنت کعب: ان کی کنیت ام عمارہ ہےاور کنیت سے مشہور ہیں۔غزوہ احد میں شریک ہوئیں اور آپ ﷺ کے دفاع میں تیراندازی کی۔ (۴۳)

ii۔ام سلیم بنت ملحان: جنگوں میں عملی طور پر شامل ہوتی تھیں اور ان کے پاس باقاعدہ جنگی ہتھیار تھے۔ (۴۴)

iii۔ام حرام بنت ملحان: نہایت بہادر خاتون تھیں اور متعدد غزوات میں عملی طور پر شرکت کی۔ (۴۵)

iv۔ ام حکیم بنت حارث: نہایت باہمت اور بہادر خاتون تھیں اور بوقت ضرورت بلا خوف وخطر میدانِ جنگ میں اپنی بہاری کے جوہر دکھاتی تھیں۔ (۴۶)

گویا خواتین نے میدان جنگ میں امدادی کارائیوں کے ساتھ ساتھ عملی طور پر بھرپور شرکت کی۔خواتین کے لیے

4۔ مالِ غنیمت میں سے عطایا

آپ ﷺ جنگ میں شرکت کرنے والی خواتین کو مالِ غنیمت میں سے عطیہ دیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ کا خواتین کو مالِ غنیمت میں سے عطیہ دینا ثابت کرتا ہے کہ جنگ میں خواتین کو شرکت Considerable تھی۔

روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ درج ذیل خواتین کو مالِ غنیمت میں سے عطیہ دیا گیا:

نمبر شمار	خاتون کا نام	جس غزوہ میں شامل ہوئیں	حصے کی مقدار
۱۔	ام الفجا کہ بنت مسعود	غزوہ خیبر	مرد کے برابر حصہ (۴۷)
۲۔	حمنہ بنت جحش	غزوہ احد اور خیبر	تیس وسق کھجوریں (۴۸)
۳۔	ام العلاٗ انصاری	غزوہ احد اور خیبر	تین بار (۴۹)
۴۔	ام مطاع اسلمیہ	غزوہ خیبر	مرد کے برابر حصہ (۵۰)
۵۔	ام رمثہ	غزوہ خیبر	چالیس وسق (۵۱)
۶۔	ام سنان اسلمیہ	غزوہ احد اور خیبر	غنیمت میں سے کچھ حصہ (۵۲)
۷۔	امیہ بنت قیس	غزوہ خیبر	غنیمت میں سے کچھ حصہ (۵۳)

۸۔	کعیبہ بنت سعید	غزوہ احد اور خیبر	مرد کے برابر حصہ [۵۴]
۹۔	ام زیاد اشجعیہ	غزوہ احد اور خیبر	مرد کے برابر حصہ [۵۵]

گویا کہ آپ ﷺ نے خواتین کی جنگ میں شرکت کو اور ان کی جنگی خدمات کو سراہتے ہوئے ان کو مالِ غنیمت میں سے حصہ دیا اور ان کی حوصلہ افزائی کے لیے ان کو مردوں کے برابر حصہ دیا۔ چنانچہ عہدِ نبوی میں خواتین نے جنگی سرگرمیوں کے حوالے سے جو کام رضا کارانہ طور پر کیے آج خواتین وہ کام کسبِ معاش کے لیے کر رہی ہیں۔ لہٰذا اگر خواتین حدود و قیود کا خیال کرتے ہوئے وہی کام اجرت وصول کرتے ہوئے سرانجام دیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۴۔کتابت وخیاطت (Writing and Stitiching)

عہدِ نبوی میں خواتین مختلف فنون میں مہارت رکھتی تھیں اور اس کے ذریعہ کسبِ معاش کرتی تھیں اور مختلف کاموں میں اپنے فن اور صلاحیتوں کا اظہار کرتی تھیں۔ مثلاً:

''حجرت شفاء بنت عبداللہ: کتاب کے فن میں بہت مہارت رکھتی تھیں اور دوسری خواتین کو بھی سکھاتی تھیں۔'' [۵۶]

''سیدہ ام درداً: تختی پر لکھنے کی مشق کیا کرتی تھیں اور طلباء کو تختی پر لکھنا سکھایا کرتی تھیں۔'' [۵۷]

اسی طرح عہدِ نبوی میں کپڑے سلائی کرنے کا رواج بھی تھا اور خواتین نے اس کو بطور ذریعہ کسبِ معاش اپنایا ہوا تھا۔ البتہ عصرِ حاضر میں ایک کثیر تعداد خواتین خیاطت (سلائی) کے ذریعہ باعزت طریقے سے کما رہی ہیں۔

۵۔کشیدہ کاری ودستکاری

عہدِ نبوی میں خواتین کشیدہ کاری اور دستکاری میں مہارت رکھتی تھیں۔

''ایک خاتون آپ ﷺ کے پاس ایک چادر لے کر آئی اور عرض کی یارسو ل اللّٰہ انی نسجت ھندہ۔۔۔(کہ یارسول اللہ ﷺ میں نے اپنے ہاتھوں سے اس پر کشیدہ کاری کی ہے۔۔۔۔'' [۵۸]

حضرت زینب زوجہ ابن مسعود کشیدہ کاری اور دستکاری میں بہت مہارت رکھتی تھیں۔

''کانت امرأة صناعا، ویس لعبدالله بن مسعود مال، فکانت تنفق علیه و علی ولده من ثمن صنعنھا'' [۵۹]

(وہ ایک کاریگر خاتون تھیں اور ابن مسعود بالکل مفلس تھے ان کی زوجہ اپنی صفت سے جو کچھ کماتی وہ شوہر اور بیٹے پر خرچ کرتی تھیں۔)

۶۔ دباغت (چمڑے کا کام)

عہدِ نبوی میں خواتین کے لیے ایک اہم ذریعہ معاش دباغت تھا۔ خواتین کھال کو دباغت دے کر چمڑا بناتی تھیں پھر اس کی مختلف اشیاء بنا کر فروخت کرتی تھیں۔

حضرت زینب بنت جحش زوجہ رسول اللہ ﷺ اس کام میں بہت مہارت رکھتی تھیں۔ مذکور ہے کہ:

''ان رسول اللّٰہ رأی امرأۃ فانی امراتہ زینب ولھی تمعس منیئہ لھا''(۶۰)

(رسول اللہ ﷺ نے ایک عورت کو دیکھا تو آپ ﷺ اپنی بیوی زینب کے پاس گئے تو وہ اس وقت کھال کو دباغت دے رہی تھیں۔)

حضرت سودہؓ زوجہ رسول ﷺ بھی اس صنعت میں مہارت رکھتی تھیں۔ ان کے بارے میں روایت ہے کہ:

''وکانتمن احسھن حالا کانت تعمل الادھم الطائفی''(۶۱)

(وہ (سودہؓ) ان میں سب سے زیادہ اچھے حال والی تھیں وہ طائفی چمڑہ بناتی تھیں۔)

۷۔ چرخہ کاتنا اور کپڑا بننا

عہدِ نبوی میں خواتین سوت کات کر اور پھر اس کی بنائی کر کے کپڑا تیار کر کے بیچتی تھیں اور اس کے ذریعہ رزق حلال کماتی تھیں۔

''شعیرہ نامی خاتون اون اور کھجور کے درخت کی چھال جمع کیا کرتی تھیں جسے کات کر گولہ وغیرہ بناتی تھیں۔''(۶۲)

فاطمہ بنت ولید خود بیان کرتی ہیں کہ کانت فی الشام تلبس الجباب من ثیاب الخز (۶۳)

(کہ جب میں شام میں تھی تو اپنے خیمے ریشمی کپڑے سے بناتی تھی۔)

امام بخاری نے کتاب اللباس کے باب ''لبس القسی'' کے ترجمۃ الباب میں لکھا ہے کہ:

قسیۃ/قسی ریشمی کپڑا شام یا مصر سے آتا تھا و کانت النسأ تصفہ لبعو لتھن مثل القطائف یصفو نھا۔(۶۴)

(اور عورتیں اس کو اپنے شوہروں کے لیے قطائف (چادروں) کی مانند پھیلا کر بنا کرتی تھیں۔)

۸۔ رنگ سازی

عہدِ نبوی میں خواتین رنگ سازی میں بھی مہارت رکھتی تھیں اور بعض خواتین نے اس کو بطور پیشہ اختیار کیا ہوا تھا۔

بنو اسد کی ایک خاتون کا بیان ہے کہ **کنت یوم عند زینب امرأة رسول اللهﷺ ونحن تصبغ ثیا بھا لھا بمغرة۔**(۶۵)

(میں ایک دن زوجہ رسول اللہ ﷺ حضرت زینب کے پاس تھی اور ہم ان کے کپڑوں کو نرم سرخ رنگ رہے تھے۔)

ام لیلیٰ کے حوالے سے مذکور ہے کہ **کانت ام لیلی تصبغ لھا درعھا خمارھا و ملحفتھا کل شھر، وتختغب غمساً**(۶۶)

(ام لیلی اپنی (بھتیجی کے لیے) قمیض، چادر اور اوڑھنی ہر مہینے رنگا کرتی تھیں اور اسی طرح کپڑوں کو رنگ دار پانی میں ڈبوتی تھیں۔)

گویا عہدِ نبوی میں خواتین مختلف ہنر وفن جانتی تھیں اور انہوں نے اپنی ان صلاحیتوں کو ضائع نہیں کیا بلکہ حالات کے مطابق ان کا بھرپور استعمال کیا۔

۹۔ چرواہی

عہدِ نبوی میں خواتین کی ایک اہم سرگرمی بکریاں چرانا تھا اور خواتین کے لیے چراہی کا پیشہ معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا۔

''حضرت معاویہ بن حکم بیان کرتے ہیں کہ میرے پاس ایک لونڈی تھی جو احد اور جوانیہ کے علاقوں میں میری بکریاں چراتی تھیں۔''(۶۷)

''سلامیہ الغیبہ اپنے گھر والوں کی بکریاں چرایا کرتی تھیں۔''(۶۸)

''انسیہ بنت خبیب اپنے قبیلے کی بچیوں کے ساتھ بکریاں چرایا کرتی تھیں۔''(۶۹)

''سلامہ بنت حرالازدیہ بیان کرتی ہیں کہ **کنت ارعی غنما فی بد الاسلام**''(۷۰)

(میں ابتدائے اسلام میں بکریاں چرایا کرتی تھی۔)

''کعب بن مالک کی لونڈی سلع پہاڑ کے قریب بکریاں چرایا کرتی تھی۔''(۷۱)

چرواہی کا پیشہ زیادہ تر لونڈیاں اور باندیوں سے متعلق تھا۔

۱۰۔ پیشہِ خدمت گزاری

یہ اصلاً خاتونی پیشہ تھا۔ عرب میں باندیاں یا خدمت گزار خواتین رکھنے کا عام رواج تھا۔ عہدِ نبوی میں متعدد خواتین کے نام سامنے آتے ہیں جو گھروں میں خادمہ کا کام سرانجام دیتی تھیں۔ ان خواتین کے نام درج ذیل ہیں:

نمبر شمار	خادمہ کا نام	جس کی خدمت گزاری کرتی
ا۔	ام سلیم بنت ملحان	خادمہ رسول ﷺ (۷۲)
۲۔	ام مسلم	حضرت صفیہؓ(۷۳)

۳۔	ام مہاجر رومیہ	حضرت عثمانؓ (۷۴)
۴۔	سلمٰی ام رافع	حضرت صفیہؓ اور خادمہ رسول ﷺ (۷۵)
۵۔	صفیہ	خادمہ رسول ﷺ (۷۶)
۶۔	فضۃ النوبیۃ	حضرت فاطمہ الزہرہؓ (۷۷)
۷۔	خضرہ	خادمہ رسول ﷺ (۷۸)
۸۔	سیدہ برکہ بنت تعلبہ	خادمہ رسول ﷺ (۷۹)
۹۔	سیدہ زمنوی	خادمہ رسول ﷺ (۸۰)
۱۰۔	سیدہ ماریہ	خادمہ رسول ﷺ (۸۱)
۱۱۔	ازینہ	خادمہ رسول ﷺ (۸۲)
۱۲۔	برہ	خادمہ رسول ﷺ (۸۳)
۱۳۔	برکۃ الحبشیۃ	حضرت ام حبیبہؓ (۸۴)
۱۴۔	ام عیاش	خادمہ رسول ﷺ (۸۵)
۱۵۔	امیمہ	خادمہ رسول ﷺ (۸۶)
۱۶۔	میمونہ بنت سعد	خادمہ رسول ﷺ (۸۷)
۱۷۔	حضرت خولہ	خادمہ رسول ﷺ (۸۸)
۱۸۔	ام مجن	خادمہ رسول ﷺ (۸۹)
۱۹۔	سیدہ روضہ	مدنی خاتون کی خدمت گزار (۹۰)
۲۰۔	ابریہ	نجاشی کی خدمت گزار (۹۱)

گویا کہ عہدِ نبوی ﷺ میں خواتین کی ایک کثیر تعداد اس پیشہ سے وابستہ تھی اور دورِ حاضر میں بھی معاشی طور پر کمزور متعدد خواتین گھروں میں کام کر کے کماتی ہیں۔ لیکن عصرِ حاضر میں اس پیشہ کو عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا حالانکہ محنت کرنے میں کوئی عار نہیں۔

۱۱۔ مشاطگی (سجانے اور سوارنے کا کام) Beauty Parloring

اسلام دینِ حسن و جمال ہے اور خوبصورتی کو پسند فرماتا ہے۔ عہدِ نبوی میں بھی خواتین میں زیب و زینت اور آرائش و زیبائش کا رجحان موجود تھا بلکہ متعدد خواتین ایسی تھیں جو اس فن میں مہارت رکھتی تھیں اور دوسری خواتین کو سجاتی سنوارتی تھیں۔ مثلاً:

حدیث سے ثابت ہے کہ چند انصاری خواتین نے حضرت عائشہ کو دلہن بنایا فرماتی ہیں:

"فاسلمتنی البھن ، فاصلخن من شأنی"(۹۲)

(میری والدہ نے مجھے ان (انصاری خواتین) کے سپرد کر دیا اور انہوں نے مجھے سنوارا۔)

اسماء بنت یزید اشلیہ مشاطگی میں مہارت رکھتی تھیں اور انہوں نے حضرت عائشہؓ کی مشاطگی کی تھی۔(۹۳)

بسرہ بنت صفوان کے متعلق مذکور ہے کہ: انھا کانت ماشطة نقین السأبمکة(۹۴)

(وہ کنگھی کرنے والی خاتون تھیں اور مکہ کی عورتوں کو سجاتی سنوارتی تھیں۔)

ام غیلان دوسیہ: ان کا تعلق قبیلہ دوس سے تھا کانت تمشط النسأ(۹۵)

ام سنان اسلمیہ بیان کرتی ہیں کہ: کنت فیمن حضر عرس صفیة فشطناھا(۹۶)

(ہم میں حضرت صفیہ کی شادی میں موجود تھی ہم نے ان کو بنایا سنوارا۔)

ام رعلہ: یہ خاتون پیشہ ور مشاطہ تھیں انہوں نے آپ ﷺ سے باقاعدہ اس پیشہ کو اختیار کرنے کی اجازت لی اور آپ ﷺ نے فرمایا:

"یا ام رعله قینیهن و زینتهن اذا کسدن"(۹۷)

(اے ام رعلہ! انہیں (خواتین) زیب و زینت سے آراستہ کر دیا کرو جب وہ ماند پڑھ جائیں۔)

یعنی عہدِ نبوی میں اس فن میں مہارت رکھنے والی خواتین نے اس کو اپنے لیے آمدنی کا ذریعہ بنایا ہوا تھا۔ دورِ حاضر میں بھی خواتین کی کثیر تعداد اس شعبہ سے وابستہ ہے اور اس کو (Beauty Parlor) کا نام دے دیا گیا ہے۔

الغرض احادیث و روایات اور مختلف شواہد واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ عہدِ نبوی میں خواتین نے حصولِ رزق حلال کے لیے مختلف معاشی سرگرمیوں میں حصہ لیا۔

حالات کے پیشِ نظر انہوں نے اپنی اور اپنے گھر والوں کی معاشی ضروریات کو پورا کیا اور اپنے وقت اور ہنر و فن کا درست استعمال کر کے اسلامی معاشرہ میں فعال اور مثبت کردار ادا کیا۔ لہٰذا دورِ حاضر میں بھی مسلمان خواتین ان کے نقشِ قدم پر عمل پیرا ہو کر حدود و قیود کا خیال رکھتے ہوئے حالات و ضروریات کے تقاضوں کے مطابق اپنی معاشی ضروریات کی خود کفیل ہو سکتی ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ الملک: ۱۵ ۲۔ الحجر: ۲۰ ۳۔ الجمعۃ: ۱۰
۴۔ احمد بن حنبل، امام، المسند، بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ، ۲۰۰۱ء، حدیث نمبر: ۲۶۴۸۵
۵۔ بیہقی، احمد بن حسین، امام، السنن الکبریٰ، بیروت: دار المعرفہ، ۱۳۴۴ھ، کتاب البیوع، باب: اباحۃ التجارۃ، حدیث نمبر: ۱۰۳۹۸

۶۔ قشیری، مسلم بن حجاج، امام۔۔۔ بیروت: دارالکتب العلمیۃ، ۱۹۹۱ء، کتاب الزکوۃ، باب: النھی عن المسألۃ، حدیث نمبر: ۳۳۰۱

۷۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، امام، الجامع الصحیح المسند المختصر من امور رسول ﷺ وسننہ وایامہ، بیروت: دار ابن کثیر، ۲۰۰۲ء، کتاب البیوع، باب: کسب الرجل وعمل بیدہ، حدیث نمبر: ۲۵۷۲۰

۸۔ ایضاً، کتاب الاجارۃ، باب: رعی الغنم علیٰ قراریط، حدیث نمبر: ۲۲۶۲

۹۔ الاعراف: ۱۰

۱۰۔ محمد بن سعد، امام، الطبقات الکبریٰ، بیروت: دار صادر، ۱۹۸۸ھ، ج: ۸، ص: ۳۱

۱۱۔ ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، ابوالفدا، البدایۃ والنھایۃ، لاہور: المکتبۃ القدوسیہ، ۱۹۸۴ء، ج: ۸، ص: ۲۶۶

۱۲۔ ابن ماجہ، محمد بن یزید، امام، سنن ابن ماجہ، کراچی: مطبوعہ نور محمد، س۔ن، کتاب التجارات، باب: السوم، حدیث نمبر: ۲۲۰۴

۱۳۔ ابن اثیر، محمد بن محمد بن عبدالکریم، اسدالغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، بیروت: دارالکتب العلمیۃ، س۔ن، ج: ۷، ص: ۲۶۰

۱۴۔ ایضاً، ص: ۱۰۸ ۱۵۔ ایضاً، ص: ۸۱

۱۶۔ ابن حجر، احمد بن علی عسقلانی، الاصابۃ فی تمھیز الصحابۃ، مصر: دار صادر، ۱۳۲۸ھ، ج: ۴، ص: ۲۵۲

۱۷۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، امام، الصحیح البخاری، کتاب البیوع، باب: البخار، حدیث نمبر: ۱۹۵۵

۱۸۔ ابن اثیر، محمد بن محمد عبدالکریم، اسدالغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، ج: ۷، ص: ۱۰۸

۱۹۔ ابن حجر، احمد بن علی عسقلانی، الاصابۃ فی تمھیز الصحابۃ، ج: ۴، ص: ۴۹۷

۲۰۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، امام، الصحیح بخاری، کتاب الجمعۃ، باب: قول اللّٰہ تعالیٰ فاذا قضیت الصّلوٰۃ۔۔۔، حدیث نمبر: ۹۳۸

۲۱۔ قشیری، مسلم بن حجاج، امام، الجامع الصحیح، کتاب الطلاق، باب: جواز خروج المعتدۃ البائن المتوفی عنھا روجھا فی النھار الحاجتھا، حدیث نمبر: ۱۴۸۳

۲۲۔ ایضاً، کتاب المسافاۃ والمزارعۃ، باب: فضل العروس والزرع، حدیث نمبر: ۱۵۵۲

۲۳۔ ایضاً، کتاب الجہاد والسیر، باب: ردالمھاجرین الی الانصار مائحھم، حدیث نمبر: ۱۷۷۱

۲۴۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، امام، الصحیح بخاری، کتاب الزکوۃ، باب: حرص التمر، حدیث نمبر: ۱۴۸۱

۲۵۔ ابن حجر، احمد بن علی عسقلانی، الاصابۃ فی تمھیز الاصاحبہ، جلد نمبر: ۴، ص: ۲۸۴

۲۶۔ الوداؤد، سلیمان بن اشعث، امام، سنن ابوداؤد، بیروت: المکتبۃ العصریۃ، س۔ن، کتاب البیوع، باب: فی التشدید ذلک، حدیث نمبر: ۳۴۰۱

۲۷۔ یٰسین مظہر صدیقی، ڈاکٹر، نبی اکرم ﷺ اور خواتین، لاہور: میٹرو پرنٹرز، ۲۰۱۱ء، ص: ۱۱

۲۸۔ ابوداؤد، سلیمان بن اشعث، امام، سنن ابوداؤد، کتاب الجہاد، باب: فی المرأۃ والعبد یجریان من الغنیمۃ، حدیث نمبر: ۲۷۲۹

۲۹۔ واقدی، محمد بن عمر، کتاب المغازی، مقام اشاعت ندارد: نشر دانش اسلامی، ۱۴۰۵ھ، ص: ۲۰۳

۳۰۔ بخاری، امام، الجامع الصحیح، کتاب الجہاد والسیر، باب: مداواۃ النساء الجرحی فی الغزو، حدیث نمبر: ۲۸۸۲

۳۱۔ مسلم، امام، الجامع الصحیح، کتاب الجہاد، والسیر، باب: غزوۃ النساء مع الرجال، حدیث نمبر: ۲۱۷۷

۳۲۔ قرطبی ، یوسف بن عبداللہ ، امام ، الاسبعاب فی معرفۃ الاصحاب ، بیروت: دارالفکر، ۲۰۰۶ء، ج:۲، ص:۵۶۴
۳۳۔ ابن حجر،عسقلانی،الاصابۃ فی تمہیز الصحابۃ ، ج:۴،ص: ۲۷۵
۳۴۔ محمد بن سعد،امام،الطبقات الکبری، ج:۸،ص:۲۹۲
۳۵۔ ایضاً،ص:۳۰۲
۳۶۔ مسلم،امام،الجامع الصحیح ،کتاب الجہادوالسیر ،باب: عدد غزوات النبی ﷺ،حدیث نمبر: ۲۱۷۵
۳۷۔ ایضاً، باب: غزوۃ النساء مع الرجال،حدیث نمبر: ۲۱۷۸
۳۸۔ بخاری،امام،الصحیح البخاری،کتاب الجہادوالسیر ،باب: جمل النساء القرب الی الناس فی الغزو،حدیث نمبر: ۲۸۸۱
۳۹۔ محمد بن سعد،امام،الطبقات الکبری، ج:۸،ص:۴۱۳
۴۰۔ ابن حجر،عسقلانی،الاصابۃ فی تمہیز الصحابۃ ، ج:۴،ص:۴۳۳
۴۱۔ ابوداؤد،سلیمان بن اشعث ،امام،سنن ابوداؤد، کتاب الجہاد، باب: فی المرأۃ والعبد یحزیان من الغنیمۃ ، حدیث نمبر: ۲۷۲۹
۴۲۔ ابن حجر،عسقلانی،الاصابۃ فی تمہیز الصحابۃ ، ج:۴،ص: ۴۱۸
۴۳۔ مسلم،امام،الجامع الصحیح ،کتاب الجاہدوالسیر ،باب: غزوۃ السامع الرجال،حدیث نمبر: ۲۱۷۵
۴۴۔ ابن حجر،الاصابۃ فی تمہیز الصحابۃ ، ج:۴،ص:۴۴۱
۴۵۔ ایضاً،ص: ۴۲۵
۴۶۔ قرطبی، یوسف بن عبداللہ،امام،الاسبعاب فی معرفۃ الاصحاب، ج:۲،ص: ۵۷۹
۴۷۔ ابن حجرعسقلانی،الاصابۃ فی تمہیز الصحابۃ ، ج:۴،ص:۴۶۹
۴۸۔ ایضاً،ص: ۴۷۵
۴۹۔ محمد بن سعد،امام،الطبقات الکبری، ج:۸،ص: ۴۵۹
۵۰۔ ابن حجر،عسقلانی،الاصابۃ فی تمہیز الصحابۃ ، ج:۴،ص: ۴۹۷
۵۱۔ ایضاً،ص: ۴۵۰
۵۲۔ محمد بن سعد،امام،الطبقات الکبریٰ، ج:۸،ص:۲۹۲
۵۳۔ ایضاً،ص:۲۹۳
۵۴۔ ابن حجر،عسقلانی،الاصابۃ فی تمہیز الصحابۃ ، ج:۴،ص: ۳۹۷
۵۵۔ ابوداؤد،سلیمان بن اشعث ،امام،سنن ابوداؤد، کتاب الجہاد، باب: فی المرأۃ والعبد یجزیان من الغنیمۃ ، حدیث نمبر: ۲۷۲۹
۵۶۔ ابوداؤد،سلیمان بن اشعث ،امام،سنن ابوداؤد، کتاب الطب، باب: فی الرقی،حدیث نمبر: ۵۸۸۷
۵۷۔ محمد عبدالمعبود، تاریخ مدینۃ المنورہ، لاہور: مکتبہ رحمانیہ، ۱۹۹۹ء،ص: ۲۴۰
۵۸۔ بخاری،محمد بن اسماعیل،امام،الجامع البخاری، کتر اب البیوع، باب: النساخ،حدیث نمبر:۲۵۹۳
۵۹۔ ابن اثیر،علی بن محمد،اسدالغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ ، ج: ۷،ص:۱۲۲

٦٠۔ مسلم، امام، الجامع الصحیح، کتاب النکاح، باب: عذب من رأی امرأۃ۔۔۔حدیث نمبر: ۱۴۰۳

٦١۔ ابن حجر، عسقلانی، الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، ج:۴، ص:۲۸٦

٦٢۔ ایضاً ص: ۳۴۵

٦٣۔ ابن اثیر، علی بن محمد، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، ج:۷، ص:۲۲٦

٦۴۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، امام، الجامع البخاری، کتاب اللباس، باب: لیس القیسی، ترجمۃ الباس

٦۵۔ ابوداؤد، سلیمان بن اشعث، امام، سنن ابوداؤد، کتاب اللباس، باب: فی الحمرۃ، حدیث ۴۰۷۱

٦٦۔ ابن اثیر، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، ج:۷، ص:۲۵۱

٦۷۔ مسلم، امام، الجامع الصحیح، کتاب المساجد ومواضع الصلوۃ، باب: تحریم الکلام فی الصلوۃ، حدیث نمبر: ۵۳۷

٦۸۔ ابن حجر، عسقلانی، الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، ج:۴، ص: ۳۳۰

٦۹۔ ایضاً ص: ۲۴۴

۷۰۔ ابن اثیر، علی بن محمد، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابۃ، ج:۷، ص: ۱۴٦

۷۱۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، امام، الجامع البخاری، کتاب الذبائح ولعید، باب: ذبیحۃ المرأۃ والأمۃ، حدیث نمبر: ۵۵۰۵

۷۲۔ ابن حجر، عسقلانی، الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، ج:۴، ص: ۴٦۱

۷۳۔ ایضاً ص: ۴۹۷ ۷۴۔ ایضاً ص: ۵۰۱

۷۵۔ ایضاً ص: ۳۳۳ ۷٦۔ ایضاً ص: ۳۵۱

۷۷۔ ایضاً ص: ۳۸۷ ۷۸۔ ایضاً ص: ۲۸۵

۷۹۔ ابن اثیر، علی بن محمد، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، ج:۷، ص: ۳۵

۸۰۔ ایضاً ص: ۱۱۱ ۸۱۔ ایضاً ص: ۱۷۰

۸۲۔ ابن حجر، عسقلانی، الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، ج:۴، ص: ۳۰۲

۸۳۔ ایضاً ص: ۲۵۱ ۸۴۔ ایضا ص: ۲۴۹

۸۵۔ ایضاً ص: ۴۸۱ ۸٦۔ ایضاً ص: ۲۴۸

۸۷۔ ایضاً ص: ۴۱۳ ۸۸۔ ایضاً ص: ۲۹۴

۸۹۔ بخاری، امام، الجامع البخاری، کتاب الصلوۃ، باب: کنس المسی والنقاط۔۔۔، حدیث نمبر: ۴۵۸

۹۰۔ ابن اثیر، علی بن محمد، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، ج:۷، ص: ۱۲۱

۹۱۔ محمد بن سعد، امام، الطبقات الکبری، ج:۸، ص: ۱۳۱

۹۲۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، امام، الجامع البخاری، کتاب المناقب الانصار، باب: ترویج النبی ﷺ، عائشہ۔۔۔، حدیث نمبر: ۳۸۹۴

۹۳۔ ابن اثیر، علی بن محمد، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، جلد نمبر: ۷، ص: ۱۸

۹۴۔ ابن حجر، عسقلانی، الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، ج:۴، ص: ۲۵۲

۹۵۔ ایضاً ص: ۴۸۲ ۹٦۔ ایضاً ص: ۴٦۲

۹۷۔ ایضاً ص: ۴۴۹

میکسم روڈنسن بحیثیت سیرت نگار ـــــ ایک تجزیاتی مطالعہ

محمد اکرم ساجد☆

Abstract:

"Maxim Rodinson (1915-2004) a French orientalist wrote his book, "Muhammad" in social and communist perspectives. He claims to be a modern orientalist. He writes for secular and agnostic people. An author of many books Maxime Rodinson writes on, the different aspects of Prophet's (Peace be upon him) life particularly revelation, Jehad and polygamy. He uses very hard, abused language desiring, to be praised, but he neglected the fact that he cannot deceive people in guise of obolete words. Rodinson's biography does not match the true spirit of balanced writing and impartial description. He, infact, desired to inflame the enmity already prevailing in Europe. The intellectuals rejected the book badly. Maxim Rodinson depicted the personality of Muhammad (Peace be upon him) in the peculiar secular culture of France of the 20th century. He claims he is writing in a new style but forgot he infact is discussing, the most respectable personality of the world."

سیرت النبی ﷺ ایک ایسا موضوع ہے جس پر ہر دور میں بہت زیادہ لکھا گیا ہے۔ سیرت النبی ﷺ پر قلم اٹھانے والوں میں مسلمان بھی ہیں اور غیر مسلم بھی۔ غیر مسلموں میں دو نقطہ ہائے نظر کے مصنّفین رہے ہیں۔ ایک وہ جو آپ ﷺ کو ایک تاریخ ساز ہستی کے طور پر دیکھتے ہیں دوسرے وہ جو معاندانہ انداز سے سیرت پر لکھتے ہیں۔ زیرِ نظر مضمون میں ماضی قریب کے ایک ہم عصر مستشرق میکسم روڈنسن کی سیرت نگاری میں کاوش کا ناقدانہ جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

☆ لیکچرر علومِ اسلامیہ، گورنمنٹ کالج ٹاؤن شپ، لاہور

میکسم روڈنسن ۱۹۱۵ء میں مارسلیس، پیرس، فرانس میں پیدا ہوئے۔ان کے والدین ایک متوسط کیمونسٹ خاندان سے تعلّق رکھتے تھے۔ان کے خاندان کو پولینڈ سے نکال دیا گیا۔(۱) ان کے والد پیرس کے جیوش ورکرز ٹریڈ یونین کے بانیوں میں سے تھے۔ابتدائی تعلیم پیرس ہی سے حاصل کی۔ تیرہ سال کی عمر میں انھوں نے Errand Boy (لوگوں کو بازار سے سودا سلف لا کر دینے والا) کی حیثیت سے متحرک اور سرگرم زندگی کا آغاز کردیا۔(۲) ۱۹۳۲ء میں انھوں نے سترہ سال کی عمر میں Ecolo Des Language Orientals سے مقابلہ کا امتحان پاس کیا۔ یہ امتحان زبانوں میں ماہر ہونے کے بارے میں صرف فرانس میں ہی منعقد ہوتا ہے۔اس طرح وہ تیس زبانوں، ان کے لہجوں اور ادائیگی کے ماہر بن گئے۔(۳)

۱۹۴۰ء میں انھوں نے عملی زندگی کا آغاز کیا۔انھوں نے فرنچ انسٹیٹیوٹ آف عرب اسٹڈیز دمشق میں ملازمت اختیار کی۔ وہاں پر میکسم روڈنسن نے دمشق کی نیشنل لائبریری میں بہت سی نادر و نایاب عربی کتب جمع کیں۔ ۱۹۵۵ء میں Ecolo Partique Des Hauts Etudes میں بطور استاد اپنے فرائض کا آغاز کیا۔ ۱۹۵۹ء میں ایتھوپیا کی زبانوں کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ یہاں پر آپ نے اپنی ریٹائرمنٹ تک کام کیا۔ آپ بہت سے تعلیمی اعزازات سے نوازے گئے۔جن میں سے ایک Chevalliar De La Legiond Honour بھی تھا۔ وہ برٹش اکیڈمی کے ممبر بھی رہے۔(۵)

میکسم روڈنسن فرانسیسی مورخ، ماہر عمرانیات اور ایک ماہر مستشرق تھے۔انھوں نے استشراق کے متعلّقہ زبانوں کا مطالعہ کیا۔فرانس میں انھیں اسرائیل پر تنقید کرنے کے حوالے سے شہرت ملی۔(۶) روس سے ان کے انخلاء کی وجہ ان کے سیاسی نظریات کا ٹکراؤ تھا۔میکسم روڈنسن کی تربیت سٹالن کے مداح اور یہودی مذہبی بنیاد پرستی کے متضاد خیالات والے ماحول میں ہوئی۔انھوں نے اور ان کے بہن نے کبھی بھی عبرانی زبان نہیں سیکھی۔(۷) پروفیسر میکسم روڈنسن کو یہودی نسل پرستی کے مخالف نظریات کا حامل ہونے کا الزام بھی سننا پڑا کیونکہ وہ فلسطینیوں کے حقِ خود آبادیت کے حامی تھے۔اگر چہ بعد میں اس سے انحراف کرلیا۔ ۱۹۹۵ء میں انھیں Rationale Organization نے انعام سے بھی نوازا۔

موصوف اپنے مضمون The Path to Survival میں عرب اسرائیل تنازعہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''اسرائیل کے قیام کے وقت ہی اعتدال پسند یہودیوں کا خیال تھا کہ یہاں یہودی ریاست قائم نہ کی جائے اور اگر یہ قائم ہوگئی تو اس ریاست کا زیادہ دیر تک قائم رہنا مشکل ہے روڈنسن کا خیال ہے کہ چونکہ اسرائیل یک طرفہ کارروائیں کرتا ہے لہٰذا کوئی بھی ملک محض طاقت کے بل بوتے پر زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکتا۔اگر اشتراکی ممالک بھی سرمایہ دار ملکوں کی طرح اسرائیل کی کھل کر اور پوری طرح سے حمایت کریں تو اسرائیل

کی کچھ عمر بڑھ سکتی ہے لیکن ان عربوں کا کیا قصور ہے جو محض کمزور ہونے کی وجہ سے مار کھا رہے ہیں۔ اس سے بہتر ہے انھیں ذبح کر کے بحیرہ احمر میں پھینک دیں۔''(۹)

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ میکسم روڈنسن کے خیالات میں تبدیلی آتی گئی۔ فلسطینیوں کے اتنے بڑے حمایتی اور مددگار کے خیالات میں یک دم ایک منفی موڑ آیا اور وہ فلسطینیوں اور اسرائیلیوں کی صلح کے حامی ہو گئے۔ ان کے درمیان پرامن مذاکرات کی بات کرنے لگے روڈنسن کے خیال میں اسرائیلی توسیع پسند نہیں ہیں بلکہ اب وہ ایک قومی وجود رکھتے ہیں لہٰذا یہودیوں کے اجتماعی حقوق ہیں اور فلسطینیوں کو ان کا احترام کرنا چاہیے۔(۱۰) اس وجہ سے وہ فلسطین لبریشن آرگنائزیشن سے بھی اختلاف رکھتے تھے۔ میکسم روڈنسن کا خیال ہے کہ وہ الجیریا کے معاملے سے دھوکہ نہ کھائیں کہ انھوں نے فرانسیسی کالونی کو وہاں سے ختم کر دیا تھا ان کے اور فلسطینیوں کے معاملہ میں بڑا فرق ہے۔ پھر وہ اسرائیل کو بھی تنبیہ کرتے ہیں کہ وہ یورپ کا حصہ بننے کی کوشش نہ کرے۔ وہ صرف مشرق وسطیٰ کا ہی حصہ رہے۔ اپنے پڑوسیوں سے مل کر رہنا سیکھے۔ فلسطینیوں سے ناانصافی کرنا چھوڑ دے اور افہام وتفہیم کا رویہ اپنائے۔(۱۱)

میکسم روڈنسن نے اسلام کا مطالعہ مارکسی اور اشتراکی نقطہ نظر سے کیا۔ اپنی کتاب ''اسلام اور کیپٹلزم'' میں میکسم روڈنسن نے یورپ میں سرمایہ دارانہ نظام کے پھیلاؤ اور پروٹسٹنٹ فرقہ کے عروج بارے لکھا۔ انھوں نے اس بات کی نفی کی کہ اسلام سرمایہ داری کی مخالفت کرتا ہے۔ انھوں نے اسلام کے معاشرتی پہلو پر بھی لکھا۔(۱۲)

دوسری جنگ عظیم کے دوران ۱۹۴۰ء میں وہ فرنچ انسٹیٹیوٹ آف دمشق میں ملازمت کرتے رہے۔ یہاں پر انھوں نے اسلام پر اپنے مطالعہ کو وسعت دی۔ زندگی کے بقیہ سات سال انھوں نے لبنان کے شہروں سیدون اور بیروت میں گزارے۔ ۱۹۴۸ء میں میکسم روڈنسن پیرس کے ادارے Bibliotheque Nationale میں لائبریرین بن گئے۔ یہاں انھیں لائبریری کے مسلم سیکشن کا انچارج بنا دیا گیا۔ ۱۹۵۵ء میں انھیں Ecole Partique Des Hautes Etudes میں ڈائریکٹر آف اسٹڈیز بنا دیا گیا۔ چار سال بعد وہ ایتھوپیائی زبان کے پروفیسر بن گئے۔ اسی دوران انھوں نے کمیونسٹ پارٹی کو خیرباد کہہ دیا۔ ان پر اس سلسلہ میں دو الزامات تھے:

۱۔ کہ وہ اپنی پیشہ وارانہ سرگرمیوں سے تجاوز کر رہے تھے۔

۲۔ انھوں نے سٹالن کے جنگی جرائم پر شدید تنقید کی تھی۔

ایک تیسری وجہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ ان کے عقائد ونظریات پر الحاد کا قبضہ ہو گیا اور انھوں نے اپنے آپ کو Agnostic قرار دے دیا تھا۔ ۱۹۶۱ء میں لکھی گئی کتاب ''محمدؐ'' نے انھیں شہرت کی بلندی پر پہنچا دیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ میکسم روڈنسن نے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارکہ کا معاشرتی اور اشتراکی نقطہ نظر سے مطالعہ کیا جسے چند یورپی اور اشتراکی ممالک نے بہت سراہا لیکن عرب

ملکوں میں اس کتاب کی اشاعت اور خرید وفروخت سختی سے ممنوع ہے۔ اس کے پانچ سال بعد ان کی کتاب Islam and Capitalism منظرِ عام پر آئی۔ اس میں انھوں نے بتایا کہ مسلمان معاشی طور پر کیوں زوال پذیر ہوئے۔ (۱۳)

میکسم روڈنسن پر زیادہ تر جو کچھ لکھا گیا ہے۔ وہ بحیثیت مستشرق ان کے کارنامے ہیں لیکن ان کا غیر معمولی اور منفرد کام یہ ہے کہ وہ مستشرق اور یورپی ہوتے ہوئے بھی اپنے ذہن میں یہ سچ لانے کی کوشش کرتے ہیں کہ یورپ کی استعماری اور توسیع پسندانہ سوچ ہے کہ اسرائیل کو شہہ دے کر عربوں کے سینے میں ایسا خنجر بھونپا جائے جو یورپ کے مفاد میں ہو اور ایشیا میں خصوصاً اسلام کو مسائل سے دوچار رکھا جائے درحقیقت یہ جدید توسیع پسندانہ سوچ ہے۔ (۱۴)

میکسم روڈنسن اسلامی ریاست کے قیام بارے لکھتے ہیں کہ یہ مطلق العنان ہوتی ہے اور آئندہ جو ریاست قائم ہوگی وہ بھی اپنے خیالات ونظریات زبردستی اپنی رعایا پر ٹھونس دے گی۔ اس کی پولیس معاشرتی قوانین نافذ کرنے میں زبردستی کرے گی اور اپنے مذہبی نظریات قدیم اسلامی ریاستوں کی طرح جبراً نافذ کرے گی۔ پھر وہ یورپی حکومتوں سے اس کا موازانہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یورپ میں ایسا نہیں ہوتا۔ (۱۵)

کلاڈیا روڈن Claudia Roden لکھتی ہیں میکسم روڈنسن متنوع الجہت شخصیت تھے وہ تاریخ میں داستان رقم کر گئے وہ نہ صرف اعلیٰ پائے کے مصنّف تھے بلکہ ان کی تحریر میں ادبی چاشنی اور گہری مقصدیت چھپی ہوئی تھی۔ انھوں نے زندگی کے مختلف پہلوؤں پر لکھا اگرچہ ان کی شہرت کا باعث ان کی کتاب ''محمد'' ہے لیکن وہ عربوں کے کھانے پکانے کے انداز سے لے کر ان کھانوں کے ذوق، قرونِ اولیٰ کے تمدن، اسلامی تہذیب، اس تہذیب کی خصوصیات اور اس کا یورپی تہذیب سے کہیں برتر ہونا جیسے موضوعات پر بھی اظہار خیال کرتے ہیں۔ (۱۶)

فے روک مارڈم بے Farouk Mardam Bey لکھتے ہیں میکسم روڈنسن وسیع مطالعہ کے حامل اور کثیر التصانیف تھے۔ وہ بیک وقت فلسفی، سائنس دان، ماہر عمرانیات، مورخ، ادیب، سیاستدان نہ جانے اور کتنی صلاحیتوں کے مالک تھے۔ انھوں نے کل ملا کر ۸۰۰ مضامین و کتب اور اداریئے لکھے۔ انھوں نے زندگی کا ہر لمحہ مسلسل علم کی لگن اور تصنیف و تالیف میں گزارا۔ (۱۷) فریڈ ہالیڈے Fred Halliday لکھتے ہیں میکسم روڈنسن بڑی گہرائی میں جا کر مطالعہ کرتے ہیں۔ وہ یہودی ریاست کے محض اس لیے مخالف تھے کہ اسرائیل جبراً قومیت کے نام پر پوری دنیا پر یہودیت تھوپنا چاہتا تھا۔ (۱۸) میکسم روڈنسن روس کے توسیع پسندانہ عزائم پر بھی کھل کر تنقید کرتے رہے۔ (۱۹)

میکسم روڈنسن لکھتے ہیں کہ گھر کے اندر کی غربت کی وجہ سے ان کے تعلّقات دوسرے بہن بھائیوں میں کبھی بھی خوشگوار نہ رہ سکے۔ ان کی اپنی بہن سے اکثر لڑتی رہتی تھی۔ ان کی والدہ کپڑے سی کر

گزارہ کرتی تھیں۔ ان کے گھر میں غربت کے ڈیرے تھے حتیٰ کہ کھانا کھانے کے برتن بھی پورے نہ تھے۔ اس وجہ سے جب وہ پرائمری سکول میں پڑھنے لگے تو انھیں کھانا کھانے کے آداب بھی نہیں آتے تھے۔[۲۰] مائیکل ینگ Michael Young لکھتے ہیں کہ میکسم روڈنسن اسرائیلی یہودیوں کو Neo-Conservates لکھتے ہیں کہ یہ جدید جاہل ہیں وہ اس کی توضیح یہ کرتے ہیں کہ یہ جدید ہونے کا بھی دعویٰ کرتے ہیں اور مذہب سے بھی چمٹے ہوئے ہیں۔[۲۱]

ڈگلس جوہانسDougelas Johnson لکھتے ہیں فرانسیسی مورخ اور ماہر عمرانیات پروفیسر میکسم روڈنسن عربوں اور اسلام پر لکھنے کے ماہر ہیں ان کی مارکسزم سے مراد یہ ہے کہ انھوں نے اسلام کا معاشی اور معاشرتی حالات کے پس منظر میں جائزہ لیا۔ وہ اسلام کا عیسائیت سے تقابل بھی کرتے ہیں۔ وہ اسلام کی نسبت موجودہ مسلمانوں کے بارے میں زیادہ لکھتے ہیں۔ میکسم روڈنسن عوامی حلقوں میں ہمیشہ متنازعہ شخصیت گنے جاتے تھے۔ ۱۹۹۹ء میں ان کی کتاب ''محمدؐ'' قاہرہ میں امریکن یونیورسٹی کے نصاب سے خارج کر دی گئی تھی۔ مختلف جگہوں پر خدمات انجام دے کر وہ ۲۰۰۴ء میں فوت ہوئے ان کے دو بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔[۲۲]

میکسم روڈنسن نے The Journal کے صحافی کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ اسرائیل کے قیام نے دیگر ملکوں میں بسنے والے یہودیوں کو بھی غیر محفوظ بنا دیا ہے۔ وہ واضح کرتے ہیں کہ یہودی نسل پرستی نے اضافی رکاوٹیں کھڑی کر دی ہیں جو یہودی قوم کے استحکام میں بھی منفی کردار ادا کر رہی ہیں۔[۲۳]

میکسم روڈنسن کی تصانیف

ان کی بیشتر تصانیف فرانسیسی زبان میں ہیں۔ ان کی معروف کتابوں کے نام درج ذیل ہیں:

1. Muhammad
2. Marxism and the Muslim World
3. Israel and the Arabs
4. Israel a Colonial Settler State
5. The Arabs
6. Islam and Capitalism
7. Europe and the Mystique of Islam
8. Marxist, Leninist Scientific Atheism and the Study of Religion and Atheism in USSR
9. The Persistence of the Jewish Question
10. Why Palestinians Fight Israel[24]

زیرنظر مضمون میں میکسم روڈنسن کی تالیف ''محمد'' کا جائزہ لینا مقصود ہے۔ کس طرح سے وہ حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کرتے ہیں۔ (۲۵) پھر میکسم روڈنسن لفاظی کے پردہ میں حق چھپا لیتے ہیں۔ آئندہ سطور میں انہی حقائق پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔

سیرت محمدی ﷺ پر لکھنے کے مختلف انداز

آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارکہ کے بارے میں بے شمار کتابیں دنیا کی مختلف زبانوں میں لکھی گئی ہیں یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ سائنس کے برعکس سیرت کا موضوع ایک جامد مضمون دکھائی دیتا ہے کہ اس کی بنیادی معلومات وتعداد میں تو اضافہ نہیں ہوسکتا لیکن اندازِ بیان، نتائج اخذ کرنے کا طریقہ کار اور لکھنے کی ترتیب کے اعتبار سے تالیفات مختلف ہوسکتی ہیں۔ (۲۶)

سیرت طیبہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر لکھتے ہوئے عمومی طور پر ابن اسحاق اور ابن ہشام کا انداز ہی اختیار کیا جاتا ہے۔ لیکن چند نادر اور نایاب دماغوں نے تجزیہ اور تنقید وتبصرہ کا طریقہ بھی اختیار کیا بعض حضرات نے اغیار واعداء کے الزامات کا جواب دینے کی قابل ستائش کوشش بھی کی۔ ابن اسحاق اور ابن ہشام کے بعد عبدالرحمٰن بن عبداللہ اور امام سہیلی نے دستیاب روایات کو تنقید کے معیار پر پرکھ کر تجزیاتی بصیرت کا ثبوت دیا اور مفصّل سیرت نگاری کی بنیاد ڈالی۔ حافظ ابن کثیر اور ان کے رفقاء نے روایات سیرت کے ساتھ ساتھ احادیث اور اخبار محدثین کا بھی اضافہ کر دیا۔ جزئیات نگاری اور تفصیل وتشریح کی ایک نئی مطعون سیرت واقدی نے ایجاد کی۔ اردو میں بیانیہ اور تجزیاتی مطالعہ کی حامل سیرت کی کتاب شبلی نعمانی کی ہے۔

قرآن وحدیث سیرت کا بنیادی مآخذ

مستشرقین کا یہ الزام بے بنیاد ہے کہ انھوں نے پیغمبر اسلام محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو انسانی اور بشری لحاظ سے دیکھا ہے اور اس اعتبار سے ان پر ہر قسم کا تبصرہ ممکن ہے۔ اگر کسی چیز کو جانچنے کا معیار حق ہے تو مسلمان سیرت نگاروں جیسے حافظ ابن حجر عسقلانی اور دوسرے ماہرین حدیث نے اہل سیرت کی روایات کی تصدیق وترجیح کے ذریعے تائید کر دی اور تمام تر بحث کو اس انداز سے سمیٹ دیا کہ انسانی عقل و فکر کے تمام گوشے اس سے اپنے سبھی سوالات کے تسلیّ بخش جوابات پا سکیں۔ (۲۷)

جانب داری سے احتراز

ابن خلدون جانبدار تاریخ نگاری کو ان سات بڑے جرائم تحریر اور گناہ نگارش خیال کرتے ہیں جس سے لکھنے والا اپنے خبث باطن اور تنگ نظری کا شکار ہو جاتا ہے۔ لہٰذا کسی بھی تحریر میں قابل غور بات یہ ہے کہ لکھنے والا بات کو کتنا توڑ مروڑ کر غلط رنگ دینے، آدھا سچ لکھنے اور بغیر وجہ کے حق کو مسترد کرنے کا جرم تو نہیں کر رہا؟ (۲۸)

یہ تسلیم کہ غیر مسلمان آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں لکھتے ہوئے احترام اور ادب کا وہ معیار اپنے ذہن میں نہ لائیں گے جو مسلمانوں کا ہو سکتا ہے لیکن مستشرقین کم از کم اسلام اور کفر یا پھر حق اور ناحق کی تمیز تو کریں کہ وہ اپنے تئیں عالم فاضل بنیں اور آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلّق جو جی میں آئے لکھ ڈالیں۔ انھیں یہ تو معلوم ہونا چاہیے کہ ایک خاص نظریے کی سرحدیں کہاں سے شروع ہوتی ہیں؟(۲۹)

میکسم روڈنسن کا ماہر زبان ہونے کا دعویٰ

ان ہی نظریات کے حامل فرانسیسی مستشرقین میکسم روڈنسن ہیں۔ اسلام دشمن حلقے خصوصاً یہود ان کی کتاب کو سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایک میزان، ایک کسوٹی (Touch Stone) قرار دیتے ہیں۔ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ لفظی بازی گری کے پردے میں زبان دانی کے ماہر میکسم روڈنسن نے چرب زبانی کر کے کروڑوں مسلمانوں کی دل آزاری کی ہے اور چاند پر تھوکنے کی ناکام کوشش بھی!(۳۰)

روڈنسن کی ذاتی زندگی کی محرومی اور کرب کا ردعمل

میکسم روڈنسن کے دورانیۂ حیات اور ان کی زندگی کے اردگرد سماجی وسیاسی حالات کا جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ ان کے والدین کے قتل، معاشی تنگ دستی، دیارِ غیر میں اجنبیت، تعلیم کے ادھورا رہ جانے اور خصوصاً گھریلو ماحول کی ناخوشگواریت کی وجہ سے ملنے والے دکھ اور کرب نے ان کی وہ ذہنی کیفیت بنا دی کہ کتمانِ حق، کینہ پروری، تعصّب، تنگ نظری اور تصویر کے ایک رخ کا مطالعہ کرنا ان کی فطرت کا حصہ بن گئے۔(۳۱)

یہ سارے مصائب موصوف کے دماغ کے ان بند گوشوں کو نہ کھول سکے جو علم کا حاصل ہے کہ یہ ایک نور ہے۔ جس میں اندھیرے کی بجائے صاف اور روشن دکھائی دیتا ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ ہستی ہیں جن کے بارے میں ان کے سامنے کے بدترین دشمن کفار ومنافقین بھی اس قسم کا کوئی بہتان و طعن نہ ایجاد کر سکے۔ سیرت نگاری پر موصوف کی کتاب محمد ان کی فرانسیسی کتاب Mohmet کا اینے کارٹر Anne Carter کا ترجمہ شدہ انگریزی ایڈیشن ہے۔ میکسم روڈنسن نے یہ کتاب ۱۹۶۱ء میں لکھی تھی۔ کلب فرانس ڈولوزے نے یہ کتاب طبع کی تھی۔ اینے کارٹر نے ۱۹۷۱ء میں اس کا انگریزی زبان میں ترجمہ کیا اور ایڈن لین پنگوئن پریس لندن نے اس کی اسی سال اشاعت کی۔

پہلے ایڈیشن کی اشاعت کے وقت میکسم روڈنسن نے آٹھ صفحات پر مشتمل طویل تبصرہ لکھا جو کہ ان کے خیالات کو جانچنے اور کتاب کے لکھنے کے مقصد کے حوالے سے تفصیلی معلومات فراہم کرتا ہے۔ دوسرے ایڈیشن کی اشاعت پر صرف دو صفحات کا تبصرہ ہے۔ کتاب کے کل سات باب ہیں جو تین سو تیرہ صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں ان میں سب سے طویل باب غزوات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہے۔

''محمدؐ'' کے دوران مطالعہ جابجا فٹ نوٹ اور حوالے بھی ملتے ہیں جن سے جناب روڈنسن اپنے خیالات کی مزید توضیح کا کام لیتے ہیں۔(۳۲)

عربی الفاظ واصطلاحات سے نابلد

موصوف نے ایک صفحہ پر مشتمل آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شجرہ نسب بھی فراہم کیا ہے، مغربی ایشیا اور عرب کی ۶۳۰ء میں جغرافیائی حالت کیسی تھی اس پر ایک نقشہ بھی بنایا ہے۔ ان دنوں مکۃ المکرّمہ اور مدینہ منورہ کا پس منظر کیا تھا اس کو بھی ایک نقشے کی مدد سے سمجھایا گیا ہے۔ اس کے بعد صفحہ نمبر ۳۲۹ تا ۳۴۲ چودہ صفحات پر مشتمل کتاب میں عربی میں استعمال ہونے والے الفاظ کی توضیحات ہیں۔ جن افراد کے نام استعمال ہوئے ہیں ان کی تشریح ہے ان ناموں کے استعمال اور ان کی توضیح میں مصنّف نے شدید ٹھوکر کھائی ہے۔ منتخب کتابیات میں مصنّف نے اپنے وسیع المطالعہ اور وسیع المشرب ہونے کا ثبوت فراہم کیا ہے۔ جناب میکسم روڈنسن نے فرانس میں منعقدہ اپنی طرز کا واحد زبانی دانی کا مقابلہ کا امتحان پاس کیا تھا اور دنیا کی تیس زبانوں کے ماہر ہونے کا دعویٰ کیا۔ اگر چہ کتاب میں مشکل الفاظ کی بھرمار ہے لیکن الفاظ کا اپنے برمحل اور موقع محل کی مناسبت سے استعمال کتاب میں کم ہی نظر آتا ہے۔ اکثر عربی الفاظ کا معانی اور سیاق وسباق سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا۔

آزادخیال مارکسٹ اور ملحد

حقیقت اس کے برعکس ہے اس لیے کہ اس کتاب میں سوائے اضداد اور بہتان کے اور کچھ نظر نہیں آتا۔ مصنّف کے مذہبی عقائد، سیاسی نظریات اور معاشی خیالات کسی دین اور مذہب کے پیرو نہیں ہیں وہ ایک آزاد خیال مارکسٹ اور ملحد ولا دین فلسفی ہیں۔(۳۳)

نفسیات کے حوالہ سے مطالعہ

انھوں نے چند کتب کے حوالے دے کر اپنی رائے کو سند کا درجہ دینے کی سعیٔ ناتمام کی ہے۔ چند معروف لغات کا حوالہ دینے کے بعد مصنّف ان انگریزی مصنّفین کا ذکر کرتے ہیں جن کے خیالات میکسم روڈنسن سے من وعن ملتے ہیں۔ ان میں تارآندرے Tor Andre جنہوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارکہ کا جائزہ نفسیات کے اصولوں کے پیش نظر کیا۔ ان ہی سے متاثر ہو کر میکسم روڈنسن بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں نفسیاتی مرض کا الزام لگاتے ہیں۔ اس کے بعد فرانسیسی مصنّف رگس بلیکرے Rigis Blackere کا تذکرہ کرتے ہیں جن کی کتاب متنازعہ ہونے کی بنا پر چھپ ہی نہ سکی۔ مصنّف منٹگمری واٹ Monttgomery Watt کا ذکر جابجا کرتے ہیں۔ واٹ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ کو دو حصوں اور دو خانوں میں بانٹ دیا تھا کہ مکی دور اور مدنی دور میں دو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تھے۔(۳۴)

ڈاکٹر محمد حمید اللہ پر تنقید

رودی پاریٹ جرمن مستشرق کا ذکر بھی وہ بڑی چاہ اور محبّت سے کرتے ہیں کیونکہ میکسم روڈنسن کے مطابق پاریٹ کا کام اگر چہ کم ہے لیکن بہت اعلیٰ پائے کا ہے دوسرا اس لیے کہ رودی پاریٹ نہ صرف میکسم روڈنسن کے ہم عہد ہیں، ہم خیال بھی ہیں۔ جہاں تک ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا تعلّق ہے چونکہ وہ میکسم روڈنسن کے ہم عصر اور فرانس میں ہی رہائش پذیر مسلمان اسکالر تھے لہٰذا ان کا ذکر روڈنسن نے ایک وسیع علم رکھنے والے کے طور پر کیا ہے۔ لیکن روڈنسن کے خیال میں وہ کوئی ''تنقیدی نگاہ رکھنے والے اسکالر'' نہیں بلکہ ان کا رویہ معذرت خواہانہ ہے۔

معاصر مستشرقین سے استفادہ

فرینس بہل Frants Buhl بھی مصنّف کے ماخذین میں شامل ہے۔ بہل کے بارے روڈنسن کے رائے ہے کہ ان سے قبل سیرت پر جتنی کتب بھی لکھی گئیں وہ ان کا نچوڑ پیش کرتے ہیں۔ ڈرمنگھم اور اینیلی ڈیل کا ذکر بھی میکسم روڈنسن اپنے پیش رووں کے طور پر کرتے ہیں۔ جاپانی اسکالر تو شکواز وشو Toshihiko Izuts عہد جہالت پر اچھا تبصرہ کرتے ہیں۔ اسی طرح ہینا زیوراس Hanna Zaeharias کو بھی وہ اپنے ماخذ میں شمار کرتے ہیں۔ مصنّف لکھتے ہیں کہ انھوں نے رچرڈ بل اور اے۔ جے۔ آربری کا ترجمہ قرآن بھی فرانسیسی زبان میں پڑھا ہے۔ ان صفحات میں مصنّف کا خیال ہے کہ ڈاکٹر حمید اللہ نے مغرب کی بہت سی غلط فہمیوں کو دور کیا ہے۔ اے۔ گلیوم کا انگریزی اور ابن اسحاق کی سیرۃ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ترجمہ شدہ حصہ بھی مصنّف کے سامنے ہے۔ اسی طرح ایک امریکی مصنّف کارلٹن، ایس کون جنھوں نے مشرق وسطی کی زندگی اور سماج پر لکھا، ان کا ماخذ ہیں۔ (۳۵)

کتاب کے آخر میں ایکسویئر فلینل Xavier De Phanhol فرانسیسی کا ذکر ہے کہ انھوں نے جغرافیائی خاکوں کی مدد سے تاریخ اسلام قلم بند کی۔

سیرت طیبہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر میکسم روڈنسن کی کتاب ''محمد'' کا جائزہ

درمیانے درج کی طباعت والی یہ کتاب کل تین سو اکسٹھ صفحات پر مشتمل ہے۔ آج سے پچاس برس قبل چھپنے والی یہ کتاب بہت اعلیٰ پائے کی کمپوزنگ کی حامل ہے۔ دیکھتے ہی کتاب خرید کر پڑھنے کو جی کرتا ہے لیکن پاکستان میں اس کتاب کی قیمت بہت زیادہ رکھی گئی ہے جو متوسط درجے کی مالی حیثیت کے حامل قاری کے لئے خرید کر مطالعہ کرنے میں سخت دشواری کا باعث ہے۔ جو ایڈیشن ۲۰۰۰ء میں چھپا میکسم روڈنسن نے اپنی وفات سے دو سال قبل اس پر جو تبصرہ لکھا وہ ۱۹۷۱ء کے ترجمہ شدہ ایڈیشن سے بہت مختلف ہے۔

موصوف نے سیرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اتنی زیادہ کتب کی موجودگی میں نئے سرے سے ایک کتاب لکھنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ہر نسل اپنی تاریخ خود لکھتی ہے۔ پھر ان کا کہنا ہے کہ میری ذاتی زندگی میں نظریات کے حوالے سے ایسے واقعات ہیں کہ وہ تضاد اور ٹکراؤ سے پُر ہیں۔ اس کی وجہ وہ خود ہی بیان کرتے ہیں کہ مارکسزم ایک ایسا نظریہ ہے جس سے انسان کے خیالات میں تبدیلی آتی رہتی ہے اسی بنا پر آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بقول روڈنسن اپنے خیالات بدلتے رہے۔ میکسم روڈنسن لکھتے ہیں میں نے واقعات کو بیان بھی کیا ہے اور ان کی توضیح بھی کی ہے۔ جسے وہ بیانیہ طرز قرار دیتے ہیں۔ اگرچہ یہ ایک خطرناک کام ہے لیکن میں نے حقائق سے مدد لے کر یہ سب کچھ مکمّل کرلیا۔ وہ لکھتے ہیں کہ انھوں نے اپنے پیش رووں سے معلومات ضرور لی ہیں لیکن انھیں نئے انداز سے پیش کیا ہے۔ ان مغربی ذرائع کے علاوہ انھوں نے ابنِ اسحاق، طبری، واقدی اور ابنِ سعد سے بھی استفادہ کیا ہے اور جب کوئی ماہر اسے پڑھے گا تو اسے اس بات کا ثبوت بھی مل جائے گا۔ (۳۶)

دیر سے سیرت لکھے جانے کا اعتراض

میکسم روڈنسن ایک روایتی اور بوسیدہ اعتراض سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ کرتے ہیں کہ یہ آپ کی وفات کے ایک سو پچیس برس بعد لکھی گئی۔ اس کا سیدھا سادھا جواب ہے کہ کسی ایک صحابی نے تمام احادیث کسی ایک کتاب میں جمع نہ کی تھی اور کوئی ایک صحابی زندگی کے ترسیٹھ برسوں میں ہر لحظہ اور ہر وقت خلوت وجلوت میں ساتھ نہ رہا۔ نہ ہی ایسا ممکن ہے، تو سیرت کا سب سے بڑا ذریعہ اور ماخذ حدیث کی تدوین یقینی طور پر وفات کے بعد ہی ممکن تھی لہٰذا بہت سے صحابہ کا تحریری اور مشاہداتی سرمایہ اکٹھا ہونے میں کچھ وقت تو درکار تھا۔ (۳۷)

گولڈ زیہر Goldzehar اور جوزف شاخت Joseph Schacht اس تحریری سرمایہ کو مستند خیال نہیں کرتے۔ جبکہ خود مصنّف ابنِ ہشام، واقدی اور طبری کے جا بجا حوالے دیتے ہیں اور دیگر مستشرقین ان مورخین کی کتب سے اپنے مطلب کی بات نکال کر ہی مسلمانوں کے خلاف حوالہ بنا کر پیش کرتے ہیں۔

حدیث مبارکہ پر روڈنسن کا شدید اعتراض ہے کہ اولاً تو تمام تحریری سرمایہ اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارکہ میں قلم بند نہیں ہوا اور کچھ حصہ لکھا گیا تو آپ نے اس کی تصحیح نہیں فرمائی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حدیثِ مبارکہ کا تحریری سرمایہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں موجود تھا۔ جس کی متعدد مثالیں موجود ہیں۔ پھر حدیثِ مبارکہ کے سند ہونے کے اصول وضوابط اسماء الرجال کا فن اور نقد وجرح کے اصول مسلمانوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تربیت حسنہ سے ہی اخذ کیے تھے۔

مآخذ کی صحت کے بارے میں بے یقینی

میکسم روڈنسن اپنی کتاب محمد میں اکثر جگہ ''معلوم ہوتا ہے''، ''کہا جاتا ہے''، ''دکھائی دیتا ہے''، ''فرض کریں''، ''یہ شک پیدا کرتا ہے''، ''ایسا ہوا ہوگا''، ''ممکن ہے کہ ایسا ہو'' کے سے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ یعنی وہ لکھتے ہوئے حق وصداقت اور یقینِ کامل کی دولت سے محروم دکھائی دیتے ہیں۔ جبکہ مسلمان مفسّرین قرآن مجید کی تفسیر بیان کرنے کے بعد اگر واللہ اعلم بالصواب لکھتے ہیں جس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ ان مفسّرین نے امکانی طور پر مطالب ومعانی کو کھولنے کی سعی کی ہے۔ ان الفاظ واصطلاحات قرآن کے صحیح معانی صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں تو مصنّف واللہ اعلم بالصواب کے لفظ کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ اپنے مسلمان قارئین کو روڈنسن یہ مشورہ دیتے ہیں کہ وہ انگریزی کتب کا مطالعہ کریں تب میری کتاب ان کی سمجھ میں آئے گی ورنہ وہ ان کی سب معلومات کو رد کردیں گے۔ میکسم روڈنسن کا دعویٰ ہے کہ میں نئی کتاب لکھنے کی ضرورت اس لیے بھی محسوس کی کہ وہ تاریخ کو تنقید کے معیار پر رکھنا چاہتے تھے۔

تاریخ کو تنقید کے معیار پر پرکھنے کا دعویٰ

مصنّف وسعت قلبی سے یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ توسیع پسندی، استعماریت اور یورپ کی برتر سوچ نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گرد جھوٹ اکٹھا کردیا۔[۳۸] مصنّف اپنے آپ کو برملا Atheist تسلیم کرتے ہیں اور اسی حوالے سے یہ بات مانتے ہیں کہ میں بطورِ لادین ایک ایسے انسان کے بارے میں لکھتے ہوئے جو مذہب کے بانی ہیں اور اپنے مذہب سے انتہائی مخلص بھی ہیں اور وحی سے فیض یاب بھی ہوتے رہے، ایسے فرد کو شاید صحیح طور پر نہیں سمجھ سکتا۔ میکسم روڈنسن کو یہ اعتراف ہے کہ وہ عربی ناموں اور عربی الفاظ کو صحیح طور پر نہیں سمجھ پائے انھوں نے کتاب کے آخر پر وضاحتی نوٹ بھی دیا ہے لیکن پھر بھی وہ ان کے صحیح مقام سے ناواقف ہیں جس کا وہ کھلے دل سے اعتراف بھی کرتے ہیں۔ مصنّف لکھتے ہیں کہ عربی الفاظ کی درست ادائیگی یعنی تلفّظ کے بارے میں مجھے دقت کا سامنا رہا ہے ہاں انھوں نے کوشش کی ہے کہ انگریزی الفاظ کی ادائیگی کی طرح ان عربی الفاظ کو بھی اشاروں کی مدد سے ظاہر کردیا جائے۔ ان عربی ناموں، کنیتوں اور قبائلی وابستگی کو سمجھنے میں ناکامی کے باوجود ان کا دعویٰ ہے کہ وہ ان کے درمیان موقع محل کی مناسبت، ماحول کا ان سے خصوصی تعلق اور ناموں کا درست استعمال جانتے ہیں۔[۴۰]

نبوت کی حقانیت کا قائل

کتاب ''محمد'' کا جو ایڈیشن ۲۰۰۲ء میں چھپا اس کے سرورق میں میکسم روڈنسن لکھتے ہیں کہ لوگوں کا خیال ہے کہ میں نے اپنے موضوع کو سیاست کی بھینٹ چڑھا دیا اور کتاب محمد اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سیاست کی نذر کردیا۔ اس کا جواب وہ خود ہی دیتے ہیں کہ میں نے یہ کتاب لکھی ہی اس دور کی

سیاسی اور سماجی قدروں کے پس منظر یا دوسرے لفظوں میں اشترا کی ذہنیت کے ساتھ ہے اور پیغام محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یعنی وحی کے صرف ادبی حصے پر روشنی ڈالی ہے اور اس بارے میں میرا زور صرف اس کے موضوع اور اثر پذیری پر ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مطالعہ بحیثیت ایک مذہبی آدمی، سیاسی مفکّر اور عام آدمی کے طور پر کیا ہے۔ ایسے لوگ جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت کو تاریخی تسلسل کے حوالے سے دیکھتے ہیں وہ ان حالات وواقعات کو بھی ذہن میں رکھیں جن کی بناء پر انھوں نے یہ تحریک شروع کی مزید یہ کہ آپ ﷺ کی شخصیت کو کم تر ثابت نہیں کیا جا سکتا اور جو ایسا کرنا چاہتے ہیں وہ خود ابتر ہے۔ (۴۱)

اسلام، عیسائیت اور یہودیت کے خیالات جاننے کی کوشش

موصوف حیران ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ہی وقت میں سربراہ مملکت، سپہ سالار اور نظریاتی راہنما بن گئے یہ سب کچھ کیسے ہو گیا؟ ایسا نہ کبھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے ہوا اور نہ آج تک ان کے بعد ہوا۔ یہی میرے محمد نامی کتاب لکھنے کا مقصد ہے۔ ایک وجہ وہ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ مسلمانوں اور عیسائی فرقہ پروٹسٹنٹ کے خیالات میں کس بنا پر ہم آہنگی ہے۔ اسی لیے میں نے یہ کتاب لکھی۔ پھر مارکسٹ بھی ان کے ہم نوا ہیں۔ ان تینوں مذاہب یا خیالات کے درمیان مطابقت یا تضاد تلاش کرنا میرا کام ہے۔ میکسم روڈنسن نے یہ کتاب یورپی قاری کے لئے لکھی ہے۔ مسلمان قاری کو وہ مشورہ دیتے ہیں کہ ساری کتاب پڑھیں اور عقیدت سے ہٹ کر پڑھیں تو تنقید ان کی سمجھ میں آ جائے گی۔ اپنے مآخز کے بارے میں روڈنسن لکھتے ہیں:

> ''اگر ان ناقابل اعتبار ذرائع اور مآخذ سے مراد وہ یورپی تصانیف ہیں جن سے متاثر ہو کر جناب روڈنسن نے لکھا تو وہ خود ہی اعتراف کر رہے ہیں کہ کثرت کے باوجود یہ تصانیف مستند اور بھروسہ کے قابل نہیں ہیں اور مستشرقین آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں لکھتے ہوئے محض بغض وعناد کا اظہار ہی کرتے ہیں اس سے مراد تحقیق نہیں ہوتی۔ میکسم روڈنسن لکھتے ہیں کہ انھیں (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو) یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملا ہے۔ پھر لکھتے ہیں یہ وحی حدیث اور سیرت کے واقعات ہیں۔ اس لیے اب جب بھی کوئی سیرت طیبہ پر لکھتا ہے تو ان دو بنیادی ماخذوں پر ہی اعتماد و انحصار کرتا ہے جبکہ میرے نزدیک یہ دھوکہ، واہمہ اور معمّہ ہے۔''(۴۳)

میکسم روڈنسن دوسرے مستشرقین سے چنداں منفرد نہیں ہیں کہ دیگر مستشرقین بھی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کر کے مسئلہ کو پیچیدہ بنا دیتے ہیں۔ مستشرق پیغمبر کے مقدس کام کو سمجھنے سے ہی قاصر رہتا ہے۔ جبکہ میکسم روڈنسن تو متعصّب یہودی ہونے کے علاوہ اپنے آپ کو بڑی وضاحت سے Atheist اور Agnostic لکھتے ہیں جبکہ پیغمبر اللہ تعالیٰ کے خاص بندے اور پیغام الٰہی کو اللہ تعالیٰ کے بندوں تک پہنچانے اور سمجھانے کا سرانجام دیتے ہیں اور اس عام فہم بات کو بھلا

فلسفہ اور لادینی کا لبادہ پہننے والا کیسے سمجھ سکتا ہے؟

سیرت پاک پر کوئی بھی کتاب پڑھنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ قاری کے دل و دماغ پر ایک عمدہ نمونے کے خوشگوار اثرات ہوں کہ قاری بھی حق کی پیروی کرے اور جس طرح پیغمبر پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زندگی گزاری وہ بھی گزارنے کی کوشش کرے۔ لیکن میکسم روڈنسن نہ صرف خود اس شرف سے محروم ہیں بلکہ وہ ایسے معاشرے کے لئے لکھ رہے ہیں جو مادہ پرست ہے اور سطحیت کا شکار ہے۔ سائنس کے اسیر ہو کر عقلیت پرستی میں محصور ہیں۔ وہ لوگ معنوی اور روحانی زندگی کا ذوق کھو چکے ہیں عالم غیب کا درک جاتا رہا ہے اور حقائق باطنی اور مابعد الطبیعی نظران سے اوجھل ہے۔

حوالہ جات وحواشی

1. Maxime, Rodinson, The Presistence of the Jewish Question, Penguine Books, London, 1996, P. 46.
2. Ibid., P. 47.
3. Ibid., P. 49.
4. Ibid., P. 100.
5. Ibid., P. 101.
6. http:/onwikipedia.org.wiki/maximerodinson
7. Ibid., P. 2.
8. Ibid., P. 3.
9. Mardan Bey, Farouk, Review of Palestinian Studies, Page. 1-2.
10. http://onwikipedia.org.wiki/maxinerodinson P. 4-6.
11. Ibid., P. 7-8.
12. http://onwikipedia.thefreeencyclopedia.
13. Ibid., P. 9-12.
14. http://www.thenation.com
15. www.geocities.com
16. Cludia Rode, London
17. Mardan Bey, Farouk, Review of Palestinian Studies, Page. 1-2.
18. http://www.Fred,Halliday.com
19. Rdinson, Maxime, Looking a Vanished Back on Past, Page 413.
20. Ibid., P. 417-19.
21. Michael Yoking, The Daily Star, P. 4.
22. Douglas Johnson, Guardian, P. 1-3.
23. Michael John the Left Review, New York, United States, 1976, P.5

24. http://www.thenation.com. P. 12.

۲۵۔ اخبار تحقیق (سہ ماہی) ص۲،

۲۶۔ صدیقی، محمد یاسین مظہر، تحقیقات اسلامی (سہ ماہی) علی گڑھ، ۱۹۹۳ء

۲۷۔ ایضاً ء

۲۸۔ عبدالرحمٰن ابن خلدون، مقدمہ، کشمیر آرٹ پریس لاہور، ۱۹۹۵ء، ص۲۱

۲۹۔ غلام مرتضیٰ، ڈاکٹر، انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا میں اسلام اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بہتانات، نیو مسلم ٹاؤن لاہور، ۱۹۹۸ء، ص۲۹

30. The American Journal of Islamic Social Sciences, Washington, D.C. 1995. P. 309.

31. http://www.rodinson,maxime.com

32. Maxime, Rodinson, "Muhammad" Translated by Anne Carter, The Penguine, Vigo Street, London, WI, 1968. P. 20.

33. http://www.rodinson,maxime.com

۳۴۔ واٹ، منٹگمری، عالم اسلام اور عیسائیت (ماہ نامہ) اسلام آباد، ۱۹۹۲ء

35. Rodinson, Maxime, Muhammad, Review, P. 10.

36. Ibid., P. 12.

۳۷۔ احمد یار (مرتب)، سیرت طیبہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد، ۲۰۰۷ء

38. Rodinson, Maxime, "Muhammad" Cover Page.

39. Rodinson, Maxime, "Muhammad" Forward.

40. Ibid., P. 13.

41. Ibid., P. 14.

42. Ibid., P. 16.

43. Ibid., P. 17.

سیاست داخلہ وخارجہ کے نبویؐ اصول

(جدید ریاستوں کے لیے لائحۂ عمل)

حافظ محمد نعیم☆

Abstract:

"In contemporary world, Muslim and non-Muslim states are confronting multiple problems in all spheres of life. A thorough study of Islamic history will reveal that the state of Madina had to resolve similar issues. Nevertheles it emerged as the most successful state the world had ever seen. This unique success was achieved by political and diplomatic wisdom of the Holy Prophet (PBUH), who acted as the head of the state also. His mastery of managing public matters within and outside the state has set an example for the heads of the modern states. In this article an attempt has been made to explore such principles derived from political dimentions of the Holy Prophet's Sirah. Those will prove to be milestone to shape modern states."

جزیرہ نمائے عرب اسلام سے پہلے کبھی ایک اقتدار کے تحت متحد نہیں ہو سکا تھا اور نہ ہی اسے کبھی قبائلی تمدن سے بلند ہو کر سیاسی مرکزیت نصیب ہوئی۔[۱] پیغمبر ﷺ کے کارناموں میں سے ایک بنیادی کارنامہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے عرب جیسی غیر متمدن اور مدنی زندگی کے لوازمات سے عاری[۲] قوم کے اندر ایک منظّم اور اصولی ریاست قائم کی، ایسی ریاست جو اپنے قیام سے اوج کمال تک کے سفر میں دنیا کے نقشہ پر قیامت تک ابھرنے والی ریاستوں کے لیے ایک مثالی نمونہ ہے۔ یہ مثالی ریاست خود بخود یا آپ سے آپ وجود میں نہیں آ گئی بلکہ اس کے قیام میں اسلام کی آفاقی تعلیمات اور پیغمبر ﷺ کی سیاسی حکمت عملی، فہم و تدبر اور سیاسی بصیرت کارفرما تھی آپ ﷺ کا یہ سیاسی اسوۂ حسنہ تاریخ عالم میں

☆ اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علومِ اسلامیہ، جی سی یونیورسٹی، لاہور

ریاست مدینہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔

موجودہ دور میں اسلامی ریاستوں اور دیگر بہت سی غیر مسلم ریاستوں کو بہت سے مسائل کا سامنا ہے جن میں روحانی ونظریاتی ،فکری واخلاقی ،جغرافیائی وسرحدی، دفاعی وعسکری، دستوری وقانونی، تنظیمی وسماجی ،داخلی وخارجی اور سفارتی و بین الاقوامی مسائل شامل ہیں۔ مذکورہ بالا تمام مسائل کے حوالے سے اگر دیکھا جائے تو کوئی ایک پہلو بھی ایسا نہیں جو ریاست مدینہ کے قیام، تشکیل و تنظیم اور بقاء واستحکام کی راہ میں حائل نہ ہوا ہو لیکن تمام مسائل حضور ﷺ کی سیاسی بالغ نظری، نظریاتی وابستگی ،فہم و دانش اور دوراندیشی کی وجہ سے حل ہوتے گئے اور ایک ایسی ریاست وجود پذیر ہوئی جو ہر حوالے سے ایک متوازن ریاست تھی۔

(i) تشکیل و تنظیم ریاست کے عناصر ضروریہ اور اسوہ حسنہ

ریاست مدینہ کو سامنے رکھتے ہوئے اسوہ حسنہ کی روشنی میں اگر تشکیل و تنظیم ریاست کے ضروری عناصر اور لازمی اجزاء کی کھوج لگانے کی کوشش کی جائے تو اس حوالے سے مندرجہ ذیل تین چیزیں بہت اہم ہیں: ا۔فکری ونظریاتی بنیادوں پر ریاست کی تشکیل،۲۔افراد ریاست کی اخلاقی تربیت، ۳۔ مذہب اور سیاست کی ہم آہنگی

ا۔فکری ونظریاتی بنیادوں پر ریاست کی تشکیل

کسی بھی ریاست کے وجود اور اندرونی و بیرونی استحکام کے لیے نہایت ضروری ہے کہ اس ریاست کی بنیاد نظریاتی ہو کسی بھی ریاست کی بنیادوں میں فکری ونظریاتی پختگی بنیادی طور پر ریاست کے تمام اداروں کی مضبوطی، باہمی ربط اور مضبوط گرفت کی علامت ہے۔

اگر کسی ریاست کی بنیادوں میں یہ امر مفقود ہے تو اگر چہ وہ ریاست وجود میں تو آ گئی ہے لیکن وہ انسانوں کا ایک ایسا ہجوم ہے جو نہ صرف منتشر الخیال بلکہ منتشر المقاصد ہے۔اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے ریاست مدینہ کی بنیاد سب سے پہلے نظریاتی وفکری بنیادوں پر رکھی اور اس نظریاتی وفکری وابستگی کو عقائد (۳) کی گرہ سے مضبوط کیا کیونکہ عقائد ہی وہ نقطہ ہے جس سے انسانی عمل کا ہر خط نکلتا ہے اور اس کے دائرہ حیات کا ہر خط اسی پر جا کر ختم ہوتا ہے۔(۴) انسانی سیرت کی تعمیر وتخریب کا تمام تر مدار عقائد پر ہی ہوتا ہے مبدأ افعال ہونے کی حیثیت سے ذہن کی دو حالتیں ہیں ایک حالت یہ ہے کہ اس میں کسی خاص قسم کے خیالات راسخ نہ ہوں مختلف پراگندہ اور منتشر خیالات آتے رہیں اور ان سے جو خیال بھی قوی ہو وہی عمل کے لیے متحرک بن جائے دوسری حالت یہ ہے کہ وہ پراگندہ خیالی کی آماج گاہ نہ رہے بلکہ چند مخصوص خیالات اس میں اس طرح راسخ ہو جائیں کہ اس کی عملی زندگی مستقل طور پر انہی کے زیر اثر ہو اور اس سے منتشر اعمال سرزد ہونے کی بجائے مرتب اور منضبط اعمال صادر ہوا کریں۔(۵)

چنانچہ اگر مختلف افراد مختلف قسم کے عقائد وافکار پر ایمان رکھتے ہوں اور ان کی سیرتیں مختلف و متضاد بنیادوں پر قائم ہوں تو کوئی اجتماعی ہیئت نہیں بن سکتی۔ ان کی مثال ایسی ہوگی جیسے ایک میدان میں بہت سے پتھر بکھرے پڑے ہوں ہر پتھر بلاشبہ اپنی جگہ مضبوط مگر ان کے درمیان کوئی ربط نہیں ہے۔ بخلاف اس کے اگر ایک ہی مشترک تخیّل بہت سے افراد کے دلوں میں ایمان بن کر جم جائے تو اشتراک ایمانی کا رابطہ ان کو ایک قوم بنادے گا گویا وہی پتھر جو بکھرے پڑے تھے چونے سے جوڑ دیئے گئے اور ایک مضبوط دیوار قائم ہوگئی اب ان کے درمیان تعاون شروع ہوجائے گا۔ جس سے ترقی کی رفتار تیز اور تیز تر ہوتی چلی جائے گی۔ ایک قسم کا ایمان ان کی سیرتوں میں ہم آہنگی اور ان کے اعمال میں یک رنگی پیدا کردے گا اس سے ایک خاص تمدن پیدا ہوگا ایک خاص شان کی تہذیب ہوگی ایک نئی قوم، نئی سیرت، نئی ذہنیت، نئے خیالات، نئے طریق عمل کے ساتھ اٹھے گی اور اپنی حضریت کا قصر ایک نئے انداز پر تعمیر کرے گی۔(۶) یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے معاشرہ کی اصلاح اور تعمیر نو کے لیے سب سے پہلے عقائد کی تعلیم دی، کیونکہ ان ہی عقائد پر اسلامی ریاست کی فکری بنیادیں استوار ہوتی ہیں۔(۷) عرب جیسی قوم کو، جو کہ کفر وشرک اور بت پرستی وصنم تراشی میں غرق تھی، نظریاتی طور پر توحید پر اکٹھا کرنا آپ ﷺ کا ایک بہت بڑا کارنامہ تھا اور ریاست مدینہ کی پہلی اینٹ تھی جو بالکل درست انداز میں اپنی مطلوبہ جگہ پر رکھی گئی تھی۔ آپ ﷺ کو اس حوالے سے جن مسائل ومشکلات، تکالیف واذیتوں اور منتخب حالات کا سامنا کرنا پڑا وہ کسی سے مخفی نہیں لیکن آپ ﷺ نے اس نظریاتی بنیاد کی تعمیر میں کسی قسم کا سمجھوتہ نہیں کیا۔(۸) آج اگر کوئی ریاست اپنے آپ کو مضبوط ومستحکم دیکھنا چاہتی ہے تو اس کی پہلی اینٹ نظریاتی وفکری طور پر افراد ریاست کا اکٹھا اور ہم خیال ہونا ہے۔

۲۔ افراد ریاست کی اخلاقی تربیت

دوسری اہم چیز افراد ریاست کی اخلاقی تربیت ہے آپ ﷺ نے فرد کی تربیت کا ایک ایسا نظام وضع کیا کہ عرب جیسی قوم، جو کہ اخلاقیات کے بہت سے پہلوؤں سے نابلد تھی اخلاقیات کے اعلی نظام پر فائز ہوئی اور ان میں برائی اور اچھائی، نیکی اور بدی اور شر اور خیر میں تمیز کا ایک ایسا جذبہ اور احساس پیدا ہوا کہ جس نے جرم سرزد ہونے کی صورت میں اسے مکر وحیلہ، کذب بیانی، دروغ گوئی اور دھوکہ و فریب کے ذریعہ سے چھپانے کی بجائے آگے بڑھ کر قبول کرنے اور اپنے آپ کو سزا کے لیے پیش کرنے اور مغفرت طلب کرنے پر اکسایا۔(۹) اور پیغمبر ﷺ کی طرف سے کچھ صدقہ کرنے کا حکم ملنے پر اس سے بچنے (جس طرح کہ آج کل حکومت کی طرف سے ٹیکس کی ادائیگی کے تقاضے پر لوگ مختلف قسم کے حیلوں بہانوں سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں) کی بجائے بازاروں میں جا کر بوجھ (مزدوری) ڈھونڈتے اور اس سے جو مزدوری میسر آتی اسے راہ خدا میں صدقہ کر دیتے۔(۱۰)

آج کی ریاستوں کی ناکامی اور دیگر بہت سے مسائل کی اصل وجہ یہی ے کہ نظریاتی وفکری اور

اخلاقی وروحانی طور پر جس قسم کے افراد کی ضرورت ہے وہ مفقود ہیں لہٰذا آج کی غیر مسلم ومسلم ریاستوں اوران کے حکمرانوں کے لیے نبی کریم ﷺ کی ذات مبارکہ میں کسی بھی ریاست کی ابتدائی تشکیل وتنظیم اور بنیادوتعمیر کے حوالے سے ایک لائحہ عمل موجود ہے نیز رسول کریم ﷺ کی عظمت کردارو بلندی سیرت، حسن ہدایت وتبلیغ اوراس سے بڑھ کر رحمۃ للعالمین نے ان کو گرویدہ بنایا اوراسلام کی سادگی اور سچائی، صداقت و حقانیت اورجذب وکشش نے سب کو اپنے دائرہ صدق وصفا میں سمیٹ لیا تھا اسلام ہی دراصل وہ اساس اول تھی جس پر پہلے اسلامی معاشرے اورپھر اسلامی ریاست کی بلندوبالا عمارت تعمیر کی گئی تھی۔(۱۱)

۳۔ مذہب اور سیاست کی ہم آہنگی

عصر حاضر میں ایک طبقۂ فکر دین وسیاست (۱۲) کی ایک دوسرے سے دوری کا نظریہ پیش کرتا ہے اوراس نقطہ نظر کا حامل ہے کہ مذہب کسی ریاست کی نشوونما اور ترقی کے لیے نقصان دہ اور رکاوٹ ہے۔(۱۳) حالانکہ یہ رویہ اورطرز فکر خود انتہائی خطرناک اور انسانی معاشروں کے لیے نقصان دہ ہے اسی تصور نے چنگیزیت کو جنم دیا اور نمرود وفرعون پیدا کیے اگر ریاست مدینہ کی تاسیس وتشکیل، بقاء واستحکام، عروج وکمال اور وسعت و پھیلاؤ کا جائزہ لیں تو یہ نظریہ غلط ثابت ہوتا ہے آپ ﷺ نے جس بنیاد پر ریاست کی تنظیم وتشکیل کی وہ مذہب ہی تھا، جیسا کہ پچھلے صفحات میں سلطنت کی فکری ونظریاتی بنیاد کے حوالے سے بحث گزر چکی ہے گویا سلطنت اور دین متحد ہیں اور سلطنت اور دین کا یہ اتحاد اسلام کا سب سے بڑا نصب العین ہے احکام الٰہی کے مطابق سلطنت کا جو کام بھی اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کی غرض سے کیا جائے وہ عین دین وعین عبادت ہے۔ یہاں تک کہ امراء کا اپنی رعایا کی خدمت کرنا اور رعایا کا اپنے امراء اور حکام کی اطاعت کرنا بھی اطاعت الٰہی ہے بشرطیکہ دونوں کی نیت اورغرض اللہ تعالیٰ کے احکام کو بجالانا ہو......امام کی امامت، خلیفہ کی خلافت، راعی کی رعیت، والی کی ولایت، امیر کی امارت، حاکم کی حکومت، رعایا کی نگرانی، قاضی کی دادگری، عمال کا عمل، سپاہی کا قتل، مجاہد کا جہاد، محاصل کی ادائیگی، امراء کی واجبی اطاعت غرض سلطنت کے تمام متعلقہ شعبوں سے متعلق جو کام بھی حسب احکام الٰہی اللہ کے لیے کیا جائے وہ سب دین اوراطاعت اور موجب قربت ہے۔(۱۴)

(ii) داخلی سیاست اور سیرت مبارکہ

اسلامی ریاست کے قیام کے ساتھ ہی آپ ﷺ کو بہت سے داخلی مسائل کا سامنا تھا جن میں مہاجرین کی آبادکاری، مہاجرین کی ابتر معاشی حالت اور روزگار کے وسائل کا اہتمام، مکہ میں چھوڑ کر آنے والے دشمن سے خطرہ، مدینہ میں موجود یہود ونصاریٰ کی دشمنی، مدینہ میں بغض ومنافقت رکھنے والی قوتوں کا سامنا، مشرکین اور یہود ونصاریٰ کے گٹھ جوڑ کا خطرہ، مدینہ میں دعوت اسلام کے لیے فضا کی ہمواری اور مدینہ میں قائم ہونے والی نوزائیدہ ریاست کے وجود کی بقاء اور نشوونما وغیرہ اہم تھے۔ ان تمام

مسائل کے لیے حضور ﷺ کی اختیار کردہ حکمت عملی سیاسی لحاظ سے اس قدر عمدہ اور جان دار تھی کہ اس کی تعریف غیروں کو بھی کرنا پڑی۔ (۱۵)

آپ ﷺ نے مؤاخات مدینہ کے ذریعہ جہاں ایک طرف مہاجرین کے حوالے سے پیدا شدہ مسائل کو حل کیا تو دوسری طرف میثاق مدینہ کے ذریعہ نہ صرف یہود و نصاری کے شر سے اپنے آپ کو محفوظ کر لیا بلکہ مکہ میں بیٹھے ہوئے دشمن سے بھی بے خوف ہو گئے اور سب سے بڑا کارنامہ یہ کہ میثاق مدینہ کرنے والے تمام گروہوں میں نزع و اختلاف کی صورت میں ''عدالت مرافعہ'' آپ ﷺ کی ذات مبارکہ قرار پائی گویا اسلامی ریاست کے وجود کو باقاعدہ طور پر تسلیم کر لیا گیا اور اس کے بعد دعوت و تبلیغ کی جو فضا میسر آئی اس نے بعد والی مدنی زندگی اور ریاست مدینہ پر بہت مثبت اثرات مرتب کیے۔ میثاق مدینہ ہی وہ شاہکار تھا جس نے قریش کے ساتھ جنگ کی صورت میں یہود و نصاری اور ان کے دیگر حلیف قبیلوں کو مسلمانوں کے خلاف لڑنے سے روک رکھا تھا پھر بعد میں (غزوات میں) آپ ﷺ کی دفاعی حکمت عملی نے جس طرح سے قریش اور پھر یہود و نصاری کو ناکوں چنے چبوائے وہ اپنی مثال آپ ہے غزوات و سرایا میں آپ ﷺ کے قائدانہ، سپہ سالارانہ اور ایک ریاست کے حکمران و سربراہ کی حیثیت سے مدبرانہ کردار کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ مشرکین و کفار مکہ کی طرف سے جارحیت، یہود و نصاری کی طرف سے بدعہدی اور منافقین کی طرف سے منافقت کے باوجود آپ ﷺ کامیاب و کامران ٹھہرے۔ دشمن انفرادی حیثیت میں اور گٹھ جوڑ کر کے اجتماعی حیثیت میں بھی ریاست مدینہ کا کچھ نہ بگاڑ سکے بلکہ ان کے ہر فعل و حرکت نے ریاست مدینہ کے استحکام میں اضافہ ہی کیا مثلاً صلح حدیبیہ کو ہی لیجئے قریش نے جن شرائط پر مسلمانوں سے صلح کی بظاہر وہ سراسر ان کے حق اور مسلمانوں کے مفاد کے خلاف تھیں لیکن آپ ﷺ کا ان شرائط پر (مسلمانوں کی ناراضگی کی باوجود) راضی ہو جانا آپ ﷺ کی حکمت و بصیرت اور دوراندیشی کی انتہا تھی کیونکہ یہی صلح (شرائط) فتح مکہ اور مکمل غلبہ اسلام کی صورت میں ظاہر ہوئی۔

(iii) سیاست خارجہ اور اسوۂ حسنہ

داخلی سیاست کی مضبوطی، استحکام اور امن و امان کے بعد آپ ﷺ نے سیاست خارجہ کی طرف توجہ دی آپ ﷺ نے اس سلسلے میں مدینہ سے باہر کے قبائل کے ساتھ معاہدات کیے، یہود و نصاری کے حلیف قبائل کے ساتھ معاہدات کیے، مختلف ریاستوں کے سربراہان کو تبلیغی خطوط لکھے اور مکاتیب ارسال کیے نیز اپنے سفیر مختلف اطراف میں روانہ کیے، مختلف ممالک میں وفود بھیجے اور خاص طور پر سنہ ۹ ہجری میں آنے والے وفود کا بھرپور استقبال کیا اور ان کو دینی تعلیمات کے فروغ و ابلاغ اور ریاست مدینہ کی توسیع و پھیلاؤ کے لیے عمدگی سے استعمال کیا۔

مندرجہ بالا موضوعات میں سے ہر موضوع نبی کریم ﷺ کی سیاست خارجہ میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے اور اپنے اندر بہت سی تفصیلات کا احاطہ کیے ہوئے ہے نیز ان میں سے ہر موضوع پر سینکڑوں کی

تعداد میں مختصر وضخیم کتب موجود ہیں لہٰذا ان کی تفصیلات سے اعتناء کرنا نہ تو ممکن ہے اور نہ ہی مقالہ کی ضخامت اس بات کی اجازت دیتی ہے۔[۱۶] یہ تمام امور نبی کریمﷺ کی سیاست خارجہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ البتہ ان موضوعات میں جو چیز غور کرنے اور زیر بحث لانے کے قابل ہے وہ آپﷺ کی حکمت اور سیاسی بصیرت ہے مثلاً مختلف بادشاہوں کو لکھے گئے خطوط کا وقت، انداز تحریر، انداز تخاطب، اور متن خط پر اگر غور کیجیے۔[۱۷] تو آپﷺ کی فہم وفراست اور سیاسی سوجھ بوجھ کا اندازہ ہوتا ہے علاوہ ازیں سفیروں کی تعیناتی کے سلسلے میں علامہ عبدالحی الکتانی کے نزدیک حضورﷺ جن چیزوں کا لحاظ رکھتے ان میں وفور عقل، طلاقت لسانی، قوت حجت اور دشمن کو مسکت دلائل سے خاموش کر دینے کی صلاحیت کی موجودگی وغیرہ تھی۔[۱۸] نیز ان تمام خوبیوں اور اوصاف کی موجودگی کے ساتھ سفارت کے لیے آپﷺ ظاہری طور پر بھی خوبصورت افراد کا انتخاب فرماتے۔[۱۹]

(iv) سیاست نبویﷺ سے ماخوذ اصول اور عصر حاضر

نبی کریمﷺ کی سیاست داخلہ اور سیاست خارجہ کی تمام تر تفصیلات کا احاطہ کرنے (جو کہ ناممکن ہے) کی بجائے ذیل آپﷺ کی داخلی سیاست اور خارجی سیاست کی روشنی میں اخذ کردہ چند اہم اصول نکات کی صورت میں پیش کیے جاتے ہیں ان نکات میں جدید عصری مسلم وغیر مسلم ریاستوں اور ان کے حکمرانوں کے لیے بہت مفید اور عمدہ نکتے ہیں جن پر عمل کی صورت میں کوئی بھی ریاست یا حکمران اپنا مقصود حاصل کر سکتا ہے۔

ا۔ نبی کریمﷺ کی داخلی سیاست سے اخذ کردہ اصول

حضورﷺ کی داخلی سیاست سے اخذ کردہ اصول مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ کسی بھی ریاست کی کامیابی اور استحکام کے لیے سب سے پہلا اور بنیادی اصول یہ ہے کہ اس کی بنیاد نظریاتی وفکری بنیادوں پر رکھی جائے۔

۲۔ بنیادی اصولوں (نظریاتی وفکری بنیادوں) پر عدم سمجھوتہ، عدم لچک اور عدم مصالحت کی پالیسی اختیار کی جائے آپﷺ نے کسی ایک موقعہ پر بھی کسی قسم کی لچک کا مظاہرہ نہیں کیا مکہ میں کفار کی اشتراک عبادت الہ کی پیشکش اور مدینہ میں وفد ثقیف نے نماز کی معافی کا مطالبہ کیا جسے آپﷺ نے رد کر دیا۔[۲۰]

۳۔ فرد کی تعلیم وتربیت اور خاص طور پر اخلاقی تربیت کا بھرپور اہتمام کیا جائے۔ کیونکہ کسی ریاست میں اخلاقی قوت قانونی قوت سے زیادہ مؤثر ثابت ہوتی ہے۔

۴۔ اگر کسی ریاست کے معروضی حالات اس کی اجازت دیں تو ریاست کی تشکیل وتعمیر میں ہجرت کی پالیسی اختیار کرنا بھی مناسب ہے جیسا کہ نبی کریمﷺ نے حبشہ، طائف اور مدینہ کی طرف ہجرت کی۔

۵۔ مظلوم کی دادرسی اور ظلم سے روکنا استحکام ریاست کی بنیادی اکائی ہے۔
۶۔ ریاست کے مختلف عناصر میں تعاون و ہمدردی اور یکجہتی واتحاد کو فروغ دینے کے حوالے سے عملی اقدامات کیے جائیں۔
۷۔ ریاست کے تمام (مسلم وغیر مسلم) شہریوں کے لیے یکساں انسانی حقوق کو لازم بنایا جائے۔ (۲۱)
۸۔ غیر مسلموں کی مذہبی آزادی اوران کی عبادت گاہوں کی حفاظت کے عمل کو یقینی بنایا جائے۔ (۲۲)
۹۔ حکمران کا اولین فرض ہے کہ اسے ناطرفدار ہونا چاہیے اور انصاف کے ساتھ حسب موقع وضرورت رحم بھی کرنا چاہیے۔ (۲۳)
۱۰۔ غیر مسلم رعایا کو عدالتی خود مختاری دی جائے اور پرسنل لاز پر عمل درآمد کی مکمّل آزادی ہو۔ (۲۴)
۱۱۔ غیر مسلموں کو ان کی صلاحیت اور فن کے مطابق ریاستی امور میں شریک کار بنایا جا سکتا ہے۔ (۲۵)
۱۲۔ غیر مسلم حضرات کو تالیف قلبی کے ذریعہ اسلام کی طرف مائل کیا جا سکتا ہے اس کے لیے باقاعدہ ایک ادارے کا وجود ہونا چاہیے بقول ڈاکٹر حمید اللہ زندہ قوموں میں اجتماعی مفاد کے لیے تالیف قلبی کے لیے خصوصی وزارت قائم ہوتی ہے تو مردہ قوموں میں رشتہ داری اور انفرادی مفاد کے لیے مملکت کا نقصان روا رکھا جاتا ہے ایک جیتتا اور نفع حاصل کرتا ہے اور دوسرا کھوتا اور نقصان اٹھاتا ہے۔ (۲۶)
۱۳۔ دشمن سے کسی مصلحت کے پیش نظر ناپسندیدہ شرائط پر بھی صلح کی جا سکتی ہے۔ (۲۷) حکمت و مصلحت ہی کی بنیاد پر منافقین کی منافقت سے ایک وقت خاص تک اعراض برتا جا سکتا ہے اور اسی بنیاد پر شر اور فتنہ پر قائم کیے گئے شعائر (مسجد وغیرہ) کو گرایا جا سکتا ہے۔ (۲۸)
۱۴۔ سماجی و معاشرتی ضروریات کے تحت مختلف انتظامی ادارات کا قیام کسی بھی ریاست کے وجود اور استحکام کے لیے بہت ضروری ہے عہد نبوی ﷺ میں دینی اور دنیاوی امور سے متعلّق مختلف انتظامی ادارے عصائے اقتدار کی مانند تھے اور مسلسل ارتقاء پذیر تھے۔ (۲۹)
۱۵۔ مختلف اداروں میں عمال و حکام کے تقرر میں صلاحیت، میرٹ اور معروضی حالات کا لحاظ رکھا جائے آپ ﷺ کی داخلی سیاست کی کامیابی میں اس نکتہ نے بنیادی کردار ادا کیا۔ (۳۰)

۲۔ سیاست خارجہ کے نبویؐ اصول اور جدید ریاستوں کے لیے لائحہ عمل

نبی کریم ﷺ کی خارجی سیاست کے چند اہم اصولوں کا ذیل میں تذکرہ کیا جاتا ہے جن کو جدید عصری مسلم وغیر مسلم ریاستوں کے لیے بطور لائحہ عمل اپنایا جا سکتا ہے۔

۱۔ ہمسایہ ممالک اور دیگر ممالک سے اچھے تعلّقات استوار کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اور انسانیت کے ناطے مشکل اوقات میں غیر مسلم دشمن کی مدد بھی کی جا سکتی ہے جس طرح آپ ﷺ نے قحط کے

زمانہ میں مکہ میں غلہ بھجوایا۔[۳۱] اور اپنی اخلاقی برتری ثابت کر کے مکہ میں اپنے لیے ہمدردی پیدا کی۔

۲۔ غیر مسلم ممالک کے ساتھ صلح اور امن کے پہلو کو ہمیشہ مقدم رکھنا چاہیے کیونکہ سیرت نبوی ﷺ کی روح کے مطابق غیر مسلموں کے ساتھ تعلّقات کی بنیاد میں اصل صلح ہے نہ کہ قتال۔[۳۲]

۳۔ ٹکراؤ کی پالیسی سے حتی الامکان اعراض کرتے ہوئے صلح وامن کے ذریعہ مقصود تک پہنچنے کی کوشش کرنا، صلح حدیبیہ کی مثال اس حوالے سے بہت اہم ہے۔

۴۔ بیرونی سازشوں اور دشمن کے مکروفریب اور نقل وحرکت سے باخبر رہنے کے لیے مختلف وسائل و ذرائع اختیار کرنا ریاستی ذمہ داری ہے۔ مختلف اطراف میں آپ ﷺ کے سرایا بھیجنے کا ایک مقصد یہ بھی تھا۔[۳۳]

۵۔ ریاست کے دفاع اور حفاظت کے لیے ہمہ وقت تیار رہنا اور جدید علوم وفنون اور آلات حرب سے استفادہ کرنا ضروری ہے۔[۳۴]

۶۔ بین الاقوامی معاہدات کی پاسداری کرنا ریاست کی ساکھ اور بقاء کے لیے بہت ضروری ہے آپ ﷺ کی اس خوبی کا غیروں کو بھی اعتراف تھا۔[۳۵]

۷۔ معاہدات میں شامل حلیف قبیلوں (قوموں) کے مفادات سے غفلت نہ برتی جائے اور ان سے جنگ کرنے والوں سے جنگ اور صلح کرنے والوں سے صلح روا رکھی جائے۔[۳۶]

۸۔ جنگ کی صورت میں بھی اخلاقیات کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے جنگ میں غیر شریک افراد کے قتل سے احتراز کرنا چاہیے البتہ مقاصد کے حصول کے لیے دشمن میں پھوٹ ڈالنے کی تدبیر و حکمت عملی اختیار کی جاسکتی ہے۔ جیسا کہ غزوہ احزاب میں حضرت نعیم بن مسعودؓ کے ذریعہ آپ ﷺ نے ایسا کیا۔[۳۷]

۹۔ دشمن ریاست کے حلیفوں کو توڑنا بھی ایک اہم سیاسی و دفاعی حکمت عملی ہے۔

۱۰۔ اردگرد کی ریاستوں پر (اخلاقی اقدار کا لحاظ کرتے ہوئے) معاشی دباؤ کے ذریعہ سے بھی ریاست کے مختلف مقاصد حاصل کیے جاسکتے ہیں۔[۳۸]

۱۱۔ تمام دشمنوں سے بیک وقت الجھنے کی بجائے باری باری مقابلہ کرنے کی پالیسی کسی ریاست کو بہت سے اندرونی و بیرونی مسائل سے دوچار ہونے سے بچالیتی ہے جیسا کہ میثاق مدینہ کے ذریعہ آپ ﷺ نے کیا۔[۳۹]

۱۲۔ اسلامی ریاست کے حکمرانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ دعوت اسلامی کی نشر و اشاعت اور توسیع کے لیے مختلف سربراہان مملکت کو دعوتی خطوط و مکاتیب ارسال کریں۔

۱۳۔ سفارتی تعلّقات کا قیام کسی ریاست کے وجود کے لیے لازمی حیثیت رکھتا ہے سفارتی تعلّقات کے

حوالے سے آپ ﷺ کا طرزِ عمل (سفیروں سے ادب و احترام سے پیش آنا، سفیروں کو تحفے تحائف اور ھدایا سے نوازنا، سفیر کے قتل وغیرہ کی ممانعت نیز کسی ملک میں سفیر بھیجتے وقت وہاں کے معروضی حالات کے مطابق بندے کا انتخاب کرنا) جدید عصری مسلم وغیر مسلم دونوں قسم کی ریاستوں کے لیے بطور لائحہ عمل اختیار کیا جاسکتا ہے۔

۱۴۔ ''**خیارکم فی الجاھلیه خیارکم فی الاسلام**''[۴۰] کے تحت معزز دشمنوں کا اسلام میں بھی اعزاز باقی رکھا جائے یہی وجہ تھی کہ حضرت عمرو بن العاصؓ کے اسلام لانے پر انہیں سابقین اولین کا سردار بنا کر فوجی مہموں میں بھیجا گیا۔[۴۱] ابوسفیان نے اسلام قبول کیا تو نہ صرف انہیں انعام و اکرام سے نوازا گیا بلکہ ان کا گھر امن گاہ قرار دیا گیا۔[۴۲]

حضور ﷺ کی داخلی و خارجی سیاست کے حوالے سے مندرجہ بالا نکات کی صورت میں خاکہ محض ایک سرسری سی جھلک اور ادنی سی کوشش ہے۔ بہرحال ریاست نبوی ﷺ ہی جدید عصری مسلم وغیر مسلم ریاستوں کے لیے اسوۂ حسنہ کا درجہ رکھتی ہے اگرچہ زمانی تغیّر وتبدل نے ریاستوں کی ضروریات، تقاضوں اور مسائل ومشکلات میں بہت حد تک تبدیلی پیدا کر دی ہے لیکن اس کے باوجود بھی ان کے لیے ریاست مدینہ کی داخلی وخارجی سیاست نبوی ہی نجات و کامیابی کا ذریعہ ہے کیونکہ سیاست نبوی ﷺ انسانی وآفاقی اصولوں پر مبنی ہے اور ہر زمانے کے تقاضوں اور مشکلات ومسائل کا حل اپنے اندر رکھتی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ محمد حمید اللہ، ڈاکٹر (۲۰۰۲ء)، عہد نبوی میں نظام حکمرانی، کراچی، اردو اکیڈمی سندھ، ۱۹۸۷ء، ص ۸۹، ۲۳۴

۲۔ ابن خلدون، عبدالرحمٰن بن محمد، (۸۰۸ھ)، تاریخ ابن خلدون، بیروت، داراحیاء التراث العربی (س ن)، ۱/۱۵۱

۳۔ ایمان باللہ، ایمان بالملائکہ، ایمان بالرسالت، ایمان بالکتب، ایمان بالآخرت

۴۔ شبلی نعمانی، علامہ (۱۹۱۴ء)، سیرۃ النبی، لاہور، الفیصل ناشران اردو بازار، ۱۹۹۱ء، ۴/۲۱۸

۵۔ مودودی، اسلامی تہذیب اور اس کے اصول ومبادی، لاہور، اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ، ۱۹۷۹ء، ص ۱۱۵

۶۔ ایضاً، ص ۱۱۷۔۱۱۸

۷۔ نثار احمد، ڈاکٹر، عہد نبوی میں ریاست کا نشو وارتقاء، لاہور، نشریات ۲۰۰۸، ص ۹۳

۸۔ الکافرون: ۱۔۸

۹۔ اس طرح کے چند واقعات کتب احادیث میں موجود ہیں کہ جرم سرزد ہونے پہ بعض مردوں اور عورتوں نے نبی کریم ﷺ کے سامنے حاضر ہو کر اپنے جرم کا نہ صرف اعتراف کیا بلکہ سزا کا مطالبہ کیا اور اس کے ذریعہ مغفرت و پاکیزگی حاصل کرنے کی خود خواہش ظاہری کی۔ ماعز اسلمی کا واقعہ اس حوالے سے بہت معروف ہے۔

دیکھئیے: سنن ابی داؤد، کتاب الحدود، باب رجم ماعز بن مالک، رقم الحدیث ۴۵۲۴

۱۰۔ صحیح البخاری، کتاب الزکوۃ، باب اتقوا النار ولو بشق تمرۃ والقلیل من الصدقۃ، رقم الحدیث ۱۳۵۰

۱۱۔ صدیقی، یسین مظہر، عہد نبوی میں تنظیم ریاست وحکومت، نقوش رسول نمبر، مدیر، محمد طفیل، شمارہ ۱۳۰، دسمبر ۱۹۸۳ء، ۳۹۸/۵

۱۲۔ ابن قیم نے سیاست کی تعریف کچھ یوں کی ہے ''**السیاسة ما کان فعلا یکون معه الناس أقرب الی الصلاح و أبعد عن الفساد و ان لم یضعه الرسول ولا نزل به وحی**'' (دیکھیے: ابن القیم، شمس الدین أبی عبداللہ محمد بن ابی بکر بن أیوب، الجوزیۃ (۷۵۱ھ) الطرق الحکمیۃ فی السیاسۃ الشرعیۃ، القاھرہ، مطبعۃ المدنی، (س ن) ص۔۱۷)

۱۳۔ اس حوالے سے دیکھیئے:

(i) Philip Hamburger, (n.d.), Separation of church and state, Cambridge, Harvard University Press. pages.60

(ii) An- Naim, Abdullahi Ahmad (2008), Islam and the Secular State, Cambridge, Harvard University Press. pages-324

۱۴۔ شبلی نعمانی، سیرۃ النبی۔ ۷/۴۷

۱۵۔ منافقین اوس وخزرج اور یہود ونصاری کو نہ چاہتے ہوئے بھی آپ ﷺ کی سیاسی سیادت وقیادت تسلیم کرنا پڑی جو کہ آپ ﷺ کی فہم وفراست اور دانش مندی کا واضح ثبوت ہے۔ (اس حوالے سے دیکھیے:
William Muir, Sir (1923), Life of Mohammad, Edinburgh, John Grant 31. George iv Bridge. PP-179-186)

۱۶۔ ریاست مدینہ کی تاسیس وتشکیل اور دیگر مراحل کے لیے ڈاکٹر حمید اللہ کی کتابیں ''عہد نبوی میں نظام حکمرانی'' اور ''رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی اگر چہ بہت اہم ہیں مگر ریاست مدینہ کی ابتداء سے اوج کمال تک مختلف مراحل کو جس ترتیب کے ساتھ ''عہد نبوی میں تنظیم ریاست وحکومت'' (نقوش رسول نمبر، مدیر محمد طفیل، شمارہ۔۱۳۰، دسمبر ۱۹۸۳ء، ۳۴۲/۵۔۴۷۲) (کتابی شکل میں اسی عنوان سے یہ کتاب القاضی پبلشرز نئی دہلی سے ۱۹۸۸ء، میں شائع ہوئی جس تک رسائی نہیں ہوسکی)، عہد نبوی کا نظام حکومت، ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی۔ علی گڑھ (صفحات ۱۳۶)، از ڈاکٹر یسین مظہر صدیقی اور ''عہد نبویؐ میں ریاست کا نشو وارتقاء'' نشریات لاہور ۲۰۰۸ء صفحات ۵۰۴ از ڈاکٹر نثار احمد، میں بیان کیا گیا ہے، وہ انہی کتابوں کا خاصہ ہے لہٰذا اس حوالے سے تفصیلات کے لیے مندرجہ بالا کتب کی طرف رجوع کیجیے۔

۱۷۔ جدید سیرت نگار حضرات نے اس پہلو پر خاص توجہ دیتے ہوئے مکتوبات نبوی ﷺ سے عصر حاضر میں دعوتی حکمت عملی اخذ کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس حوالے سے دیکھئے (الصلابی، علی محمد (پ۱۹۶۳ء)، السیرۃ النبویۃ، دمشق۔ بیروت، دار ابن کثیر، ۱۴۲۸ھ/۲۰۰۶ء، ۴۴۳/۲، ۴۴۳) رمھدی رزق اللہ احمد، الدکتور، السیرۃ النبویۃ فی ضوء المصادر الاصلیۃ، الریاض، دار امام الدعوۃ، ۱۴۲۴ھ، ۸۲/۲

۱۸۔ الکتانی، الشیخ عبدالحیٔ (۱۳۸۲ھ)، نظام الحکومۃ النبویۃ المسمی التراتیب الإداریۃ، بیروت، دار الکتاب

العربی، (س ن) ۱/۱۸۲

۱۹۔ آپ ﷺ کے قاصدوں میں حضرت دحیہ الکلبیؓ سب سے زیادہ مشہور ہیں بقول کتانی علامہ عینی نے عمدۃ القاری میں انہیں ''أجمل الصحابة وجهاً'' قرار دیا ہے۔ (دیکھیے۔نظام الحکومۃ النبویۃ المسمی التراتیب الاداریۃ، ۱/۱۹۰) جبکہ عمدۃ القاری میں اصل الفاظ ''أجمل الناس وجهاً'' ہیں (دیکھیے العینی، بدرالدین أبی محمد محمود بن أحمد، (۸۵۵ھ) عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، بیروت، احیاء التراث العربی (س ن)، ۴/۸۵)

۲۰۔ ابن ھشام، ابومحمد عبدالملک (م ۲۱۳ھ)، السیرۃ النبویۃ، بیروت، داراحیاء التراث العربی (س ن) ۴/۱۸۵

۲۱۔ محمد حمید اللہ، مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ للعھد النبوی والخلافۃ الراشدۃ، بیروت، دارالنفائس، ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء، ص ۱۷۵۔۱۷۹۔ عدد ۹۴، ۹۵

۲۲۔ ایضاً

۲۳۔ محمد حمید اللہ، ڈاکٹر (۲۰۰۲ء)، عہد نبوی میں نظام حکمرانی، کراچی، اردو اکیڈمی سندھ، ۱۹۸۷ء ص ۱۲۸/ النحل: ۹۰/ النساء: ۵۸/ المائدہ: ۸

۲۴۔ ایضاً ص ۱۵۵/ عطیۃ محمد، جمال الدین، نحو فقہ جدید للأ قلیات، القاھرہ، دارالسّلام ۔۱۴۲۳ھ/۲۰۰۳ء، ص ۔۱۱۲

۲۵۔ نبی کریم ﷺ نے حبشہ میں جس سفیر کو نامزد کیا اس کا نام عمرو بن امیۃ الضمری تھا اور وہ اس وقت غیر مسلم تھے (دیکھیے۔ الشامی، محمد بن یوسف الصالحی، (۹۴۲ھ)، سبل الھدی والرشاد فی سیرۃ خیر العباد، تحقیق، الشیخ عادل أحمد عبدالموجود، بیروت، دارالکتب العلمیۃ، ۲۰۰۷ء/ ۱۴۲۸ھ ۱۱/۳۶۴/ الحلبی، علی بن ابراہیم (م ۱۰۴۴ھ)، انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون (السیرۃ الحلبیہ)، ضبط وتحقیق، عبداللہ محمد الخلیلی، بیروت، دارالکتب العلمیۃ، ۲۰۰۸ء ۲/۴/۲۷)

۲۶۔ محمد حمید اللہ، عہد نبوی کا نظام حکمرانی ۔ص ۲۶۱

۲۷۔ صلح حدیبیہ اور اس کی شرائط اس کی واضح مثال ہے۔ السھیلی، عبدالرحمٰن بن عبدالملک بن أحمد بن أبی الحسن، الخثعمی، (۵۸۱ھ) الروض الانف فی تفسیر السیرۃ النبویۃ لابن ھشام، القاھرہ، دارالحدیث۔ ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء۔ ۴/۵۵

۲۸۔ زادالمعاد ۳/ ۵۰۰، ۵۲۶

۲۹۔ الکتانی، نظام الحکومۃ النبویۃ المسمی التراتیب الإداریۃ، ۱/۹/ (انتظامی اداروں کی نوعیت اور تفصیلات کے لیے دیکھیے۔ عہد نبوی میں ریاست کا نشو وارتقاء از ڈاکٹر نثار احمد اور عہد نبویؐ میں تنظیم ریاست وحکومت از ڈاکٹر یسین مظہر صدیقی۔)

۳۰۔ مثلاً حضرت أسامہ بن زید کو آپ ﷺ نے شام کی طرف ایک لشکر کا سپہ سالار بنا کر بھیجا حالانکہ اس میں جلیل القدر صحابہ شامل تھے آپ ﷺ نے منافقین کے طعن کے باوجود انہیں برقرار رکھا اور فرمایا کہ اللہ کی قسم یہ (اسامہ بن زیدؓ) امارت کا مستحق ہے اور لوگوں میں مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے لشکر اسامہ کی فتح نے آپ ﷺ کے انتخاب کو درست ثابت کیا۔

(دیکھیے: صحیح مسلم، فضائل الصحابۃ، باب فضائل زید بن حارثۃ واسامہ بن زیدؓ، رقم الحدیث، ۶۴۱۷)

۳۱۔ السرخسی، محمد بن احمد بن أبی سھل، ابوبکر، (۴۸۳ھ)، اصول السرخسی، بیروت، دارالمعرفۃ، ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸م، ۹۲/۱۰/ الیعقوبی، احمد بن اسحاق ابی یعقوب بن وھب (۲۹۲ھ)، تاریخ الیعقوبی، بیروت، دارصادر (س ن)۔ ۵۶/۲

۳۲۔ جدید سیرت نگار حضرات کے ہاں تو یہ تاثر ملتا ہے (مصطفیٰ السباعی، السیرۃ النبویۃ ص۔ ۴۶۰) جبکہ قدیم سیرت نگاری اور کتب فقہ میں تعلّقات کی بنیاد قتال ہی ہے۔ امام سہیلی نے بعض فقہاء کے حوالے سے لکھا ہے کہ 'حظر الصلح ھوالأصل بدلیل آیۃ القتال' (الروض الانف ۵۵/۴)

۳۳۔ ابن حجر العسقلانی، احمد بن علی بن محمد بن احمد، (۸۵۲ھ)، فتح الباری شرح صحیح البخاری، لاھور، دارنشر الکتب الاسلامیہ، ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء، ۱۵۵/۱

۳۴۔ البوطی، محمد سعید رمضان، الدکتور، (پ۱۹۴۲ء)، فقہ السیرۃ، مصر، دارالمعارف، (س ن)، ص ۲۹۶/ محمد حمیداللہ، ڈاکٹر (۲۰۰۲ء)، عہد نبوی میں نظام حکمرانی، کراچی، اردو اکیڈمی سندھ، ۱۹۸۷ء، ص ۲۴۴۔

۳۵۔ ابوسفیان نے قبل از قبول اسلام قیصر صاحب روم کے سامنے آپ ﷺ کی اس خوبی کا اعتراف کیا تھا، ابن کثیر، عماد الدین، ابوالفداء اسماعیل (م ۷۷۴ھ)، السیرۃ النبویۃ، تحقیق، ا۔ د۔ مصطفیٰ عبدالواحد، القاھرہ، دارالسّلام، ۱۴۳۲ھ/۲۰۱۱ء ۱۳۱۰/۳)

۳۶۔ صلح حدیبیہ کے بعد بنوخزاعہ مسلمانوں کے جبکہ بنوبکر قریش کے حلیف بن گئے بنوبکر نے مکہ میں بنوخزاعہ پر حملہ کر دیا۔ آپ ﷺ نے اسے معاہدے کی خلاف ورزی سمجھتے ہوئے بنوخزاعہ پر حملہ اپنے اوپر حملہ تصور کیا چنانچہ آپ نے مکہ کی طرف کوچ کیا جس کے نتیجہ میں مکہ فتح ہوا۔ دیکھیے السیرۃ النبویۃ لابن ہشام۔ ۳۱/۴، واقدی، محمد بن عمر بن واقد (م ۲۰۷ھ)، کتاب المغازی للواقدی، تحقیق الدکتور مارسدن جونس، بیروت لبنان۔ ۱۴۰۹ھ/۱۹۸۹ء، ۷۸۱/۲

۳۷۔ السیرۃ النبویۃ لابن ھشام۔ ۲۴۰/۳/ کتاب المغازی للواقدی۔ ۴۸۰/۲

۳۸۔ شبلی نعمانی، سیرۃ النبی ۱۹۲/۱/ ضیاء العمری، اکرم، السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ، المدینۃ المنورہ، مکتبۃ العلوم والحکم، ۱۴۱۳ھ/۱۹۹۳م۔ ۳۴۶/۲/ محمد حمیداللہ، عہد نبوی میں نظام حکمرانی، ص۔ ۲۴۷

۳۹۔ مسلمانوں سے سخت دشمنی اور کفار مکہ کے غم وغصہ کا آپ ﷺ کو پوری طرح اندازہ تھا کیونکہ قریش اور ان کے حلیفوں کے ظلم وستم سے مسلمانوں کے زخموں سے ابھی خون ٹپک رہا تھا اسی احساس اور پھر مدینہ میں موجود دشمن کی وجہ سے آپ ﷺ نے میثاق مدینہ کے ذریعہ یہودیوں سے اپنے آپ کو محفوظ کر لیا اور مدینہ پر حملہ کی صورت میں مشترکہ دفاع پر راضی بھی کر لیا (دیکھیے: محمد الغزالی، فقہ السیرۃ، دمشق، دارالقلم، ۱۴۲۷ھ/۲۰۰۶ء، ص۔ ۱۹۵)

۴۰۔ صحیح البخاری، کتاب الانبیاء، باب ام کنتم شھداء اذ حضر یعقوب الموت، رقم الحدیث، ۳۱۹۴

۴۱۔ السیرۃ النبویۃ لابن ھشام۔ ۲۷/۴/ کتاب المغازی للواقدی۔ ۷۷۰/۲

۴۲۔ ایضاً ۴۶/۴

عیون الاثر کے ادبِ سیرت پر علمی وفنی اثرات

محمد وسیم☆/عمر حیات☆☆

Abstract:

"Muhammad bin Muhammad Ibn-e-Sayyed un'naas is one of the distinguished Seerah writers, of 8th century Hijrah. He belonged to Egypt and was included also in prominent scholars of Hadith (محدثین) ''عیون الاثر فی فنون المغازی والشمائل والسیَر'' in his an outstanding achievement regarding Seerah writing with an effective imprint."

قرآنِ مجید کی طرح نبی آخرالزماں حضرت محمد ﷺ کے اقوال وافعال بھی مسلمانوں کے لیے راہِ ہدایت ہیں۔اس لیے قرآن کریم کی توضیح وتشریح کی طرح سرورِ دوجہاں حضرت محمد ﷺ کی سیرتِ طیبہ کو بھی ابتداء ہی سے موضوعِ بحث بنایا گیا، چنانچہ سیرتِ طیبہ پر مختلف اوقات میں مختلف رجحانات کی حامل کتب تحریر کی گئیں۔جن میں سیرت نگاروں نے سیرتِ طیبہ کو مختلف زاویہ ہائے نگاہ سے دیکھا اور ہر شعبہ زندگی سے متعلّق انسانوں کے لیے آپ ﷺ کی زندگی سے رہنما اصول اخذ کیے۔

جن حضرات نے نبی کریم ﷺ کی سیرتِ طیبہ کو اپنی تصنیف وتالیف کا موضوعِ خاص بنایا، اُن میں آٹھویں صدی ہجری کے ممتاز مصری عالمِ دین ''محمد بن محمد ابنِ سیّد النّاس'' (۶۱۷ھ۔۷۴۳ھ) بھی ہیں۔جن کا شمار اپنے وقت کے محدثین میں ہوتا ہے تاہم تذکرہ نگاروں کے ہاں آپ سیرت نگار کی حیثیت سے مشہور ہیں۔اُنہوں نے اپنے وقت کے ممتاز مشائخ سے علوم دینیہ کی تعلیم حاصل کی اور درس و تدریس کے شعبہ سے منسلک ہو گئے۔اُنہوں نے تخصص فی الحدیث کی ابتدا کی اور تقریباً ۳۰ سال تک حدیث کا درس دیتے رہے۔آپ کی تصانیف میں سیرتِ طیبہ پر لکھی گئی کتاب ''**عیون الاثر فی فنون المغازی و الشمائل والسیر**'' زیادہ مشہور ہے۔

عیون الاثر اپنے زمانہ تالیف وتصنیف سے لے کر آج تک مقبول ومتداول ہے۔مصنّف نے کتاب کی ابتداء سے قبل مقدمۂ کتاب میں منہج واسلوب اور واقعات کی تفصیل میں صحابہ کرامؓ کے ناموں کو

☆ ایم فل اسکالر، شعبۂ علومِ اسلامیہ، جی سی یونیورسٹی، فیصل آباد
☆☆ اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اسلامیہ، جی سی یونی ورسٹی، فیصل آباد

مخصوص علامات کے ساتھ بیان کرنے کے علاوہ عیون الاثر کے تالیف کرنے کی وجہ پر روشنی ڈالنے کے بعد سیرت نگاری کے امامین ابن اسحاق اور واقدی کی شخصیت کے مستند اور مرجوح ہونے کے حوالے سے علما کے مابین پائے جانے والے اختلاف پر تفصیلی کلام فرما کر اُن کی شخصیت کو قابلِ اعتماد اور اُن کی روایات کو قابلِ استناد قرار دیا۔

عیون الاثر کی تالیف کے دوران مصنّف نے کتاب کو مخصوص حصوں میں منقسم کیا اور نہ ہی ابواب اور فصول میں، بلکہ نبی کریم ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے تمام اہم واقعات کو "**ذکر نسب سیدنا و نبینا رسول ﷺ...ذکر مولدرسول اللّٰہ ﷺ، ذکر تسمیة محمد و احمد ﷺ الخ**" وغیرہ کے عنوان کے تحت واقعات کے تمام اجزاء کو مفصّل بیان کرتے گئے ہیں۔

کتاب کا ابتدائی حصہ نبی کریم ﷺ کے ایام طفولیت سے بعثت تک، بعثت سے ہجرت مدینہ تک، ہجرت اور قبل از غزوات کے حالات و واقعات پر مشتمل ہے، جن میں آپ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کے اہم واقعات کو زمانی حوالہ سے بیان کیا ہے۔ یہ حصہ تقریباً ۲۸۰ صفحات پر مشتمل ہے۔

کتاب کے دوسرے حصہ کی ابتدا "**جُمّاع ابواب مغازی رسول اللّٰہ ﷺ وبعوثه و سرایاه**" سے ہوتی ہے۔ جس میں سب سے پہلے جہاد کی فرضیت کو ذکر کر کے غزوات اور سرایا کی تعداد پر کلام کیا ہے۔ بعد ازاں غزوات وسرایا پر مستقل کلام فرمایا ہے۔ جس میں غزوات کے ساتھ تحویلِ قبلہ، فرضیتِ صیام اور صدقہ فطر، وفود کی آمد (وفود کی آمد کی تفصیل میں ۲۸ وفود کا تذکرہ کیا ہے)، بعض صحابہ کے اسلام لانے کے واقعات، صلح حدیبیہ (مصنّف نے اِس کا نام غزوہ حدیبیہ دیا ہے)، فتح مکہ، حضرت ابوبکر کو امیر حج بنانا اور مکاتیب نبوی ﷺ کو بیان کیا۔ یہ حصہ ۴۶۶ صفحات پر مشتمل ہے۔

واقعہ حجۃ الوداع سے کتاب کے تیسرے حصہ کی ابتدا ہوتی ہے۔ اِس میں آپ ﷺ کی عادات و اخلاق پر روشنی ڈالنے کے ساتھ ساتھ نبی کریم ﷺ کی ازواجِ مطہّرات (حضرت خدیجہؓ کے علاوہ)، اولاد، غلام، خادمین، رشتہ دار (چچا، پھوپھی، ماموں، رضاعی ماں باپ اور بہن بھائی)، آپ ﷺ کے زیرِ استعمال رہنے والی اشیاء (سواری، زرہ، تلوار وغیرہ)، ہجرت کے بعد کے تمام سالوں کا مختصر سا خلاصہ اور معجزات کو بیان کر کے آپ ﷺ کے وصال پر ملال کو بیان کرنے کے بعد آپ ﷺ کی شان میں جو اشعار کہے گئے اُن میں سے کچھ کا ذکر کیا ہے۔ یہ حصہ ۹۸ صفحات پر مشتمل ہے۔

عیون الاثر اپنے اندازِ بیان وسلاست اور محدثانہ اسلوب کی بنا پر کتبِ سیَر میں اعلی مقام کی حامل ہے۔ مؤلف نے دورانِ تالیف کتبِ صحاح ستہ اور کتبِ سیَر سے استفادہ کرنے کے ساتھ انساب کی تفصیل اور واقعات کی تواریخ کی وضاحت میں کتبِ انساب اور کتبِ تواریخ کو بھی مدنظر رکھا۔ کتاب کی اہمیت کے پیشِ نظر ذیل میں عیون الاثر کے ادبِ سیرت پر علمی اور فنی اثرات کا جائزہ لیا گیا ہے۔

علمی اثرات

نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے انسانیت کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔ آپ ﷺ کے اسوۃ حسنہ کو اپنانے کی تلقین کی اور سرورِ دو جہاں ﷺ کی اتباع اور اطاعت کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

"یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا أَطِیعُوا اللَّهَ وَأَطِیعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ"(۱)

(اے ایمان والو! اللہ اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو ضائع مت کرو)

آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی سے گہرے تعلق کے باعث ابتدا ہی سے آپ ﷺ کے افعال و اقوال اور حیاتِ مطاہرہ کے واقعات کو جاننے کی سعی کی گی۔ جس کی وجہ سے ہر زمانہ میں مختلف انداز بیان کی حامل کتبِ سیَر وجود میں آئیں۔ انہی میں عیون الاثر بھی ہے۔ جسے عوام میں شہرت اور پذیرائی حاصل ہوئی، جس پر دیگر مؤلفین اور سیرت نگاروں نے علمی کام کیا اور اس کو بنیادی مآخذ کا درجہ دیا۔ اسی طرح عصر حاضر کے اکثر سیرت نگاروں نے بھی اس سے استفادہ کیا۔ ذیل میں عیون الاثر کی تلخیص، شروحات، منظوم سیرت اور نثری کتبِ سیرت کے لیے اس کتاب کو بنیادی ماخذ کا درجہ دینے والوں اور عصر حاضر کے سیرت نگاروں میں سے استفادہ کرنے والوں کا اجمالا ذکر کیا جاتا ہے۔ جس سے عیون الاثر کی اہمیت کا اور تلقی بالقبول کا علم ہوتا ہے۔

تلخیصِ عیون الاثر

عیون الاثر کی تلخیص صاحبِ کتاب نے خود کی ہے جس کا نام" **نور العیون فی تلخیص سیرة الامین المامون** ﷺ "رکھا۔ عیون الاثر کی تلخیص کرنے کی وجہ کو ذکر کرتے ہوئے ابنِ سیّد الناس ''نورالعیون'' کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

> **"فلما وضعت كتابی المسمی"عیون الاثر فی فنون المغازی و الشمائل والسیر"ممتعا فی بابه، مغنیا عما سواه ٗ لقاصدی هذا العلم وطلابه.. رآیت ان الخص فی هذه الاوراق منه ما قرب مأخذه ونقله وسهل تناوله وحمله لیكون للمبتدی تبصرة وللمنتهی تذكرة"(۲)**
>
> (جب میں نے اپنی کتاب جس کا نام عیون الاثر فی فنون المغازی والشمائل والسیر کی تالیف کی جو کہ اس باب (سیرت) میں فائدہ پہنچانے والی اور اس علم کے حصول کا ارادہ کرنے والوں اور اسے حاصل کرنے والوں کو اس کے علاوہ (دیگر کتبِ سیرت) سے مستغنی کروالی تھی۔ تو میں نے یہ غور وفکر کیا کہ میں اُس کتاب سے وہ باتیں تلخیص کروں جو اپنے مأخذ اور منقول کے زیادہ قریب ہو اور اُس کا حاصل کرنا اور سمجھنا آسان ہوتا کہ مبتدی کو بصیرت حاصل ہو اور منتہی کو یاد رکھنا سہل ہو)

نور العیون میں مؤلف نے آپ ﷺ کی زندگی کے تمام اہم واقعات کو بلاسند ذکر کیا ہے۔ نہایت مختصر الفاظ میں غزوات کا تذکرہ کیا نیز وفود کا تذکرہ کیے بغیر آپ ﷺ کی صفات، ازواج مطہّرات،

اولاد ورشتہ دار اور نبی آخرُالزمانﷺ کے استعمال میں رہنے والی اشیا کا تذکرہ تفصیلا کیا ہے۔ نبی کریمﷺ کی حیاتِ مطہّرۃ کے اہم واقعات (آپﷺ کا نسب نامہ، ولادت، رضاعت، پرورش، بعثتِ بنویﷺ، مغازی کی تعداد) کو۱۴صفحات میں بیان کیا۔ آپﷺ کی صفات وعادات، لباس، اخلاق ومزاجِ کریمانہ اور آپﷺ کے اسماء مبارکہ کا تذکرہ ۲۸صفحات پر مشتمل ہے نیز نبی دوعالمﷺ کی ازواجِ مطہّرات، رشتہ داروں، مکاتیبِ نبویﷺ، خاص شمشیرزن، عشرہ مبشرہ، ذکی وفتین حضرات، آپﷺ کے استعمال میں رہنے والی اشیاء، معجزات اور وفات پرملال کا تذکرہ ۶۶ صفحات پر محیط ہے۔

شروحات

کتاب کی اہمیت اوراعلیٰ مرتبہ کے پیش نظر مختلف حضرات نے کتاب کی وضاحت اوراس کے مشکل مقام کی تشریح کی ہے۔ اِن شارحین میں سب سے زیادہ مشہور برہان الدین، ابراہیم بن محمد بن خلیل الطرابلسی الحلبی ہیں جوکہ بسط ابن العجمی اور الوقوف کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ کی ولادت ۲۲ رجب۷۵۳ میں حلب میں ہوئی(۳) آپ نے عیون الاثر کے مشکل مقام اور مبہم الفاظ کی وضاحت کی خاطر نورالنبراس فی شرح سیرۃ ابن سید الناس کے نام سے کتاب تالیف فرمائی۔ تمام تذکرہ نگاروں نے آپ کے حالات میں اس کتاب کا ذکر کیا ہے۔

نورالنبراس فی شرحِ سیرۃِ ابنِ سیّد الناس دوجلدوں پر مشتمل ہے۔ جس میں بسط ابن العجمی نے عیون الاثر کے کلمات یا جملوں کو منتخب کر کے اُن کے الفاظ پر اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں۔ الفاظ کے اشتباہ کی جانب متوجہ کرنے کے ساتھ اُس کو دور کرتے ہیں۔ مجمل الفاظ کی وضاحت کرتے ہیں نیز الفاظ میں پائی جانی والی غلطی کا تدارک کرنے کے علاوہ اپنے رائے کے ذریعے درست بات کی توثیق بھی کرتے ہیں۔ کتاب کی اہمیت کا ذکرکرتے ہوئے محقق وداد یحیی بن عبدا لجبار لکھتے ہوئے ہیں:

> ”دقیق فی تخریج الحدیث: فیتدرج فی عزو الحدیث بحسب أهمیة المصدر، حیث یبدأ بصحیح البخاری، ثم صحیح مسلم ، ثم بقیة السنن، ثم المسانید، ثم المعاجم، ثم الأجزاء ، وإذا فات مؤلف الأصل (ابن سید الناس) فی التخریج شیئاً، نبه علی ذلک، ومن أمثلة ذلک: أنه یصحح بعض الأخطاء فی الأعلام. أنه یصحح أخطاء مؤلفین آخرین وقعوا فیها فی مؤلفاتهم أنه ینبه علی الاختلا ف فی روایات الأحداث أنه نقل عن مصادر هی فی عداد المفقودات ککتاب مشتبه الأسامی للزمخشری“(۴)
>
> (حدیث کی تخریج میں باریک سے کام لینے والے تھے۔ مآخذ کی اہمیت کو پیشِ نظر رکھ کر احادیث کو بیان کرتے۔ اِس لیے سب سے پہلے صحیح بخاری سے پھر صحیح مسلم سے پھر سنن

سے پھر مسانید سے پھر معاجم سے اور آخر میں اجزاء سے روایت کو لاتے۔ اگر ابنِ سیّد الناس سے کتاب میں کسی چیز کو ذکر نہ کیا گیا ہو تو اُس کو بیان کرتے ہیں۔ اسی طرح اعلام میں واقعہ اغلاط کی تصحیح کرتے ہیں۔ دیگر مؤلفین کی کتب میں پائے جانے والی اغلاط کو درست کرتے ہیں۔ روایات میں پائے اختلاف پر متنبّہ کرنے کے علاوہ اسی کتب کو مآخذ بنا جو اس وقت ناپید ہیں جیسے زمخشری کی مشتبہ الاسامی۔)

اس کے علاوہ برصغیر کے ممتاز سیرت نگار علامہ شبلی نعمانی اپنی کتاب سیرت النبی ﷺ کے مقدمہ میں متاخرین کی کتبِ سیرت کے بیان میں ''نور النبراس'' کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''نور النبراس فی سیرتِ ابنِ سیّد الناس عیون الاثر کی شرح ہے۔ مصنّف کا نام ابراہیم بن محمد ہے۔ یہ کتاب نہایت محقّقانہ لکھی گی ہے اور معلومات کا گنجینہ ہے۔''(۵)

الغرض عیون الاثر کی شروحات میں سے ''**نور النبراس فی سیرۃ ابن سید الناس**'' نہایت اعلی پائی کی کتاب ہے۔ جس نے عیون الاثر کی افادیت میں مزید اضافہ کر دیا ہے۔

عیون الاثر کی شروحات میں صلاح الدین المنجد کی تحقیق کے مطابق '' **النبراس علی شرح سیرۃ ابن سید الناس**'' کا ایک مخطوطہ مکتبہ عارف حکمت سیرۃ نمبر ۱۲۴ کے تحت موجود ہے۔ آپ لکھتے ہیں کہ اس پر تصحیحات بھی موجود ہیں۔(۶)

اسی طرح صلاح الدین المنجد نے عیون الاثر کے شروحات میں ''**اقتباس الاقتباس لحل مشکل سیرۃ ابن سید الناس**'' کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ جو کہ محمد بن احمد بن عبدالھادی الصالحی الدمشقی (م ۷۴۴ھ) کی تالیف ہے۔(۷) صلاح الدین المنجد کی تحقیق کے مطابق اقتباس الاقتباس قاہرہ کے مکتبہ القدسی سے ۱۹۳۷ء میں شائع ہو چکی ہیں۔(۸) جبکہ صاحب شذراتُ الذہب نے شذرات الذہب، عمر رضا کحالۃ نے معجم المؤلفین اور حافظ ابنِ حجر عسقلانی نے الدرر الکامنہ میں محمد بن احمد بن عبدالھادی کے ترجمہ کے ذیل اور اسماعیل پاشا نے ہدیۃ العارفین میں ان کی اس کتاب کا تذکرہ نہیں کیا ہے۔

شروحات میں ایک شرح ''**الاقتباس لحل مشاکل سیرۃ ابن سید الناس**'' کا تذکرہ بھی صلاح الدین المنجد نے کیا ہے۔ جس کی مصنّف یوسف بن عبدالھادی الصالحی (م ۹۰۹ھ) ہیں۔ اس کتاب کا مخطوطہ آپ کی تحقیق کے مطابق مکتبہ ظاہر یہ میں مجموع ۵۴/۴ کے تحت موجود ہے۔(۹) محقق عیون الاثر نے بھی اس کتاب کا ذکر کیا ہے۔ اسی طرح عمر رضا کحالہ نے معجم المؤلفین میں اور صاحب ایضاح المکنون نے بھی اس کتاب کا ذکر کیا ہے۔

منظوم کتب

شروحات کے علاوہ عیون الاثر کو بنیادی ماخذ بنا کر شاعرانہ قالب میں پیش کیا ہے۔ ان حضرات میں قاضی ابن شہید ابوالفتح محمد بن ابراہیم بن محمد (م ۷۹۳ھ) ہیں۔ جنہوں نے ۲۵۰۰۰/ اشعار

کے قالب میں سیرتُ نبوی ﷺ کو بیان کیا ہے۔ آپ کی یہ کاوش تین جلدوں میں ہے۔اس کا نام الفتح القریب فی سیرۃ الحبیب ہے۔صاحب کشف الظنون نے اس منظوم کلام کو سیرت ابن اسحاق کی شروحات اور اُس پر لکھی کتب کے ذیل میں ذکر کیا ہے۔(۱۰) جبکہ الزرکلی کے نزدیک یہ کتاب سیرت ابنِ سیّد الناس کی شرحہ ہے۔قاضی ابنِ شہید نے اسی کتاب کو مدِنظر رکھ کتاب تالیف کی۔ چنانچہ الزرکلی لکھتے ہیں:

"مدة نظم فيها "السيرة النبوية" لابن سيد الناس في بضعة عشر ألف بيت مع زيادات وسماها الفتح القريب في سيرة الحبيب"(۱۱)

(یہ بات مشہور ہے کہ ابن سیّد الناس کی کتاب السیرۃ النبویۃ پر ان کی نظم پچیس ہزار اشعار کے مجموعہ پر مشتمل ہے جس کا نام الفتح القریب فی سیرۃ الحبیب ہے)

الدررالکامنہ میں آپ کی کتاب کی وضاحت نہیں کی گی کہ یہ "السيرة النبوية لابن هشام" کی شرح ہے یا عیون الاثر کی۔(۱۲) البتہ محقق عیون الاثر نے اِسے عیون الاثر کی منظوم کلام قرار دیا ہے۔(۱۳)

اس کے علاوہ صلاح الدین المنجد نے منظوم کلام میں محمد بن یوسف ابوحیان النحوی (م۷۴۵ھ) کی عیون الاثر پر ایک نظم کا ذکر کیا اور یہ بھی فرمایا کہ اُس کا مخطوطہ مکتبہ البلدیۃ الاسکندریۃ میں موجود ہے۔ جبکہ دیگر محققین نے اس کا تذکرہ نہیں کیا۔(۱۴)

عیون الاثر بطور ماخذِ سیرت نگاری

اسی طرح ہر زمانہ کے سیرت نگاروں نے عیون الاثر کو اپنی کتبِ سیرت کی تالیف کے لیے بنیادی درجہ دیا جیسے امام شامی شیخ محمد بن یوسف الصالحی الشامی (م۹۴۲ھ) نے اپنی تصنیف لطیف "سبل الهدى والرشاد في خير العباد المعروف السيرة الشامية" کے کثیرت ابواب میں عیون الاثر سے استفادہ کیا ہے جیسے علامہ شامی نے "فصل في الكلام على احاديث النهي عن الاستغفار" کے ذیل میں آپ ﷺ کے والدگرامی کے تذکرہ کرتے ہوئے ابنِ سیّد الناس کا قول ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"وقال الحافظ ابن سيدالناس في العيون بعد ان اذكرانه روى ان الله تعالى احيابويه فامنابه ...الخ"(۱۵)

(اور حافظ ابن سید الناس عیون الاثر میں آپ ﷺ کے والدین کریمین کے ایمان لانے کے لیے دوبارہ زندہ کیے جانے سے متعلق کہتے ہیں کہ یہ وہم ہے)

اس کے علاوہ شیخ علی بن ابراہیم بن احمد الحلبی الشافعی (م۱۰۴۴ھ) نے اپنی کتاب "انسان العيون في سيرة الامين المامون" کی تالیف میں عیون الاثر کو بنیادی ماخذ قرار دیا، چنانچہ کتاب کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

"الكتب المشهورة في السيرة النبوية جمعها من كتاب عيون الأثر

لابن سید الناس (وذکر أنه أحسن ما ألف فی السیرة) واختصر منه الأسانید"[۱۶]

(سیرت نبویہ ﷺ کے باب میں مشہور کتاب (السیرۃ الحلبیۃ) جس کو اُس نے ابنِ سیّد الناس کی عیون الاثر سے جمع کیا ہے اور اس کی اسانید کو کم کیا ہے)

امام الحلبی کے علاوہ امام زرقانی (م۱۱۲۲ھ) نے "شرح الزرقانی علی المواهب اللدینة بالمنح المحمدیة "، میں عیون الاثر سے استفادہ کیا ہے، جیسے" نبدة من قسم الغنائم وعتب الانصار" کے ذیل میں ابنِ سیّد الناس کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"قال ابن سید الناس وهذا ضعیف، والمعروف عند أهل السیر أن النبی صلی الله علیه وسلم انتهی إلی الجعرانة لیلة الخمیس، لخمس لیال خلون من ذی القعدة، فأقام بها ثلاثة عشر لیلة"[۱۷]

(ابنِ سیّد الناس کہتے ہیں کہ یہ بات ضعیف ہے جبکہ اہلِ سیَر کے نزدیک مشہور یہ ہے کہ آپ ﷺ جمعرات ۵ ذی القعدہ کو مقامِ جعرانہ پہنچے اور وہاں ۱۳ دن قیام فرمایا۔)

اس کے علاوہ بھی دیگر سیرت نگاروں نے بھی سیرت النبی ﷺ کے بیان میں عیون الاثر سے استفادہ کرتے رہے ہیں۔

عصرِ حاضر کے سیرت نگاروں میں جناب حسن بن محمد المشاط المالکی (م۱۳۹۹ھ) نے انارة الدجی فی مغازی خیر الوی صلی الله تعالی علیه آله وسلم میں، ابرہیم بن محمد المدخلی نے مرویات غزوہ خندق میں اور بریک بن محمد بریک ابومایلہ العمری نے غزوہ مؤتہ و السرایا و البعوث النبوية میں عیون الاثر سے اقتباسات نقل کیے ہیں۔

اسی طرح عبدالحی الکتانی محمد عبدالحی بن عبدالکریم نے اپنی کتاب التراتیب الادرية و العاملات والصناعات والمتاجر و الحالة العلمية التی کانت علی عهد تآسیس المدینة الاسلامیة فی المدینة المنورة العلمیة میں متعدد مقام پر سیرت ابنِ سیّد الناس کے اقتباس نقل کیے ہیں۔ جیسے باب فی ذکر الأغنیاء من الصحابة ومن توسع منهم فی الأمور الدنیویة میں عیون الاثر کا اقتباس نقل کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"قال ابن سید الناس فی سیرته:لما تکلم علی غزوة تبوک:أنفق عثمان فی ذلک نفقة عظیمة لم ینفق أحد مثلها اهـ"[۱۸]

(ابنِ سیّد الناس نے غزوہ تبوک پر کلام کرتے ہوئے اپنی سیرت میں رقم طراز ہیں کہ اس غزوہ میں حضرت عثمانؓ نے اتنا عظیم مال خرچ کیا کہ اُس کی مثل کسی نے بھی خرچ نہیں کیا۔۔۔الخ)

اس کے علاوہ انہوں نے تین مقام (باب فی الصیقل، باب فی ذکر فسطاطہ علیہ السّلام اور باب

فی علم الانساب) کے ذیل میں سیرت ابن سیّدالناس کے حوالے نقل کیے ہیں۔

عصر حاضر کے سیرت نگاروں میں ایک ممتاز سیرت نگار ڈاکٹر ضیاء العمری صاحب نے بھی اپنی کتاب" السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ"میں متعدد مقام پر عیون الاثر کے حوالے دیے ہیں جیسے اہل صفہ کی تعداد کے اقوال میں عیون الاثر کا حوالہ دیا ہے۔بنو نضیر کی جلاوطنی کے نوٹس میں بھی عیون الاثر کا حوالہ دیا ہے۔(۱۹)

اسی طرح اردو سیرت نگاروں نے بھی عیون الاثر کو بنیادی مأخذ کا درجہ دیا ہے اور کتاب سے استفادہ کیا ہے، جیسے مولانا محمد ادریس کاندھلوی نے سیرت مصطفیٰ ﷺ میں غزوہ بنی قینقع کے ذیل میں اس کے اقتباس ذکر کیے ہیں۔

پیر محمد کرم شاہ الازہری نے بھی عیون الاثر سے اقتباس نقل کیا ہے۔جیسے پیر صاحب نے وفود کے تذکرہ کے دوران"وفد بنی عبث" کے ذیل میں سیرتِ ابنِ سیّدالناس سے اقتباس نقل کیا ہے۔(۲۰)حکیم محمود احمد اختر نے"سیرت خاتم النبیین ﷺ" میں بھی عیون الاثر پر اعتماد کرتے ہوئے کئی مقامات پر اس کتاب کے حوالے دیے ہیں۔جیسے نبی کریم ﷺ کی ولادت باسعادت کے بارے میں عیون الاثر کا اقتباس نقل کرتے ہوئے لکھا:

> "آپ کے دادا عبدالمطلب کو عبداللّٰہ اور آمنہ کے نورِ نظر کی ولادت باسعادت کی خبر دی گئی۔خبر سنتے ہی عبدالمطلب کی آنکھوں کے سامنے اپنے نورِ نظر حضرت عبداللّٰہ کی تصویر گھومنے لگی۔فوراً اٹھے اور سیدہ آمنہ کے گھر جا کر اپنے پوتے کو دیکھ کر نہایت مسرور و محفوظ ہوئے"(۲۱)

اسی طرح غزوہ احزاب میں شہید ہونے والے مسلمانوں کی تعداد کا ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

> "مسلمانوں کے چھ حضرات نے جام شہادت نوش فرمائی۔بعض اصحاب السیر نے دو نام اور دئیے ہیں"(۲۲)

جامِ شہادت نوش کرنے والے صحابہ کے نام ذکر کیے۔بعض اصحاب السیر کی ذیل میں ابن سیّدالناس کا نام ذکر کیا ہے۔

الغرض ابن سیّدالناس کی کتاب ابتدا سے لے کر اب تک سیرت نگاروں کی توجہ کا مرکز ہے۔ اور ہر زبان کے سیرت نگاروں نے کسی نہ کسی ذریعے سے کتاب سے استفادہ کیا ہے۔اس کتاب میں کتبِ صحاح ستہ اور کتبِ سیَر کی مرویات اور اقوال کو نہایت عمدگی سے یکجا کیا گیا ہے۔واقعاتِ سیرت میں تسلسل اور ہم آہنگی رکھنے کی خاطر فوائد اور اہم الفاظ کی وضاحت کو واقعہ کے آخر میں عنوان کے ذیل میں بیان کرتے ہیں۔جس سے کتاب افادیت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

فنی اثرات

سرور عالمﷺ کی صفات وکمالات کو دوسروں تک پہنچانے کے لیے آپﷺ کی سیرت کے مختلف پہلوؤں کو پہلی صدی ہجری میں ہی مرتب کیا۔ بعد کے علما نے مختلف انداز اور زاویوں سے سیرت کا مطالعہ کیا اور اُس پر کتب تحریر فرمائیں۔

آٹھویں صدی ہجری میں سیرت النبیﷺ کے موضوع پر جو کتب منظر عام پر آئیں اُن میں محمد بن محمد بن سید الناس المعروف ابن سیّد الناس کی تصنیف "**عیون الاثر فی فنون المغازی و الشمائل والسیر**" ایک اہم اور عمدہ کتاب ہے۔ آپ نے فنِ سیرت میں جو اصلاحات اور انداز اپنایا اُس سے سیرت رسولﷺ میں کیا تبدیلیاں رونما ہوئیں ذیل میں اُن کا اجمالاً ذکر پیش کیا جاتا ہے۔

خصائص وشمائل اور آپﷺ کے استعمال کی اشیاء کا بیان

سیرت النبیﷺ کے باب میں ابن سیّد الناس نے ایک انداز اسلوب یہ اپنایا کہ سیَر اور مغازی کی تفصیل کے بعد سرور کونین حضرت محمدﷺ کی خصوصیات، شمائل مبارکہ اور آپﷺ کے استعمال میں رہنے والی اشیاء کا ذکر کیا۔ سیرۃ ابن سیّد الناس سے قبل نبی آخر الزمان حضرت محمدﷺ کے شمائل اور دلائل پر الگ الگ کتب تحریر کی جاتی رہی ہیں۔ ابن حزم نے "جوامع السیر" میں آپﷺ کے نسب نامہ کی تفصیل بیان کرنے کے بعد مختصراً نبی کریمﷺ کے اخلاق وصفات کو بیان کیا ہے۔ لیکن سیرت کی کسی ایک کتاب میں نبی آخر الزمانﷺ کے عادات وسیَر سے متعلق واقعات کو، غزوات النبیﷺ اور شمائل وخصائص پر تفصیل سے کلام آپ سے قبل کسی سیرت کی کتاب میں نہیں ملتا نیز آپ نے خصائص وشمائل کے ابواب کو غزوات کے باب کے بعد ذکر کیا ہے اور اسی مقام پر ازواج مطہّرات، اولاد اور آپﷺ کے رشتہ داروں پر بھی کلام کیا ہے۔

آپ کے اس انداز کو بعد کے سیرت نگاروں نے سندِ قبولیت سے نوازا اور اپنایا ہے۔ یہاں تک کہ زین الدین قاہری، عبدالبسط بن خلیل (م ۹۲۰ھ) نے اپنی کتاب "**غاية السول فی سيرة الرسول**" نے خاتم النبیینﷺ کے شمائل واوصاف جمیلہ کو "عیون الاثر" کے طریقے کے مطابق حجۃ الوداع اور عمرہ کی تفصیل بیان کر کے سرور عالمﷺ کی وفات سے قبل ۱۶ فصول میں بیان کیا، جن میں نبی کریمﷺ کی ازواج مطہّرات، اوصاف مبارکہ، اخلاق کریمانہ، آپﷺ کے لباس وغیرہ کا تذکرہ کیا ہے۔ زین الدین قاہری نے ابن سیّد الناس کی اتنی موافقت کی ہے کہ بعض فصول کا نام بھی وہی ذکر کیے ہیں جو "عیون الاثر" میں مذکور تھے۔ جیسے عیون الاثر میں "**ذكر اسمائه صلى الله عليه وسلم، ذكر اولاده صلى الله عليه وسلم اور ذكر سلاحه صلى الله عليه وسلم**"[۲۳] کے عنوان قائم کیے گئے، تو زین الدین قاہری نے بھی آپﷺ کے اسماء، اولاد اور آپﷺ کے زیر استعمال اسلحہ کی

تفصیل کے لیے اسی نام سے فصول قائم کی ہیں۔ بعض مقامات پر ابن سیّد الناس اور زین الدین قاہری کے عنوان میں تو فرق ہے مگر تفصیل ایک ہے جیسے ابن سیّد الناس نے کاتبین صحابہ کا ناموں کی تفصیل بیان کرتے ہوئے "ذکر کتابه علیه افضل الصلاة والسلام"(۲۴) کا عنوان قائم کیا ہے جبکہ زین الدین قاہری نے "ذکر کتابه من اصحابه رسول اللّٰه ﷺ"(۲۵) کا عنوان قائم کیا ہے۔

بارہویں صدی ہجری کی سیرت کی مشہور کتاب "شرح الزرقانی علی المواهب اللدینه بالمنح المحمدیة" میں بھی ابوعبداللہ الزرقانی محمد بن عبدالباقی (م ۱۱۲۲ھ) نے بھی نبی کریم ﷺ کی صفات وشمائل کے بیان میں ابن سیّد الناس نے طرز عمل کو اپنایا ہے۔ لیکن انہوں نے "آخر البعوث النبویة"(۲۶) کے ذیل میں سرور دو جہاں ﷺ کے وفات کے واقعہ کو بیان کرنے کے بعد شمائل وخصائص کو تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ البتہ ابن سیّد الناس نے معجزات نبوی ﷺ پر ابتداء میں کلام کیا ہے جبکہ "شرح الزرقانی" میں معجزات پر بعد میں کلام کیا گیا ہے اور شمائل وفضائل کے عنوان کے تحت ذکر کیا ہے۔(۲۷)

رفاعۃ الطہطاوی (م ۱۲۹۰ھ) نے اپنی کتاب "نهایة الایجاز فی سیرة ساکن الحجاز" میں نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد سرور دو جہاں ﷺ کے اخلاق وصفات اور ازواج مطہرات، آپ ﷺ کے خدام کا ذکر "الباب الخامس فی وفاته صلّی اللّٰه علیه وسلّم وذکر بعض أخلاقه وصفاته، ومعجزاته، وأزواجه وأعمامه، وعماته، وأخو اله، ومو الیه و خدمه، وحشمه صلّی اللّٰه علیه وسلّم"(۲۸) میں کیا ہے۔ انہوں نے بھی "عیون الاثر" سے متاثر ہو کر اس طریقے پر عمل کیا۔

محمد بن عفیفی الباجوی المعروف بالشیخ الخضری (م ۱۳۴۵ھ) اپنی تالیف "نور الیقین فی سیرة سید المرسلین" میں "عیون الاثر" کی ترتیب پر عمل کرتے نظر آئے ہیں لیکن فرق صرف یہ ہے کہ ابن سیّد الناس نے سنہ ہجری کی وضاحت کے بغیر واقعات کو بیان کیا مگر انہوں نے سنہ ہجری کے اعتبار سے واقعات کو بیان کیا ہے۔ نیز ابن سیّد الناس نے حجۃ الوداع کے ذکر کے بعد اور سرور دو جہاں ﷺ کے وفات سے قبل آپ ﷺ کے خصائص وشمائل، رشتہ داروں، اولاد وازواج، خدام اور زیر استعمال اشیاء کا تذکرہ کیا جبکہ شیخ حضری نے آپ ﷺ کی وفات کے واقعہ کو بیان کر کے ان واقعات کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ آپ ﷺ کی وفات کے واقعہ کو بیان کرنے کے بعد "شمائله صلی اللّٰه علیه وسلم" کے عنوان کے ذریعے آپ ﷺ کے شمائل اور "معجزاته" کے عنوان کے تحت دلائل کا بیان کیا ہے۔(۲۹)

عصر حاضر کے اردو سیرت نگاروں کی کتب کا جائزہ لیا جائے تو وہ بھی اسی انداز سے متاثر نظر آتے ہیں۔ جیسے اردو کی مشہور سیرت کی کتاب "سیرت النبی ﷺ" میں جلد اول میں آپ ﷺ کے واقعات سیئر اور مغازی پر تفصیلاً کلام فرما کر دوسری جلد میں آنحضرت ﷺ کی صفات وکمالات پر روشنی ڈالی گی ہے۔ اسی طرح بیسوی صدی کے آخر میں شائع ہونے والی مشہور کتاب "ضیاء النبی ﷺ" میں بھی یہی طریقہ رکھا

گیا ہے۔ پیر محمد کرم شاہ الازہری نے دوسری، تیسری اور چوتھی جلد میں نبی کریم ﷺ کے نسب مبارک سے لے کر آپ ﷺ کی وفات پر ملال تک کے تمام واقعات کو بیان کر کے رحمت عالم ﷺ کی صفات وکمالات پر پانچویں جلد میں بحث فرمائی ہے۔ چنانچہ اس جلد کے مقدمہ میں پیر محمد کرم شاہ الازہری رقم طراز ہیں:

> ''اب بتوفیقہ تعالیٰ اس ذات اقدس واطہر کے اُن غیر متناہی کمالات اور بے مثال صفات عالیہ کا ذکر کیا جا رہا ہے جس سے متصف کر کے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم کو مرقع دلبرئی اور زیبائی بنا کر مبعوث فرمایا تا کہ انسانیت کے گم کردہ راہ کارواں کو صراط مستقیم پر گامزن فرما دیں۔'' (۳۰)

ابن سیّد الناس کے اس انداز کو بعد کے اکثر سیرت نگاروں نے اپنایا ہے اور اس کے مطابق سیرت طیبہ کی کتاب کو تالیف کیا ہے۔

روایات واقعہ کے اہم الفاظ کی وضاحت کا انداز

ابن سیّد الناس کسی واقعہ کی تفصیل مختلف روایات کے ذریعے ذکر کر کے اُس کے فوائد اور اہم باتوں کو واقعہ کے عنوان کے ذریعے بیان کرتے ہیں۔ اور اُس کے لیے ''**فوائد تتعلق بهاالخبر**'' کے عنوان قائم کرتے ہیں۔ آپ کے اس طریق کو بعد کے سیرت نگاروں نے اپنایا ہے اور مختلف موقعوں پر اسے اختیار کیا ہے۔ جیسے امام شامی نے ''**سبل الهدى والرشاد**''، بعض مواقع پر یہی طریقہ اختیار کیا ہے۔ جیسے ''**الباب الحادی عشر فی غزوة الفروع من بحران**'' کے واقعہ کو بیان کر کے واقعہ کے غریب الفاظ کی وضاحت کے لیے ''**تنبيه فی بيان غريب ما سبق**'' کا عنوان قائم کیا۔ (۳۱)

بعض مرتبہ امام شامی'' **تنبيه فی بيان غريب ما سبق**'' کے الفاظ کی بجائے ''**تنبيهات**'' کے الفاظ استعمال کرتے ہیں جیسے ''**الباب الرابع عشر فی غزوة حمراء الأسد**'' کے ذیل میں واقع کو ذکر کرنے کے بعد یہ لفظ استعمال کیا۔ (۳۲)

اسی طرح ''اَبوعبداللہ، جمال الدین ابن حدیدۃ، محمد بن علی (م۷۸۳ھ) نے ''**المصباح المضی فی كتاب النبی الامی ورسله الی ملوک الارض من عربی وعجمی**'' میں بھی واقعہ کی تفصیل نقل کرنے کے اُس میں واقع مشکل الفاظ کی وضاحت کرتے ہیں جس کے لیے ''تفسیر'' اور ''تفسیر غریبہ'' کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ (۳۳)

عیون الاثر کی استنادی حیثیت

ابن سیّد الناس نے کتاب کی تالیف میں سیرت کے بنیادی مآخذ اور کتب صحاح ستہ کے علاوہ اہم اور بنیادی کتب کو کتاب کی تالیف میں مدنظر رکھا۔ اور اُن کی اسناد کو بھی ذکر کیا۔ جس کی وجہ سے کتاب کی اہمیت میں اضافہ ہوا۔ آپ کے اسی انداز کو بعض سیرت نگاروں نے اپنایا اور اس کتاب کو بنیادی درجہ دے کر اس سے اقتباس نقل کیے اور کتاب تک اپنی سند بھی ذکر کیا۔

ابن طولون الحنفی، شمس الدین محمد بن علی' نے "اعلام السائلین عن کتب سید المرسلین" نے عیون الاثر سے اقتباس نقل کیے ہیں اور ابن سیّد الناس تک کتاب کی سند کو ذکر کیا ہے، جیسے " الخَامسِ فِي كِتَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْمقَوْقِسِ" کے عنوان سے مقوقس کی جانب بھیجے جانے والے مکاتیب کا تذکرہ کیا ہے۔جس کی تفصیل نقل کرنے سے قبل سند ذکر کرتے ہیں جیسے "أَخْبَرَنَا أَبُو عُمَرَ يُوسُفُ بْنُ حَسَنِ الصَّالِحِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو عَبْدِ اللَّهِ النُّعْمَانِيُّ، أَخْبَرَنَا ابْنُ جَمَاعَةٍ، أَخْبَرَنَا أَبُو عَبْدُاللَّهِ الْقُرَشِيُّ، أَخْبَرَنَا ابْنُ سَيِّدِ النَّاسِ، قَالَ"(۳۴) بعدازاں پورے خط کی تفصیل نقل کی ہے۔اسی طرح ہوذ بن علی الحنفی کی جانب بھیجے گے مکتوب نامہ کو ذکر کرتے وقت بھی سندکو ذکر کیا۔جیسے "أَخْبَرَنَا أَبُو اللُّطْفِ مُحَمَّدُ بْنُ مُحَمَّدِ الْحَنفِيُّ، أَخْبَرَنَا الشِّهَابُ أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ الْقَادِرِ الْحَنفِيُّ مُشَافَهَةً، أَخْبَرَنَا السِّرَاجُ عُمَرُ بْنُ عَلِى بْنِ الْمُلَقِّنِ أُذُنًا، أَخْبَرَنَا أَبُو الْفَتْحِ ابْنُ سَيِّدِ النَّاسِ، قَالَ " :كِتَابُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى هَوْذَةَ بْنِ عَلِيٍّ الْحَنَفِيِّ صَاحِبِ الْيَمَامَةِ مَعَ سَلِيطِ بْنِ عُمَرَ الْعَامِرِيُّ"(۳۵)

اسی طرح تواریخ کے بیان میں بھی بعد کے سیرت نگاروں نے ان کے قول پر اعتماد کیا ہے، جیسے عبدالملک بن حسین بن عبدالملک (م ۱۱۱۱ھ) نے اپنی کتاب "سمط النجوم العوالی فی انباء الاوائل والتوالی" میں آٹھویں سال کے واقعات میں تقسیم غنائم میں ابن سیّد الناس کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "قال ابن سيد الناس وهذا ضعيف والمعروف عند أهل السير أن النبى انتهى الى الجعرانة ليلة الخميس لخمس ليال خلون من ذى القعدة فأقام بها ثلاث عشرة ليلة فلما أراد الانصراف الى المدينة خرج ليلة الاربعاء لاثنتى عشرة ليلة بقيت من ذى القعدة ليلا فاحرم بعمرة ودخل مكة"(۳۶)
>
> (ابن سیّد الناس کہتے ہیں۔یہ قول ضعیف ہے۔علمائے سیَر کے نزدیک مشہور یہ کہ جب نبی کریم ﷺ جعرانہ کے مقام جعرات کی رات ذی القعدہ کی ۵ تاریک کو پہنچے اور یہاں ۱۳ دن قیام فرما کر مدینہ منورہ کے لیے جانے کا ارادہ کیا تو بدھ کے رات کو ۱۸ ذی القعدہ کو اُس مقام سے حالت احرام میں چلے اور مکہ مکرمہ داخل ہو کر عمرہ کیا۔)

الغرض ابن سیّد الناس نے سیرت کے فن میں مغازی وشمائل اور سیَر کو ایک ساتھ بیان کرنے کا انداز جاری کیا۔امام ابن اسحاق اور واقدی کی روایات کو قابل اعتماد قرار دیا۔ایک واقعہ کی تمام مرویات کو ذکر کر کے اُس کے فوائد اور مشکل الفاظ کی وضاحت کو اُس کے آخر میں بتلانے کا طرز اپنایا۔کتاب کے آخر میں تمام کتب کے مصنّفین تک سند کو ذکر کیا اور اگر کوئی روایت اپنے طریق سے لائے تو اُس کی سند کو بھی ساتھ ذکر کیا ہے۔آپ کے ان انداز کو بعد کے سیرت نگاروں نے سندِ قبولیت سے نواز ہے۔

حوالہ جات

۱۔ محمد:۳۳

۲۔ ابنِ سیّدالناس،محمد بن محمد بن محمد، نور العیون فی تلخیص سیرة الامین المامون،جدہ: دارالمنہاج، الطبعۃ الثانیہ،۲۰۰۶ء،ص۲۹۔۳۰

۳۔ جمال الدین، یوسف بن تغری بردی بن عبداللہ الظاہری الحنفی، المنھل الصافی والمستو فی بعد الوافی،قاہرہ:الھیئۃ المصریۃ،س ن،۱/۱۴۷۔۱۴۸

۴۔ وداد یحیٰ احمد عبدالجبار،کتاب نور النبراس فی شرح سیرة ابن سید الناس،من بدایۃ ذکر اسلام ابی بکرؓ الی جماع ابواب مغازی ﷺ وبعوثہ وسرایا،مکہ مکرمہ: جامعہ ام القری،۱۴۲۹ھ،ص۶۵

۵۔ شبلی نعمانی،علامہ،سیرۃ النبی ﷺ،لاہور: آرز یدپکچرز،صفر المظفر ،۱۴۰۸ھ،۱/۳۸

۶۔ صلاح الدین المنجد، معجم ماالف رسول اللہ ﷺ، بیروت: دارالکتب الجدید،الطبعۃ الاولی،۱۹۸۲ء، ص۱۲۹

۷۔ ابوالفلاح،عبدالحی بن احمد بن محمد،شذرات الذھب فی اخبار من ذھب،بیروت: دارابن کثیر،الطبعۃ الاولی،۱۴۰۶ھ،۱۹۸۶ء،۸/۲۴۵

۸۔ صلاح الدین المنجد، ما الف عن رسول اللہ ﷺ،ص۱۰۳

۹۔ ایضاً

۱۰۔ حاجی خلیفہ،مصطفیٰ بن عبداللہ، کشف الظنون عن اسامی الکتب والضنون،بیروت: دارالکتب العلمیہ ، ۱۹۶۱ء،۲/۱۰۱۲

۱۱۔ زرکلی،خیرالدین بن محمود بن محمد، الاعلام،بیروت: دارالعلم،۲۰۰۲ء،۵/۲۹۹

۱۲۔ ابن حجر عسقلانی،احمد بن علی،الدرر الکامنہ فی اعیان المائۃ الثامنۃ،حیدرآباد: مجلس دائرۃ المعارف العثمانیہ،الطبعۃ الثانیۃ،۱۹۷۲ء،۳/۲۹۶

۱۳۔ محی الدین مستو،مقدمہ عیون الاثر فی فنون المغازی والشمائل و السیر،بیروت: دارالکثیر ، ۱۹۹۲ء،ص۹

۱۴۔ صلاح الدین، ما الف عن رسول اللہ ﷺ،ص۱۳۰

۱۵۔ الشامی،محمد بن یوسف الصالی، سبل الھدی و الرشاد و فی سیرة خیر العباد،بیروت: دارالکتب العلمیہ الاولی،۱۹۹۳ء،۲/۱۲۴

۱۶۔ برھان الدین،علی بن ابراہیم بن احمد،السیرة الحلبیہ، انسان العیون فی سیرة الامین المومن، بیروت: دارالکتب العلمیۃ،الطبعۃ الثانیہ،۱۴۲۷ھ،۱/۳

۱۷۔ الزرقانی المالکی، ابوعبداللہ ،محمد بن عبدالباقی، شرح الزرقانی علی المواھب اللدنیۃ بالمسخ المجھدیۃ،بیروت: دارالکتب العلمیۃ،۱۹۹۶ء،۴/۳۷

۱۸۔ عبدالحی الکتانی محمد عبدالحی بن عبدالکریم،التراتیب الادریۃو العاملات والصناعات والمتاجر و الحالۃ العلمیۃ التی کانت علی عهد تآسیس المدینۃ الاسلامیۃفی المدینۃ المنورۃ العلمیۃ، بیروت: دارالارقم،س ن،۲/۲۶۳

۱۹۔ العمری، اکرم ضیاء، ڈاکٹر، سیرت رحمت عالم اردوترجمہ السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ، ترجمہ: خدابخش کلیار، لاہور: نشریات، ۲۰۰۷ء، ص۳۳۹

۲۰۔ ضیاءالنبی،۴/۲۲۷

۲۱۔ ظفر، حکیم محمود احمد، سیرت خاتم النبیین ﷺ، لاہور: تخلیقات، ۲۰۱۰ء، ص۱۱۸

۲۲۔ ایضاً،ص۲۵۷

۲۳۔ محمد بن محمد بن سیّدالناس،عیون الاثر فی فنون المغازی والشمائل و السیر، بیروت: دارالکثیر، ۱۹۹۲ء،۲/۳۷۸،۴۱۵

۲۴۔ ایضاً،۲/۴۱۳

۲۵۔ زین الدین قاہری،عبدالباسط بن خلیل، غایۃ السول فی سیرۃ الرسول، بیروت: عالم الکتب، ۱۹۸۸ء،ص۴۷

۲۶۔ الزرقانی ابوعبداللہ،محمد بن عبدالباقی،شرح الزرقانی علی المواهب اللدنیۃ بالمنح المحمدیۃ، ۴/۱۴۷

۲۷۔ ایضاً، ۶/۴۰۵

۲۸۔ الطہطاوی، رفاعۃ رافع بن بدوی،نہایۃ الایجاز فی سیرۃ ساکن الحجاز،قاہرہ: دارالذخائر، ۱۴۱۹ھ، ص۴۳۰

۲۹۔ الشیخ الخضری،محمد بن عفیفی الباجوی، نور الیقین فی سیر ۃ سید المرسلین،دمشق: دارالفیحاء،۱۴۲۵ھ، ص۲۴۴،۲۶۴

۳۰۔ الازہری،محمد کرم شاہ، پیر،ضیاءالنبی ﷺ، لاہور: ضیاءالقرآن پبلی کیشنز، ربیع الثانی ۱۴۲۰ھ،۵/۲۱

۳۱۔الشامی،محمد بن یوسف، سبل الهدی والرشادفی سیرۃ خیر العباد،۴/۱۷۸

۳۲۔ ایضاً،۴/۳۱۳

۳۳۔أبوعبداللہ، جمال الدین ابن حدیدۃ محمد بن علی،المصباح المضی فی کتاب النبی الامی ورسله الی ملوک الارض من عربی وعجمی، بیروت: عالم الکتب،س ن،۱/۲۰۰،۲۲۴

۳۴۔ابن طولون الحنفی،محمد بن علی،اعلام السائلین عن کتب سید المرسیلن، بیروت: الرسالۃ، ۱۹۸۷ء، ص۸۱

۳۵۔ ایضاً،ص۱۰۹

۳۶۔ عبدالملک بن حسین بن عبدالملک، سمط النجوم العوالی فی انباءالاوائل والتوالی، بیروت: دارالکتب العلمیۃ، الطبعۃ الاولی ۱۹۹۸،۲/۲۸۸

پاکستان کے نظام محصولات کا سیرۃ النبی ﷺ کی روشنی میں جائزہ

سعدیہ گلزار☆

Abstract:

"Fiscal policy is of paramount importance for economic development of any country. There are several inherent drawbacks in the fiscal policy of Pakistan which are impeding its economic development. The financial sources can be increased by widening the existing tax net, eradicating corruption and reducing the number of many unwarranted taxes. Although, the taxation system was modernized and widened during the regime of former President Pervaiz Musharraf, the need for further improvement was still there.The second problem associated with taxation system is ever mounting addition in the sales tax. Any enhancement in this tax directly contributes to aggravation of problems of the poor and injustices in the distribution of wealth. Contrary to this, the taxation system introduced by Holy Prophet (SAW) requires that wealth should rotate among all the classes of a society and rich should not become richer when the poor are becoming poorer. The existing system should be revised in the light of Quran and Sunnah. Tax system can be improved by implementing tax on every affluent person, discontinuing any undue privileges enjoyed by that class and reducing the taxes which affect the poor people."

سیرۃ النبی صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم ایک مکمّل ضابطہ حیات ہے جس میں زندگی کے دیگر شعبوں کے علاوہ معاشی پہلو سے متعلّق بھی بھرپور رہنمائی ملتی ہے۔عصر حاضر میں پاکستان کو بہت سے معاشی

☆ لیکچرار شعبہ اسلامیات، لاہور کالج برائے خواتین، یونیورسٹی لاہور

چیلنجز کا سامنا ہے جن میں سے ایک انتہائی اہم مسئلہ مالی وسائل کے حصول کے لیے ٹیکسوں کا نظام ہے جس میں چند قابل ذکر خرابیاں رائج ہیں۔اس نظام کی اصلاح کی بنیاد جہاں قرآنی تعلیمات سے حاصل کی جاسکتی ہے وہیں چودہ سو سال قبل مدنی ریاست کے لیے تشکیل دی جانے والی مالیاتی پالیسی کے اصولوں سے بھی بہترین رہنمائی لی جاسکتی ہے۔دراصل یہی وہ رہنما پالیسی ہے جس پر عمل کرنے کی وجہ سے خلفاء راشدین کے دور کو معاشی خوشحالی کا بہترین دور کہا جاتا ہے اور عصر حاضر میں قرآن وسنت کی تعلیمات پر مبنی اصولوں سے ہی پاکستان کے نظام ٹیکس اور اس میں رائج خرابیوں کی اصلاح ممکن ہے۔ ذیل میں پاکستان کے نظام ٹیکس کا سیرۃ طیبہ کی روشنی میں تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔

مالیاتی پالیسی حکومتی ذرائع آمدن اور اخراجات کے لیے تشکیل دی جاتی ہے جس کا اہم ذریعہ آمدن ٹیکس ہے۔عربی میں ٹیکس کے لیے مکس کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ماہرین لغت کے نزدیک مکس سے مراد وہ درہم تھے جو جاہلیت کے زمانے میں بازاروں میں مال فروخت کرنے والوں سے وصول کیے جاتے تھے۔[۱] ٹیکس انگریزی زبان کا لفظ ہے اور یہ اس رقم کے لیے استعمال ہوتا ہے جو ملکی نظام کو چلانے کے لیے مختلف صورتوں میں لوگوں سے وصول کی جاتی ہے۔اس کی وصولی ایک نظام کے تحت ہوتی ہے اور جن لوگوں پر ٹیکس عائد ہوجاتا ہے، اگر وقت مقررہ پر ادائیگی نہ کریں تو ان کے خلاف باقاعدہ قانونی کارروائی کی جاتی ہے۔ٹیکس کے مفہوم کے بارے میں Mayne S. Howard بیان کرتے ہیں کہ ٹیکس حکومت کی ضروریات پوری کرنے کے لیے ادا کیا جانے والا لازمی محصول ہے۔تاہم یہ عمومی طور پر نقد، بعض اوقات خدمات یا کسی اور صورت میں ادا کرتے ہیں۔[۲] R.Gn کے نزدیک ٹیکس کسی ریاست کی آمدن کا وہ حصّہ ہے جو کہ ریاست عوام پر لازمی طور پر عائد کرتی اور وصول کرتی ہے۔[۳] Earl R. Rolph کے نزدیک ٹیکس ایک خاص ذریعہ آمدنی ہے جو حکومت افراد اور تنظیموں سے اپنی آمدنی بڑھانے کے لیے قانون کی رُو سے وصول کرتی ہے۔[۴] محصول وہ لازمی مطالبہ ہے جو حکومت کی جانب سے رعیت پر عائد کیا جاتا ہے۔یہ حکومت کی وہ وصولیاں ہیں جو کہ وہ خدمت عامہ کے لیے وصول کرتی ہے۔ اس تعریف میں عام طور پر وہ ادائیگیاں شامل نہیں ہوتیں جو کہ حکومت فیس، جرمانے، عطیات اور زمین پر خصوصی لگان وغیرہ سے وصول کرتی ہے۔

پاکستان کے نظام محصولات کا جائزہ

پاکستان کی مالیاتی پالیسی کے اہم مقاصد میں مضبوط دفاع، داخلی امن وامان کا قیام، معاشی ترقی، فلاح عامہ کے لیے اقدامات، تعلیم وصحت کی سہولیات میں اضافہ، افراد معاشرہ کو روزگار کی فراہمی، ذرائع نقل وحمل کی سہولیات اور شعبہ مواصلات کی سہولیات میں اضافہ وغیرہ شامل ہیں۔ان مقاصد کو عملی جامہ پہنانے کے لیے سرمایہ حاصل کرنے کے اہم ذرائع ٹیکس، داخلی اور بیرونی قرضے ہیں۔تاریخی طور

پر پاکستان کے ٹیکسوں کے نظام کا جائزہ لیا جائے تو نوے کی دہائی سے پہلے پاکستان میں ٹیکس کا ڈھانچہ محدود تھا۔ آئی ایم ایف کے تعاون سے شروع کیے جانے والے سٹرکچرل ایڈجسٹمنٹ پروگرام* کی شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی تھی کہ ملک میں ٹیکس کے نظام میں تبدیلیاں لائی جائیں، اصلاحات متعارف کروائی جائیں اور اس کے نظام میں وسعت لائی جائے تا کہ حکومتی وصولیوں میں اضافہ ہو سکے۔ اس دور میں میں چار قسم کے اہم ٹیکس ٹیرف، سیلز ٹیکس، ایکسائز ڈیوٹی اور انکم ٹیکس عائد کیے جاتے تھے۔ عالمی تجارت کو آزاد بنانے کے لیے ٹیرف میں کمی کی گئی جبکہ اس کمی کو سیلز ٹیکس میں اضافہ کر کے پورا کیا گیا۔ پاکستان انسٹی ٹیوٹ آف ڈویلپمنٹ کی رپورٹ کے مطابق ۱۹۸۰ء تک ٹیکسوں سے آمدنی حاصل کرنے کا اہم ذریعہ ٹیرف تھے۔ اس کے بعد محاصل میں ان کا حصّہ اس دور کے اختتام (۹۹۔۱۹۹۸) تک ۴۱ فیصد سے ۲۰ فیصد تک کم ہوا۔ ایکسائز ڈیوٹی میں بھی ۱۹ فیصد سے ۱۶ فیصد، یعنی ۳ فیصد تک کمی آئی۔ البتہ وصولیوں کا اہم ذریعہ سیلز ٹیکس رہا جس میں ۹ فیصد سے ۱۷.۶ فیصد تک اضافہ ہوا۔ براہ راست ٹیکس میں صرف انکم ٹیکس مستزاد ٹیکس ہے جس کی وصولیوں میں زیادہ تر ودہولڈنگ ٹیکس اور بالواسطہ ٹیکس شامل ہیں۔ براہ راست ٹیکس میں ۱۳.۲ فیصد سے ۳۰.۹ فیصد تک اضافہ ہوا۔ *(۵) اقتصادی سروے کے مطابق ۲۸ مارچ ۱۹۹۷ء کے معاشی اصلاحات کے پیکج کے تحت انکم ٹیکس کے گوشواروں کے نظام کو سادہ بنایا گیا اور انکم ٹیکس کی شرح آدھی کر دی گئی جیسا کہ ملازمین کی سالانہ آمدنی ایک لاکھ روپے تک ہونے کی صورت میں انہیں ۵۰ ہزار آمدنی کی بنیادی چھوٹ دینے کے بعد ۱۰ فیصد کی بجائے ۵ فیصد ٹیکس ادا کرنا ہوگا۔ انکم ٹیکس کی سلیب (Slabs) کو ۱۰ سے ۳۵ فیصد کو ۵ سے ۲۰ فیصد تک کم کیا گیا۔ شخصی آمدن ٹیکس میں کارپوریٹ انکم ٹیکس کی شرح بھی کم کی گئی، پبلک کمپنیوں کے لیے ۳۳ سے ۳۰ فیصد، دیگر کمپنیوں کے لیے ۴۵ سے ۳۵ فیصد اور بینکنگ کمپنیوں کے لیے ۵۸ سے ۵۵ فیصد تک کم کیا گیا۔ (۶) محمد اسلم چوہدری لکھتے ہیں کہ ۹۰ کی دہائی میں فاسفورٹ کیمیائی کھادوں کے استثناء کے ساتھ انفارمیشن ٹیکنالوجی اور اس سے متعلّقہ ساز وسامان، ادویات، مقامی سطح پر تیار کی گئی مشینری اور بنیادی اشیاء صارف پر سیلز ٹیکس عائد کیا گیا۔ (۷)

سابق صدر پرویز مشرف کے دور میں بھی نظام ٹیکس میں اصلاحات کو جاری رکھا گیا کیونکہ آئی ایم ایف کے قرضوں کی شرائط میں ایک شرط ٹیکسوں کے نظام میں اصلاحات متعارف کروانا تھا۔ اقتصادی سروے کے مطابق اس دور کی ٹیکس پالیسی کے مقاصد میں قوانین کو سادہ بنانا، ٹیکسوں میں دی گئی چھوٹ کو ختم کرنا، ودہولڈنگ پر انحصار کم کرنا اور ٹیکس کے تنازعات کے حل کے لیے مؤثر طریق عمل وضع کرنا شامل تھا۔ اس پالیسی میں کامیابی کے لیے انتظامی اصلاحات متعارف کروائی گئیں جن کو متعارف کروانے کا مقصد ٹیکس جمع کرنے کے اخراجات کو کم سے کم کرنا اور زیادہ سے زیادہ ٹیکس جمع کرنا تھا۔ نیز جو لوگ ٹیکس جمع کرواتے تھے ان کو اس بات کی یقین دہانی کروانا تھا کہ ان کی رقم کو درست استعمال میں لایا جائے گا۔ نظام ٹیکس میں اصلاحات متعارف کروانے کے مثبت نتائج سامنے آئے اور اس نظام میں

وسعت آئی جس سے بالواسطہ اور بلاواسطہ ٹیکسوں کی وصولیوں میں اضافہ ہوا لیکن ٹیکس جی ڈی پی کے تقریباً ۹ فیصد ہی رہے، سابق صدر پرویز مشرف کے دور حکومت میں مالی سال ۲۰۰۷ء اور ۲۰۰۸ء میں براہ راست ٹیکسوں میں اضافہ کی آمدن دیگر سالوں کی نسبت بلند رہی، ٹیکس کی وصولیوں میں بالترتیب ۸۴.۷ بلین روپے اور ۱۰۰.۷ بلین روپے اضافہ ہوا۔ بلاواسطہ ٹیکسوں کی وصولیوں میں بھی اضافہ ہوا، تاہم ایکسائز ٹیکس اور کسٹم ٹیکس کی نسبت سیلز ٹیکس سے محاصل زیادہ رہے۔ بلاواسطہ ٹیکسوں کی نسبت بالواسطہ ٹیکسوں سے زیادہ آمدن حاصل ہوئی جس کی وجہ سے مجموعی طور پر ٹیکسوں کی وصولیوں میں اضافہ رہا۔[8]

سابق وزیر اعظم یوسف رضا گیلانی کے دور حکومت میں صدر مشرف کے دور کی نظام ٹیکس میں متعارف کروائی گئی اصلاحات کو جاری رکھا گیا۔ چند شعبے ٹیکس کے تحت آتے تھے اور چند اس سے مستثنیٰ تھے تاہم اس دور میں تمام شعبوں کو ٹیکس نیٹ ورک میں لایا گیا۔ خوراک، زرعی پیداوار، تعلیم اور ادویات کے علاوہ تمام اشیاء پر سیلز ٹیکس پر دی جانے والی استثنائیں ختم کر دی گئیں۔ ملکی سیلز ٹیکس پر زیرو ریٹنگ کو ختم کر کے ٹیکس کا دائرہ بڑھایا گیا۔ سیلز ٹیکس کی شرح ۱۷ فیصد سے کم کر کے ۱۶ فیصد کی گئی۔ وفاقی ایکسائز ڈیوٹی کو ختم کر دیا گیا اور ان کی شرحیں کم کی گئیں۔[9] مالی سال ۱۱-۲۰۱۰ء میں انکم ٹیکس میں چھوٹ کی حد ایک لاکھ روپے سے بڑھا کر تین لاکھ روپے کی گئی۔ جس کا فائدہ کم آمدنی والے ۱۲ لاکھ ٹیکس ادا کرنے والوں کو ہوا، مالی ۲۰۱۱ء میں اس حد کو بڑھا کر ساڑھے تین لاکھ کروایا گیا، اس ریلیف کو جاری رکھتے ہوئے مالی سال ۲۰۱۲ء میں یہ حد ۴ لاکھ روپے کی گئی۔[10] اس سے بظاہر تنخواہ دار طبقے کو ریلیف ملا لیکن سیلز ٹیکس میں اضافہ سے ان کی معاشی مشکلات میں اضافہ رہا۔ ان اصلاحات کے نتیجے میں ٹیکس محاصل ۲ سال میں ۱۳۲۷ ارب روپے سے بڑھ کر ۱۹۵۰ ارب روپے تک پہنچ گئے جو ۴۶ فیصد اضافہ کو ظاہر کرتا ہے۔[11]

مندرجہ بالا جائزے سے واضح ہوتا ہے کہ پاکستان کے نظام ٹیکس پر آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کے اثرات نمایاں ہیں جس کی وجہ سے سیلز ٹیکس میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے جو کہ اشیاء ضروریات پر بھی عائد کیا جاتا ہے۔ اسی طرح پاکستان میں ٹیکس چوری اور ٹیکس معافی بھی عام ہے۔ پاکستان کی معاشی ترقی اور استحکام کے لیے موجودہ نظام ٹیکس کی اصلاح قرآن وسنت کی روشنی میں کی جانی ضروری ہے جس کا ذیل میں تفصیلاً جائزہ لیا گیا ہے۔

پاکستان کے نظامِ محصولات کی اصلاح کا سیرۃ النبی ﷺ کی روشنی میں لائحہ عمل

نبی صلّی اللہ علیہ وآلہ سلّم کی بعثت سے قبل عرب سے متّصل روم (عیسائی مذہب کے پیروکار) اور ایران (مجوسی مذہب کے پیروکار) دو بڑی حکومتوں کے حکمران اپنی پر تعیّش زندگی کو برقرار رکھنے کے لیے عوام پر بھاری ٹیکس عائد کرتے تھے۔ نبی صلّی اللہ علیہ آلہ وسلّم نے ہجرت کے بعد مدینہ میں اسلامی ریاست کا قیام عمل میں لانے کے بعد معاشی نظام کی بنیاد رکھی جو کہ نظریاتی اور اخلاقی اصول پر مبنی تھی۔

معاشی نظام میں اصلاحات متعارف کروائیں اور ٹیکسوں کے غیر ضروری بوجھ سے بھی افرادِ معاشرہ کو آزاد کیا۔ عہدِ نبوی صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم میں ٹیکسوں کو عائد کرنے اور خرچ کرنے کے مقاصد واضح تھے جن کا ذیل میں پاکستان کے نظامِ ٹیکس کے مقاصد کے ساتھ تقابلی جائزہ کیا گیا ہے۔

پاکستان کے نظامِ محصولات کے مقاصد کا سیرۃ النبی ﷺ کی روشنی میں جائزہ

عہدِ نبوی صلّی اللہ علیہ وآلہ سلّم کے مالی نظام کا اہم ذریعہ آمدن زکوۃ وعشر، مالِ غنیمت، فیئے، جزیہ اور خراج پر مشتمل تھا۔ ان ٹیکسوں کا بنیادی مقصد جہادی ساز وسامان کی تیاری، امورِ مملکت کو چلانا تھا اور حاجت مند کی حاجت کو پورا کرنا تھا۔

اسلامی ریاست میں حکمران کو عوام کی ضروریات پوری کرنے کا پابند بنایا گیا ہے اور اس فرض کی عدم عدائیگی کی صورت میں اسے دوزخ کے عذاب سے ڈرایا گیا ہے جیسا کہ حدیث نبوی صلّی اللہ علیہ وآلہ سلّم میں بیان کیا گیا ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب اور اس کے سب سے زیادہ قریب عادل حکمران ہوگا اور سب سے زیادہ مبغوض اور اُس سے زیادہ دور ظالم حکمران ہوگا۔ (۱۲) جس بندے کو خدا نے کسی رعایا کا حکمران بنایا اور اس نے اس کے ساتھ پوری خیر خواہی نہ برتی تو وہ جنت کی خوشبو نہ پا سکے گا۔ (۱۳) معاشی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے حکمران کی ذمہ داری ہے کہ زکوۃ کو سرکاری سطح پر جمع کر کے مستحقین میں تقسیم کرے:

"الَّذِيْنَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِيْ الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ" (۱۴)

(جن لوگوں کو ہم زمین میں اقتدار بخشیں وہ نماز قائم کریں، زکوۃ ادا کریں نیکی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں۔ اور تمام کاموں کا انجام اللہ کے اختیار میں ہے۔)

اسلامی ریاست کا محصول زکوۃ کفالت عامہ کا اہم ذریعہ ہے جیسا کہ زکوۃ کے آٹھ مصارف بیان کیے گئے ہیں:

"إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنِ وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِيْ الرِّقَابِ وَالْغَارِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْم" (۱۵)

(صدقات (زکاۃ و خیرات) صرف فقیروں اور مسکینوں کے لیے اور ان کے وصول کرنے والوں کے لیے اور ان لوگوں کے لیے جن کی دل جوئی مقصود ہوتی ہے اور گردن چھڑانے میں اور قرض داروں کے لیے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں اور مسافروں کے لیے، فرض ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ خوب علم و حکمت والا ہے۔)

پاکستان میں غرباء کی کفالت کے لیے ضروری ہے کہ زکوۃ وعشر کو وصول کیا جائے۔ اگر زکوۃ و

عشر کی رقومات سے بھی غربت میں کمی نہیں آتی تو حکومت امراء پر ٹیکس عائد کر کے غرباء کی اعانت پر خرچ کر سکتی ہے۔ نبی صلّی اللہ علیہ وآلہ سلّم نے زکوۃ کے علاوہ بھی ٹیکس کی گنجائش رکھی جیسا کہ ارشاد نبوی صلّی اللہ علیہ وسلّم سے واضح ہوتا ہے:

''انّ فی المال حقّا سوی الزکاۃ''(۱۶)

(یقیناً مال میں زکوۃ کے سوا بھی حق (غیر متعیّن وغیر مستقل) ہے۔)

اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ عصر حاضر میں حکومتیں مزید ٹیکس عائد کر سکتی ہیں لیکن ٹیکس عائد کرنے کے مقاصد واضح ہونے چاہیں تا کہ عوام ان کو بوجھ سمجھنے کی بجائے اپنی ذمہ داری سمجھ کر ادا کریں۔

مالیاتی پالیسی کا ایک اور اہم مقصد ملک کے دفاع کو مضبوط کرنا ہے کیونکہ ملک کی سرحدوں کی حفاظت اور داخلی امن وامان کے بغیر معاشی ترقی ممکن نہیں ہے۔ اس بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''وَأَعِدُّواْ لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدْوَّ اللّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِن دُونِهِمْ لاَ تَعْلَمُونَهُمُ اللّهُ يَعْلَمُهُمْ وَمَا تُنفِقُواْ مِن شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللّهِ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنتُمْ لاَ تُظْلَمُونَ''(۱۷)

(تم ان (کافروں) کے مقابلے کے لیے اپنی استطاعت کے مطابق قوت اور تیار بندھے گھوڑے (فراہم کرنے) کی تیاری کرو تا کہ اس سے تم اللہ کے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو خوف زدہ رکھ سکو اور ان کے علاوہ اوروں کو بھی، جنھیں تم نہیں جانتے، اللہ انہیں خوب جانتا ہے جو کچھ بھی تم اللہ کی راہ میں صرف کرو گے وہ تمھیں پورا پورا دیا جائے گا اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔)

نبی صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے دفاع کے اخراجات کو دیگر اخراجات پر ترجیح دی کیونکہ کسی ملک کی بقا اور سلامتی کے لیے دفاع کا مضبوط ہونا ضروری ہے۔ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ملکی دفاع کا اہتمام کیا اور جن بیرونی عناصر کا خطرہ تھا ان پر بھی لشکر کشی کی گئی جیسے غزوہ تبوک اور غزوہ موتہ عیسائیوں اور غزوہ خیبر یہودیوں کے ساتھ لڑے گئے۔ نبی صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے دفاع کے لیے ہنگامی چندہ (ضرائب)* کی بھی ترغیب دی اس کی واضح مثال غزوہ تبوک کا ہنگامی چندہ ہے۔غزوہ تبوک ۹ ہجری کو ہوا یہ تنگی و عسرت، گرمی کی تیزی اور شدت اور شہروں میں قحط وفلاکت کا زمانہ تھا۔(۱۸) نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے دولتمندوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنے اور سواری کا انتظام کرنے کی دعوت دی۔ حضرت عثمانؓ نے غزوہ تبوک کے لیے جیش عسرۃ میں ایک ہزار دینار خرچ کیے۔(۱۹) حضرت ابو بکر صدیقؓ اپنا سارا مال لے کر حاضر ہو گئے اور گھر میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کچھ نہیں چھوڑا۔ حضرت عمر فاروق نے اپنا آدھا مال صدقہ کیا۔(۲۰) اسی طرح ہر شخص اپنی استطاعت کے مطابق حصّہ ڈالا۔

دفاع پر اخراجات کرنے اس لیے بھی ضروری ہیں کیونکہ اگر ملک کو بیرونی عناصر سے خطرہ

درپیش رہے اور داخلی امن وامان کی صورتحال بھی خراب ہو تو سرمایہ کار اپنے وطن میں سرمایہ کاری کرنے کی بجائے بیرون ملک سرمایہ منتقل کرنا شروع کر دیتے ہیں اور سرمایہ کاری کے لیے ایسے ممالک کو ترجیح دیتے ہیں جہاں پر معاشی ترقی کے مواقع اور امن وامان کی صورتحال بہتر ہو جیسا کہ عصر حاضر میں پاکستان کی دہشت گردی کیخلاف جنگ میں شرکت کی وجہ سے سرمایہ کاروں نے سرمایہ ملائیشیاء، بنگلہ دیش اور دیگر ممالک منتقل کرنا شروع کر دیا ہے جس سے نہ صرف ملکی معاشی ترقی متاثر ہوئی ہے بلکہ پاکستان کے سرمایہ اور ذہنی صلاحیتوں سے دیگر ممالک کی معیشت کو فائدہ پہنچ رہا ہے۔ دوسری طرف بدامنی کے حالات کی وجہ سے براہ راست بیرونی سرمایہ کاری میں بھی کمی آئی ہے۔ عصر حاضر میں پاکستان کی سالمیت کو بیرونی عوامل سے خطرہ درپیش ہے اور داخلی امن وامان کی صورتحال بھی افسوس ناک ہے۔ امن وامان کی صورتحال کی بہتری کے لیے پاکستان کے دفاع کے لیے زیادہ فنڈز مختص کیے جائیں اور ٹھوس پالیسی مرتب کی جائے تا کہ معاشرتی اور معاشی خوشحالی ممکن ہو سکے۔

پاکستان کے نظام محصولات کی خرابیوں کا سیرۃ النبی ﷺ کی روشنی میں جائزہ

ا۔ ٹیکسوں کے بڑھتے ہوئے بوجھ کی اصلاح

پاکستان کے نظام ٹیکس میں پریشان کن صورتحال سیلز ٹیکس اور انکم ٹیکس کی شرح میں بڑھتا ہوا اضافہ ہے۔ مالی سال ۹۱۔۱۹۹۰ء میں سیلز ٹیکس کا حصّہ بالواسطہ ٹیکسوں سے حاصل ہونے والے محاصل میں ۱۷.۶ فیصد رہا، مالی سال ۲۰۰۸۔۲۰۰۷ء میں اس کی شرح بڑھ کر ۶۰.۹ فیصد ہو گئی اور مالی سال ۱۳۔۲۰۱۲ء میں ۷۳.۴ فیصد اندازہ لگایا گیا تھا۔ براہ راست ٹیکس کی شرح مالی سال ۹۱۔۱۹۹۰ء میں ۱۸ فیصد، مالی سال ۰۸۔۲۰۰۷ء تک ۳۸.۵ فیصد مالی سال ۱۳۔۲۰۱۲ء میں ۳۹.۱ فیصد اندازہ لگایا گیا تھا۔[۲۱] سیلز ٹیکس کا بوجھ صارفین کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔ براہ راست ٹیکس میں سب سے اہم ٹیکس، آمدنی ٹیکس ہے۔ اس سے مقررہ آمدنی والے طبقہ کے لیے مشکلات میں اضافہ ہوتا ہے۔ درمیانے اور کم درجے والے افراد خاص طور پر ادارہ جاتی ملازمین پر دباؤ بڑھتا ہے کیونکہ ان سے لازمی طور پر ٹیکسوں کی وصولیاں کی جاتی ہیں۔

دراصل عالمی قرضے فراہم کرنے والے اداروں مثلاً آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کے قرضوں کی شرائط میں سے ایک شرط سیلز ٹیکس میں اضافہ کی ہے۔ اس ٹیکس میں اضافہ سے غرباء کے معاشی مسائل میں اضافہ اور دولت کی تقسیم غیر منصفانہ ہو رہی ہے۔ سیلز ٹیکس کی شرح میں بڑھتا ہوا اضافہ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کے متعارف کردہ نظام ٹیکس کے اصول عدل کے منافی ہے۔ اسلامی تعلیمات کی رُو سے ٹیکس امراء سے لے کر غرباء میں تقسیم کرنا چاہیے جیسا کہ زکوۃ کو امراء کا فرض اور غرباء کا حق قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

''وَفِیۡ أَمۡوَالِهِمۡ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالۡمَحۡرُوم''(۲۲)

(اوراُن کے مال میں مانگنے والوں کا اور سوال سے بچنے والوں کا حق تھا۔)

نبی صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے جب حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو زکوۃ کی وصولی کی ہدایت فرمائی:

''أنّ اللّٰه افترض عليهم صدقةً في اموالهم تؤخذ من أغنيآئهم و تردّ على فقرآئهم''(۲۳)

(اللہ تعالیٰ نے ان کے مالوں پر زکوۃ عائد کی ہے جو ان کے مالداروں سے وصول کی جائے گی اور ان کے ضرورت مندوں کو دی جائے گی۔)

اگر چہ نبی صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ٹیکس کو لازمی بنیادوں پر وصول کیا تاہم ٹیکس کی وصولی میں اصول عدل اور سہولت کارفرما تھا۔اسلام کے نظام عشر میں بھی اصول عدل کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔نبی صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی تصریح کے مطابق جس زمین کی آبپاشی بارش، چشموں یا ندیوں سے ہو اس کی پیداوار کا دسواں حصہ لیا جائے گا اور جس کو پانی کھینچ کر یعنی کھود کر آبپاشی کی گئی ہو اس کی پیداوار سے بیسواں حصہ لیا جائے گا۔(۲۴)خراج کی وصولی میں بھی اصول عدل کو ملحوظ خاطر رکھا گیا۔نبی صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے عاملین خراج کو بھی عدل کے ساتھ وصولی کا حکم دیا۔عبداللہ بن رواحہ مقاسمہ پیداوار کے لیے خیبر جاتے تھے اور ان کی پیداوار کا اندازہ لگاتے تھے۔جب اہل خیبر ان سے شکایت کرتے کہ آپ نے ظلم کیا تو وہ کہتے تم اندازے کا نفع ہمیں دو یا تم لو، دونوں میں سے جو مقدار چاہو ہمیں دو اس پر یہودی کہتے اس عدل پر آسمان و زمین برقرار ہیں۔(۲۵)اصول سہولت کے تحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ سلم نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو عمدہ مال لینے سے اجتناب کا حکم دیا(۲۶) نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے جزیہ کی نوعیت کے متعلق حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو فرمایا کہ ان کے باشندوں سے بطور جزیہ ہر بالغ شخص سے ایک دینار وصول کریں گے یا اس کے برابر اس شخص سے معافری کپڑا لیں جو یمن میں ہوتا ہے۔(۲۷) احادیث مبارکہ سے واضح ہوتا ہے کہ آپ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے عوام پر بے جا بوجھ منتقل نہیں کیا بلکہ ٹیکسوں کی وصولی میں نرمی کا اصول اپنانے کا حکم دیا۔مندرجہ بالا اصولوں کے تحت ضروری ہے کہ عوام پر ناجائز ٹیکسوں کا بوجھ ختم کیا جائے بالخصوص اشیاءِ ضرورت پر سیلز ٹیکس کا مکمّل طور پر خاتمہ کیا جانا ضروری ہے۔

پاکستان میں ٹیکس جمع کرنے کا نظام سیرۃ النبی صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے متعارف کردہ اصولوں کے برعکس ہے۔غرباء سے ٹیکسوں کے ذریعے پیسہ جمع کیا جاتا ہے اور امراء کی طرف منتقل کیا جاتا ہے۔ پاکستان کے سرمایہ کار اور صنعت کار بینکوں سے قرضے لے کر معاف کروا لیتے ہیں، ٹیکسوں میں رعایت لے لیتے ہیں اور اس کے باوجود معاشرتی تعلّقات اور رشوت کے بل بوتے پر ٹیکس معاف بھی کروا لیتے ہیں جبکہ غریب عوام کو بالواسطہ اور بلاواسطہ ٹیکسوں میں جکڑا جاتا ہے اور جو غریب ہے اس کو غریب تر کر

نے کی کوشش کی جاتی ہے۔ نظام ٹیکس میں امراء کو ٹیکس نیٹ ورک میں لانے، ان کو دی جانے والی غیر ضروری مراعات کو ختم کرنے اور غرباء پر غیر ضروری ٹیکس کی بھرمار کو ختم کرنے سے بہتری آسکتی ہے۔

۲۔ لازمی بنیادوں پر زکوٰۃ اور دیگر ٹیکسوں کی وصولی

پاکستان میں نظامِ ٹیکس میں ایک بڑی خرابی ٹیکس چوری اور رشوت کے ذریعے ٹیکس معافی بھی ہے۔ پاکستان میں سرمایہ کار اور سرمایہ دار طبقات مختلف طریقوں سے ٹیکس سے بچتے ہیں۔ پاکستان میں صرف ۳۰ لاکھ افراد انکم ٹیکس ادا کرتے ہیں اور سیلز ٹیکس میں صرف ایک لاکھ افراد رجسٹرڈ ہیں۔[۲۸] وفاقی ٹیکس محتسب شعیب سڈل کے مطابق ملک میں سالانہ چار سے پانچ ہزار ارب روپے کی ٹیکس چوری ہو رہی ہے۔[۲۹] اس ملک میں ٹیکسوں کا نظام مؤثر نہ ہونے کی وجہ سے اخراجات کی نسبت محاصل کم رہتے ہیں۔ اس فرق کو بیرونی امداد سے پورا کیا جاتا ہے، لیکن اس سے قرضوں کے بوجھ میں اضافے کے ساتھ بیرونی اثرات بھی غالب آتے ہیں خصوصاً قرضے دینے والے ادارے پالیسیاں اپنی مرضی سے بنواتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ٹیکسوں کی مد سے حاصل ہونے والی آمدنی کا ایک بڑا حصّہ سودی قرضہ جات کی ادائیگی میں صرف ہوتا ہے۔ دفاع اور قرضوں کے واجبات کی ادائیگی کی وجہ سے فلاحِ عامہ کے لیے بہت کم فنڈز مختص کیے جاتے ہیں۔

اسلامی نظامِ معیشت کا اہم ذریعہ آمدن زکوٰۃ و عشر ہے جو کہ مذہبی فریضہ اور تزکیہ نفس کا ذریعہ ہے۔ زکوٰۃ و عشر معاشی عدل کی بہترین مثال ہے کیونکہ اس اہم مالی عبادت میں سے کسی بھی مستحق کو نہیں چھوڑا گیا غربا اور مساکین کی معاشی کفالت کا اہم ذریعہ زکوٰۃ ہے۔ اگر زکوٰۃ کی رقم ہی درست طریقے سے خرچ کی جائے تو معیشت سے غربت کا خاتمہ ہوسکتا ہے۔ پاکستان میں اسّی (۸۰) کی دہائی سے عوام کی فلاح و بہبود کے پیشِ نظر زکوٰۃ کو سرکاری سطح پر جمع اور ضرورت مندوں میں تقسیم کیا جا رہا ہے۔ تاہم زکوٰۃ کی وصولی اور تقسیم میں کرپشن کا عنصر کارفرما رہا۔ غربت کے خاتمے کے لیے ضروری ہے کہ زکوٰۃ و عشر کی وصولی اور خرچ کے پروگرام کو مؤثر بنایا جاتا، زکوٰۃ و عشر کے فنڈز میں سے کرپشن ختم کی جائے اور اس رقم کو غرباء کی فلاح و بہبود پر خرچ کیا جائے۔ زکوٰۃ کا اہم مقصد ہی غریبوں کی اعانت ہے جیسا کہ زکوٰۃ کے آٹھ مصارف سے واضح ہوتا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ زکوٰۃ و عشر کا حقیقی روح کے ساتھ نفاذ کیا جائے تا کہ ان کے فوائد سے مستحقین مستفید ہوسکیں۔

بڑے سرمایہ کار جو زکوٰۃ ادا نہ کرنے کے مختلف طریقے استعمال کرتے ہیں اُن کو زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے نظریاتی اور اخلاقی بنیادوں پر مائل کیا جاسکتا ہے جیسا کہ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے زکوٰۃ کی ادائیگی پر ترغیبات کے ذریعے راغب کیا تا کہ افرادِ معاشرہ زکوٰۃ کو رضائے الٰہی کے حصول اور آخرت کے عذاب سے بچنے کے لیے ادا کریں۔ زکوٰۃ کی ادائیگی پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کے حصول[۳۰] اور مال میں اضافہ کی خوشخبری

سنائی گئی ہے۔[۳۱] حدیث نبوی صلّی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلّم کی رُو سے مویشیوں کی زکوۃ نہ ادا کرنے پر قیامت والے دن ایسے مویشی اپنے مالک کو اپنے پاؤں سے روندیں گے اور سینگ ماریں گے۔[۳۲] جس مال سے زکوۃ نہیں ادا کی جائے گی قیامت کے دن یہ مال ایک گنجے سانپ کی شکل میں، جس کی آنکھوں پر دو کالے ٹیکے (داغ) ہوں گے اس کے گلے کا طوق بن جائے گا۔[۳۳] زکوۃ کی ادائیگی پر جنت کی خوشخبری سنائی گئی ہے۔[۳۴] عصر حاضر میں بھی ضروری ہے کہ افراد معاشرہ کو ترغیبات کے ذریعے سے زکوۃ کی ادائیگی کا لازمی طور پر پابند بنایا جائے اور زکوہ کی رقم مستحقین پر خرچ کی جائے۔ زکوۃ کی دو اہم مدیں ہیں جن میں ایک مد غرباء کی ضروریات پوری کرنے کے لیے ہے اگر دیانت داری کے ساتھ حقدار کو اُس کا حق پہنچایا جائے تو غرباء اور مساکین کی ضروریات پوری ہوسکتی ہیں جس سے غربت میں کمی آسکتی ہے۔ دوسری مد میں زکوۃ کے مستحقین میں سے ہی افراد کو کاروبار کرنے کے لیے زکوۃ کی رقم دی جاسکتی ہے جس سے زکوۃ لینے والا ہاتھ آنے والے کل میں دینے والا بن سکتا ہے جس سے عہد عمر بن عبدالعزیزؒ جیسا معاشی خوشحالی کا مثالی دور بھی لوٹ سکتا ہے جس میں زکوۃ دینے والے تو ہوں گے لیکن لینے والا کوئی نادار نہیں ملے گا۔ نیز دولت میں پائی جانے والی ناہمواریوں کا بھی خاتمہ ہوسکتا ہے۔

ضرورت کے تحت حکومت ٹیکس عائد کرسکتی ہے لیکن عوام کے اعتماد کے لیے ٹیکس کی شرح اور ٹیکس عائد کرنے کے مقاصد اور اخراجات واضح ہونے چاہیں۔ نبی صلّی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلّم نے اگر ضرورت کے تحت ٹیکس عائد کیے تو امت نے اس پر لبیک کہتے ہوئے سرکاری خزانے میں ٹیکس کی ادائیگی کی کیونکہ ٹیکس دینے والے کو نبی صلّی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلّم کی اس بات پر اعتماد تھا کہ اُن کی ادا کی جانے والی رقم جائز مقاصد کے لیے استعمال میں لائی جائے گی۔ اسی طرح سے حکومت دیگر جائز ٹیکسوں کے لیے افراد معاشرہ کو بھی ترغیبات کے ذریعے مائل کرسکتی ہے۔ اگر ریاست کی یہ ذمہ داری ہے کہ عوام کو دفاع، تحفّظ اور دیگر سہولیات فراہم کرے تو اس کے لیے ٹیکس دہندگان کو یقین دہانی کرائی جانی ضروری ہے کہ ان کی ادا کی جانے والی رقومات کو اسلامی بنیادوں پر قائم مملکت اسلامیہ کی حفاظت، بقا اور ارتقاء کے لیے خرچ کیا جائے گا جس سے عوامۃ الناس کو فائدہ حاصل ہوگا۔ نیز عوام کی اخلاقی تربیت بھی ضروری ہے تاکہ وہ ٹیکسوں کو خوشی سے لازمی بنیادوں پر ادا کریں۔

جو لوگ ترغیبات کے ذریعے بھی مائل نہ ہوں تو حکومت سختی سے زکوۃ وصول کرسکتی ہے جیسا کہ نبی صلّی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلّم عاملین کو زکوۃ کی وصولی کے لیے روانہ فرماتے حدیث نبوی میں بیان کردہ ایک واقعہ سے بھی اس بات کی وضاحت ہوتی ہے۔ ایک صحابی بیان کرتے ہیں کہ میں ایک درے میں بکریاں چرا رہا تھا دو ناقہ سوار میرے پاس آ کر رکے۔ اونٹ بٹھا کر اُترے اور مجھے کہنے لگے: ہم نبی صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم کے قاصد ہیں۔ تمھارے ریوڑ کی زکوۃ وصول کرنے آئے ہیں۔ میں نے خوشی خوشی بچہ والی شیر دار بکری ان کے حوالے کرنی چاہی مگر اُنھوں نے یہ کہہ کر انکار کردیا ہمیں اس کے لینے کا حکم نہیں۔ میں نے ایک دوسرا

بچہ دیا انہوں نے اُونٹ پر لادا اور روانہ ہو گئے۔(۳۵) نبی صلّی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلّم نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن روانہ فرماتے ہوئے زکوۃ کی جمع وتقسیم کی بھی ہدایت فرمائی۔(۳۶) نبی صلّی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلّم نے قبائل کے سرداروں کو بھی زکوۃ کی وصولی کے احکامات جاری فرمائے۔ نبی صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم کی سیرت پر چلتے ہوئے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے زکوۃ نہ ادا کرنے والوں کے خلاف جہاد کیا اور فرمایا اللّٰہ کی قسم اگر وہ مجھ سے وہ رسی روکے رکھیں گے جو رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلّم کے دور میں دیا کرتے تھے تو میں ان سے اُس کے روکنے کی وجہ سے جہاد کروں گا۔(۳۷) اسی طرح جو افراد ٹیکس ادا نہیں کرتے اُن کو تعزیرتی سزائیں دی جانی چاہئیں۔

۳۔ٹیکس کی وصولی اور مصارف میں رائج کرپشن کا خاتمہ

پاکستان میں ٹیکسوں کی وصولی اور مصارف میں خرابیاں رائج ہیں۔ پاکستان میں برسر اقتدار آنے والی تقریباً تمام حکومتوں کے مصارف میں کرپشن کا عنصر نمایاں رہا۔ٹیکس عائد کرنے کا اصل مقصد عوام کو سہولیات فراہم کرنا اور ملکی نظم ونسق چلانا ہے۔لیکن پاکستان میں حکمران طبقہ عام طور پر عیش وعشرت کا خوگر ہے حتیٰ کہ حکومتی معیار زندگی کو برقرار رکھنے کے لیے ٹیکسوں سے حاصل ہونے والی آمدن کو بھی استعمال میں لایا جاتا ہے۔رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلّم نے متعدد فرامین میں عمال کے لیے ہدیہ لینے کو حرام ٹھہرایا۔رسول صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم نے قبیلہ ازد کے ایک شخص ابن اللتبیۃ کو صدقات وصول کرنے کے لیے بھیجا۔ جب وہ لوٹ کر آیا تو کہنے لگا کہ یہ مال آپ کا ہے اور یہ مال مجھے تحفے میں ملا ہے یہ بات سن کر آپ جلال میں آ گئے اور منبر پر تشریف فرما ہو کر اللّٰہ کی تعریف بیان کرتے ہوئے فرمایا:

''فوالذي نفس محمد بيده لا يغلّ أ خدكم منها شيئًاالا جا ء به يو ماالقيامة يحمله على عنقه، ان كا ن بعيرًا جاء به له رغاء،و ان كانت بقرة جاء بها لها خوار ، وان كانت شاة جاء بها تيعر ،فقد بلّغت''(۳۸)

(قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم کی جان ہے کوئی تم میں سے ایسا مال نہیں لے گا مگر قیامت کے دن اپنی گردن پر لاد کر اسے لائے گا۔اس طرح حاصل کیا ہوا اگر اونٹ ہوگا تو وہ بڑبڑا رہا ہوگا، گائے ہوگی تو چلا رہی ہوگی، بکری ہوگئی تو ممیا رہی ہوگئی،اور فرمایا: یا اللّٰہ میں نے تیرا حکم لوگوں تک پہنچا دیا۔)

احساس جوابدہی کا تصور عاملین زکوۃ کو بدعنوانیوں سے باز رکھتا ہے۔ نبی صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے:

''كلّكم را ع و مسؤو ل عن ر عيّته''(۳۹)

(تم میں سے ہر ایک اپنی رعیت کا نگران ہے اور اس سے اس کے متعلّق سوال کیا جائے گا۔)

ٹیکس عائد کرنے کا اصل مقصد عوام کی فلاح و بہبود اور امور حکومت چلانا ہے جبکہ عصر حاضر میں حکومتوں میں اسراف وتبذیر کا عنصر نمایاں ہے۔ حکمران طبقہ بھی قناعت کی کمی کی وجہ سے اکثر سرکاری خزانے کی چوری کے لیے مختلف طریقے استعمال میں لاتے ہیں۔ نیز اپنی جائز ضروریات پوری کرنے کی بجائے عوام کی دولت کو اپنی عیش وعشرت کی زندگی، عزیز واقارب اور وفادار سیاسی دوستوں کو نوازنے اور سرکاری دوروں پر اُڑاتے ہیں۔ سرکاری خزانہ کو بطور ضرورت استعمال میں لانے کے لیے ضروری ہے کہ حکمران اپنے طرز زندگی میں سادگی لے کر آئیں کیونکہ اسلام میں اسراف وتبذیر کی سختی سے ممانعت کی گئی ہے۔ قرآنی تعلیمات کے مطابق کھانے پینے میں حد سے تجاوز کو ناپسند کیا گیا ہے۔ (۴۰) اور مبذر یعنی حرم اشیاء پر خرچ کرنے والے کو شیطان کا بھائی کہا گیا ہے۔ (۴۱) نبی صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم نے زہد پر مبنی زندگی گزاری اور اسراف وتبذیر کی بجائے سادگی کی ترغیب دی۔ نبی صلّی اللّٰہ علیہ آلہ وسلّم نے اسراف وتکبّر کے بغیر کھانے پینے اور صدقہ کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ (۴۲) حضرت خذیفہؓ فرماتے ہیں نبی کریمؐ نے ہمیں چاندی کے برتنوں میں پینے اور کھانے سے، ریشم اور دیباج کے کپڑے پہننے اور بچھانے سے منع فرمایا۔ (۴۳) اسی طرح حدیث نبوی صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم میں مسّی اور شوخ زعفرانی رنگ کے کپڑے پہننے اور سونے کی انگوٹھی پہننے کی بھی ممانعت کا حکم آتا ہے۔ (۴۴) نبی صلّی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلّم ہمیشہ دعا فرماتے اے اللّٰہ! آل محمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم کو موافق ضرورت روزی عطا فرما۔ (۴۵) عوام کے وسائل کو استعمال کرنے کی بجائے نبی صلّی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلّم کے پاس جو کچھ ہوتا غرباء کی اعانت پر خرچ کر دیتے۔ نبی صلّی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلّم کا ارشاد ہے کہ اگر میرے پاس اُحد پہاڑ برابر سونا ہو تو میں سب اللّٰہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر دوں اور صرف تین اشرفیاں رکھ لوں۔ (۴۶) عقبہ بن حارثؓ نے بیان کیا ہے کہ نبی صلّی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلّم نے عصر کی نماز پڑھائی پھر جلدی سے گھر تشریف لے گئے، تھوڑی دیر میں باہر نکلے تو میں نے ان سے اس کا سبب پوچھا یا کسی اور نے پوچھا تو آپؐ نے فرمایا خیرات کے مال میں سے ایک سونے کا ٹکڑا گھر میں چھوڑا آیا تھا۔ مجھے برا محسوس ہوا کہ رات کو وہ میرے پاس پڑا رہے میں نے اس کو بانٹ دیا۔ (۴۷) پاکستان دنیا کہ ترقی پذیر ممالک میں سے ایک ہے لیکن حکمران، افسران اور عوام سب ہی اپنی دولت کی ریاکاری میں فخر ومباہات کا شکار ہو چکے ہیں۔ عوام کے خون پسینے کی کمائی مختلف قسم کے ٹیکسوں کے لیے ہتھیانے کے بعد اُس کو اپنے بینک بیلنس بڑھانے کے علاوہ تعیّشانہ زندگی پر خرچ کرتے ہیں۔ جس آمدن پر عوام کا حق ہے اور جسے فلاح عامہ کے کاموں پر خرچ کیا جانا چاہیے اُس کو اسراف وتبذیر کی نذر کر دیا جاتا ہے۔ نبی صلّی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرۃ طیبہ عصر حاضر کے حکمرانوں کے لیے مشعل راہ ہے۔ حکمرانوں کی اہم ذمہ داری رعیت کی خیر خواہی ہے اس لیے ان کو اپنی زندگی عوام کی خیر خواہی اور خوشحالی کے لیے وقف کر دینی چاہیے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ پاکستان میں سادگی اور کم قیمت اشیاء کی ترغیبات کے لیے تحریکی اور مہماتی انداز میں کام کیا جائے۔ حکمرانوں، افسروں اور ملازمین پر قیمتی لباسوں، دفاتر میں قیمتی سامان اور قیمتی گاڑیوں کے بے

جا استعمال پر سختی سے پابندی لگائی جائے۔ مالی وسائل کا رخ زیادہ سے زیادہ عوام کی فلاح کی طرف موڑا جائے۔

جو سرمایہ کار ٹیکس ادا نہیں کرتے یا ٹیکس چوری میں ملوث ہیں اُن کا احتساب کیا جائے اور اُن سے ٹیکس وصول کر کے سرکاری خزانے میں جمع کروائے جائیں جس سے نہ صرف عوام نئے ٹیکسوں سے بچ سکتی ہے بلکہ سیلز ٹیکس پر بھی نظرِ ثانی کی جا سکتی ہے اور ان کو ختم کیا جا سکتا ہے۔

پاکستان کے نظام کے تاریخی جائزے سے مندرجہ بالا خرابیاں واضح ہوتی ہیں جن میں سے چند خرابیاں حکومتی کمزوریوں کی بنیاد پر ہیں جبکہ عوام اور سرمایہ کار بھی چند خرابیوں کے ذمہ دار ہیں۔ سیلز ٹیکس اور براہ راست ٹیکس میں انکم ٹیکس میں اضافہ کی وجہ سے غریب عوام پر بار منتقل کیا جا رہا ہے جس سے ان کے معاشی مسائل میں اضافہ ہو رہا ہے۔ سیلز ٹیکس چونکہ اشیاء کی قیمتوں میں شامل کیا جاتا ہے اس لیے غرباء کی قوت خرید بھی متاثر ہوئی ہے اور ان کی ضروری اشیاء صرف تک بھی رسائی ممکن نہیں رہی جس کی وجہ سے غربت کی شرح میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ زیادہ تر سرمایہ کار ٹیکسوں سے بچنے کے لیے اثر ورسوخ اور رشوت کو آلہ کار بناتے ہیں جس سے معاشرے میں کرپشن کو رواج مل رہا ہے۔ اگرچہ صدر پرویز مشرف کے دور سے نظام ٹیکس میں جدت اور وسعت لائی گئی تاہم اصلاح کی ضرورت باقی ہے۔ بڑے سرمایہ کاروں کو ٹیکس نیٹ ورک میں لانا اور ٹیکسوں کی لازمی بنیادوں پر وصولی سرمایہ کی کمی کو پورا کرنے کے لیے ضروری ہے۔ پاکستان کے نظام ٹیکس کے خرچ کرنے میں بھی کرپشن کا عنصر نمایاں ہے جس کی وجہ سے حق دار کو حق نہیں پہنچ رہا۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ دیانت دار طبقہ کو تعینات کیا جائے تاکہ کرپشن کا خاتمہ ہو سکے۔

تجاویز

سیرۃ النبی صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی روشنی میں پاکستان کے نظام ٹیکس کی اصلاح کے لیے مندرجہ ذیل نکات کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔

- ☆ ٹیکس عائد کرنے میں اصول عدل کو ملحوظ رکھا جائے۔ مدنی ریاست کے والی نے غیر مسلموں سے بھی ٹیکس کی وصولی میں اصول عدل کو مدنظر رکھا۔ اس لیے ضروری ہے کہ افراد معاشرہ کی آمدنیوں کے مطابق ٹیکس عائد کیے جائیں۔
- ☆ زکوۃ اسلامی ریاست کا ایک اہم ٹیکس ہے اس کا نفاذ حقیقی روح کے ساتھ کیا جانا ضروری ہے۔ اگر زکوۃ کا نفاذ ہی درست طریقے سے کر لیا جائے اور امراء زکوۃ دینے پر رضامند ہو جائیں تو اس سے غرباء کی کفالت کے لیے کافی رقم جمع ہو سکتی ہے اور عوام ناجائز ٹیکسوں کی بھرمار سے بھی آزاد ہو سکتی ہے۔
- ☆ زکوۃ عائد کرنے کے بعد حکومت کو نظام ٹیکس کا جائزہ لینے کے بعد غیر ضروری ٹیکسوں کو ختم کرنا چاہیے۔

☆ حکومت کو ٹیکس کی شرحوں میں اعتدال (Balance) کو مدنظر رکھنا چاہیے۔

☆ عصر حاضر میں اگر حکومت اپنے نظام کو چلانے کے لیے ٹیکس لاگو کرنا چاہتی ہے تو اس کا از سر نو جائزہ لینا ہوگا۔ سیلز ٹیکس کے لیے ایسی پالیسی وضع کی جانی چاہیے جس میں ٹیکس کا بوجھ صارفین کی طرف منتقل کرنے کی بجائے صنعت کار ہی کو اُٹھانا پڑے۔ بظاہر یہ بات بددیانتی کی پھیلتی ہوئی شرح کے پیش نظر مشکل نظر آتی ہے۔ کیونکہ حکومت اگر سرمایہ کار کے سالانہ منافع پر بھی ٹیکس لاگو کرتی ہے تو سرمایہ کار اپنی اشیاء کی مارکیٹ قیمت میں اس کے تناسب سے اضافہ کر دے گا۔ اس طرح ممکن ہے کہ حکومت کے اس عمل سے مزید منافع سرمایہ کار کی جیب میں چلا جائے اس کے لیے حکومت کو قیمتوں پر بھی نظر رکھنی ہوگی تا کہ صارفین کو استحصال سے بچایا جا سکے۔

☆ عصر حاضر کے بجٹ میں اگر چہ کم آمدن والے کو انکم ٹیکس میں ریلیف دیا جا رہا ہے تاہم عوام سے سیلز ٹیکس لازمی بنیادوں پر وصول کیا جا رہا ہے ۔ضرورت اس امر کی ہے کہ عوام کو سیلز ٹیکس میں ریلیف دیا جائے تا کہ اُن کی قوت خرید بہتر ہو سکے۔

☆ سرمایہ دار مختلف طریقوں سے کمپنیوں پر لاگو ٹیکس معاف کروا لیتے ہیں اور دوسری طرف سیلز ٹیکس کا بوجھ صارفین کی طرف منتقل کر دیتے ہیں۔ بڑے سرمایہ داروں پر عائد ٹیکس براہ راست وصول کرنا چاہیے اور ان کو رعایت نہیں دینی چاہیے۔

☆ جو سرمایہ دار ٹیکس چوری کرتے ہیں ان کو تعزیری سزائیں دی جانی چاہئیں تا کہ ٹیکس چوری کو کم کیا جا سکے۔

☆ ٹیکس کی وصولی اور اخراجات میں بددیانت افراد کی بجائے دیانتدار عملے کو تعینات کیا جائے تا کہ اس نظام میں بہتری آ سکے۔

حوالہ جات

۱۔ ابن منظور، محمد بن مکرم، اَبو الفضل، جمال الدین، اَفریقی، لسان العرب، بیروت (لبنان): دار الفکر، ط۔ن، ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۲ء، ۲۲۰/۶؛ الزبیدی، محمد مرتضی، اَبو الفیض، محبّ الدین، تاج العروس من جواہر القاموس، بیروت (لبنان): دار الفکر، ط۔ن، ۱۴۱۴ھ/ ۱۹۹۶ء، ۴۷۷/۸

2. Taxation,The Encyclopedia Americana,New York: Americana Corporation,1949، 30/288

3. Taxation,The Encyclopedia Britannica,Cambridge:Cambridge University Press,Ed. 11th,1911, 26/458

4. Taxation: General,International Encyclopedia of the Social Science(Editor:Sills, David L.),USA:The MacMillan Company,1968,15/521

*نوے(۹۰) کی دہائی سے پاکستان میں آئی ایم ایف کے تعاون سے سٹرکچرل ایڈجسٹمنٹ پروگرام شروع کیا گیا ہے۔اس پروگرام کے مقاصد میں ٹیرف میں معقول تبدیلیاں، آزادنہ درآمدات،شرح تبادلہ کا میکانزم،سیلز ٹیکس کے نظام میں وسعت،حکومتی اخراجات کومربوط بنانا/شفاف بنانا،اعانوں میں کمی، مالی اصلاحات، پانی، گیس اور بجلی کے بلوں کی تشکیل نو وغیرہ شامل ہیں۔

5. Structural Adjustment and Poverty in Pakistan (Director: A.R Kamel), Islamabad: Pakistan Institute of Development, 2003, pp.12-13

*اس پیراگراف کے تجزیے میں مذکورہ رپورٹ صفحہ نمبر۱۳پر دیے جانے والے جدول سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔

6. Government of Pakistan,Pakistan Economic Survey 1997-98,Islamabad:Ministry of Finance,p.xvi
7. WTO and Economic Reforms,Globalization:WTO,Trade and Economic Liberalization in Pakistan,(Edited by M.Aslam Chaudary & Eatzaz Ahmed),Lahore: Ferozsons LTD,Ed.1st,p.26
8. Pakistan Economic Survey 2004-05,pp.51-53;Ibid, 2007-08,pp.62-63تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو
State Bank of Pakistan,Annual Report 2008-09,Statistical Supplement,p.32

۹۔ بجٹ تقریر۲۰۱۲۔۲۰۱۳ء،ص۸۔۹
http://www.finance.gov.pk/budget/budget_Speech_12_13_urdu_version.pdf retrieved 6-07- 2013

۱۰۔ ایضاً،ص۳۸

۱۱۔ ایضاً،۱۵

۱۲۔ جامع ترمذی،ابوأب الاحکام،باب ماجاء في الامام العادل،۱۳۲۹

۱۳۔ صحیح بخاری، کتاب الأحکام، باب من استرعی رعیۃ فلم ینصح ،۷۱۵۰

۱۴۔ الحج ۲۲:۴۱

۱۵۔ التوبۃ ۹:۶۰

۱۶۔ سنن ابن ماجہ،ابواب الزکوۃ،باب ما أدی زکاۃ لیس بکنز،۱۷۸۹؛ جامع ترمذی،ابواب الزکاۃ،باب ما جاء أن فی المال حقا سوی الزکاۃ،۶۶۰

۱۷۔ الانفال ۸:۶۰

*سرکاری خزانہ کے مندرجہ بالا ذرائع اگر ریاست کی تمام ضروریات پوری نہ کرسکیں یا ہنگامی حالات رونما ہوں مثلاً جنگ،قحط سالی، بے روزگاری وغیرہ تو اسلامی ریاست اہل ثروت پر ضرائب(ہنگامی ٹیکس)عائد کرسکتی ہے۔حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے دولت مندوں کے مال میں اس قدر حق فرض

کر دیا ہے جس قدر کہ ان کے فقراء کو کفایت کر سکے پس اگر فقراء بھوکے، ننگے اور خستہ حال ہیں تو اس کا سبب یہی ہوتا ہے کہ اغنیاء اس فرض کی اداء میں مانع ہیں۔ (ابن حزم، علی بن أحمد بن سعید، ابومحمد (م۴۵۶ھ)، المحلي، مصر: ادارة الطباعة المنيرية، ط۔الأولی، ۱۳۵۰ھ، ۱۵۸/۶) ابن حزم نے فقراء کی اعانت پر بحث کرتے ہوئے تحریر فرمایا کہ اگر بیت المال کا خزانہ اور مال فئے فقراء اور اہل ضرورت کی معاشی ضروریات کو پورا نہ کر سکیں تو خلیفہ اہل ثروت پر مزید ٹیکس عائد کر کے ان کی ضروریات کو پورا کر سکتا ہے اور اگر اہل دولت اس میں مانع ہوں تو جبر سے وصول کر سکتا ہے۔ (ایضاً، ۱۵۶/۶)

۱۸۔ ابن ہشام، عبدالملک، ابومحمد، (م۲۱۸ھ)، السيرة النبوية، بيروت (لبنان): داراحیاء التراث العربی، ط۔الثالثة، ۲۰۰۰ء/۱۴۲۱ھ، ۴/ ۱۶۹؛ الطبری، محمد بن جریر، أبوجعفر (م۳۱۰ھ)، تاريخ الأمم والملوک المعروف تاریخ طبری، مطبعة الاستقامة، بیروت (لبنان): دارالکتب العلمیة، ط۔الثانیة، ۱۴۲۴ھ/۲۰۰۳ء، ۱۸۱/۲

۱۹۔ السيرة النبوية، ۱۷۱/۴

۲۰۔ جامع ترمذی، أبواب المناقب، باب [رجاؤه صلّى الله عليه وآله وسلّم أن يكون وأبوبكر ممن يدعى من جميع أبواب الجنة، ۳۶۷۵

21. Pakistan Economic Survey 2007-08,p.65 ;2012-13,p.51

۲۲۔ الذّٰریٰت ۵۱:۱۹

۲۳۔ صحیح بخاری، کتاب الزکاة، باب وجوب الزکاة......، ۱۳۹۵، ص۲۲۴-۲۲۵؛ وأخرجه أيضاً في كتاب، كتاب الزكاة، باب لا تو خذ كرائم أموال الناس في الصدقة، ۱۴۵۸؛ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الدعاء الی الشهادتین وشرائع الاسلام، ۱۲۱

۲۴۔ صحیح بخاری، کتاب الزکاة، باب العشر فيما يسقى من ماء السّماء والماء الجاري، ۱۴۸۳؛ سنن نسائی، کتاب الزکاة، باب مايوجب العشر ومايوجب نصف العشر، ۲۴۹۰

۲۵۔ تاریخ الامم والملوک، ۱۴۰/۲

۲۶۔ صحیح بخاری، کتاب الزکاة، باب لاتو خذ کرائم أموال النّاس في الصدقة، ۱۴۵۸

۲۷۔ سنن أبوداؤد، کتاب الخراج والفيء والامارة، باب في أخذ الجزية، ۳۰۳۸

۲۸۔ بجٹ تقریر ۲۰۱۲-۲۰۱۳ء، ص ۳۵

۲۹۔ روزنامہ جنگ لاہور، ۱۳ فروری ۲۰۱۳ء

۳۰۔ الاعراف ۷:۱۵۶

۳۱۔ الروم ۳۰:۳۹

۳۲۔ صحیح بخاری، کتاب الزکاة، باب اثم مانع الزکاة، ۱۴۰۲

۳۳۔ ایضاً، ۱۴۰۳؛ سنن نسائی، کتاب الزکاة، باب مانع زکاة ماله، ۲۴۸۳

۳۴۔ ایضاً، باب وجوب الزکاة، ۱۳۹۶

۳۵۔ سنن نسائی، کتاب الزکاة، باب أعطاء السیّد المال بغير اختيار المصدوق، ۲۴۶۴

۳۶۔ صحیح بخاری، کتاب الزکاۃ، باب وجوب الزکاۃ، ۱۳۹۵؛ وأخرجہ أیضاً فی کتاب، کتاب الزکاۃ، باب لاتوخذ کرائم أموال الناس فی الصدقۃ، ۱۴۵۸، ؛ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الدعا الی الشھادتین وشرائع الاسلام، ۱۲۱؛ سنن أبوداؤد، کتاب الزکاۃ، باب فی زکاۃ السائمۃ، ۱۵۸۴

۳۷۔ صحیح بخاری، کتاب الزکاۃ، باب وجوب الزکاۃ، ۱۴۰۰؛ سنن أبوداؤد، کتاب الزکاۃ، باب وجوبھا، ۱۵۵۶؛ سنن نسائی، کتاب الزکاۃ، باب مانع الزکاۃ، ۲۴۴۵

۳۸۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان والنذور، باب کیف کانت یمین النبی صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم، ۶۶۳۶

۳۹۔ صحیح بخاری، کتاب الاستقراض، باب العبد راع فی مال سیدہ ولایعمل الاّ باذنہ، ۲۴۰۹، ص ۳۸۷؛ صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب فضیلۃ الأمیر العادل، ۴۷۲۴؛ سنن أبوداؤد، کتاب الخراج والفيء والامارۃ، باب مایلزم الامام من حق الرعیۃ، ۲۹۲۸

۴۰۔ الاعراف ۷: ۳۱

۴۱۔ بنی اسرآءیل ۱۷: ۲۷

۴۲۔ صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب قول اللّٰہ تعالیٰ قل من حرم زینۃ اللّٰہ التی أخرج لعبادہ،......[الاعراف :۳۲]؛ سنن ابن ماجہ، ابواب اللباس، باب البس ماشئت، مااخطاک سرف أومخیلۃ، ۳۶۰۵

۴۳۔ صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب افتراش الحریر، ۵۸۳۷؛ صحیح مسلم، کتاب اللباس، باب تحریم استعمال أنا الذھب والفضۃ، ۵۳۹۴

۴۴۔ سنن ابوداؤد، کتاب اللباس، باب من کرھہ، ۴۰۴۴؛ صحیح مسلم، کتاب اللباس والزینۃ، باب تحریم استعمال انا الذھب والفضۃ، ۵۳۸۸

۴۵۔ صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، باب فی الکفاف والقناعۃ، ۲۴۲۷

۴۶۔ صحیح بخاری، کتاب الزکوۃ، باب ما أدی زکاۃ فلیس بکنز، ۱۴۰۸

۴۷۔ ایضاً، باب من أحبّ تعجیل الصّدقۃ من یومھا، ۱۴۳۰

تفہیمِ دین میں رسول اللہ ﷺ کے جسمانی تاثرات کا اظہار

حافظ محمد اصغر☆

Abstract:

"The Prophet Muhammad S.A.W being last of all Prophets is appointed for all the human generations to come till end. His life is the best model for mankind. He himself declared the teacher to humanity. The Prophet (S.A.W) educated and trained his companions in the best way and his companions spread in the world to guide the people according to the spirit of Islam. While teaching his companions the Prophet Muhammad (P.B.U.H) adopted different ways and also expressed physical impressions and body language to make the matter more effective. This article addresses the very same way of the Prophetic teaching and preaching."

رسول کائنات ﷺ چونکہ اللہ مالک الملک کی طرف سے مبعوث اور پوری کائنات کے لیے صاحب ھدی کی حیثیت رکھتے ہیں اس لیے نبی ﷺ ایک بہترین استاذ، بہترین معلّم، بہترین مدرس اور بہترین مربّی ہیں اور خود بھی اللہ کے نبی ﷺ نے ایک روایت میں خود کو معلّم ہی قرار دیا ہے چنانچہ فرمایا: ''**وإنّما بعِثت معلّما**''[1] (بے شک میں معلّم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔)

رسول اللہ ﷺ جب بھی صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین کی تربیت یا ان کو دین سکھانے کی بات کرتے تو وہاں ایک بہترین معلّم اور استاذ ہونے کے ناطے اپنے جسمانی تاثرات (Body Language) کا بھرپور استعمال فرماتے۔ اس کی بہت سی مثالیں کتب احادیث میں ملتی ہیں۔ ان میں سے چند مثالیں آپ کی خدمت میں پیش کی جاتی ہیں۔

انگلیوں میں انگلیاں ڈال کر بات سمجھانا

چنانچہ سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

☆ لیکچرار اسلامیات، شعبۂ علوم اسلامیہ و عربی، جی سی یونیورسٹی فیصل آباد

''**المؤمن للمؤمن كالبنيان يشدّ بعضهٗ بعضًا**'' مومن دوسرے مومن کے لیے عمارت کی طرح ہے جس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو مضبوط کرتا ہے۔ (پھر ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ بات بیان کرنے کے بعد) **ثم شبّک بین أصابعهٖ**۔ پھر آپ ﷺ نے اپنی انگلیوں کو قینچی کی طرح کر لیا۔[۲]

آپ ﷺ اپنے صحابہ کرام کو تربیت دیتے تا کہ ان کے اذہان وقلوب میں اچھی طرح بات بیٹھ جائے۔ یہی وجہ ہے کہ صحیح بخاری کے شارح حافظ ابن حجر رحمہ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں بیان فرماتے ہیں: ''**هو بيان لوجه التشبيه أيضا أي يشد بعضهم مثل هذا الشد، ويستفاد منه أن الّذی یدید المبالغة في بيان أقواله يمثلها بحركاته ليكون أوقع فی نفس السامع**''[۳] اس وجہ تشبیہ کی وضاحت یہ ہے کہ (مومنین) ایک دوسرے کو ایسے تقویت پہنچاتے ہیں جیسے یہ انگلیاں ایک دوسرے کے لیے باہمی طاقت کا باعث ہیں اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص اپنی بات میں زیادہ زور پیدا کرنا چاہتا ہے وہ اشاروں (جسمانی تاثرات) سے اس کی وضاحت کرتا تا کہ سننے والے کو اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے۔''

مذکورہ بالا حدیث اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ علیہ کی مندرجہ بالا وضاحت سے ایک تو جسمانی تاثرات کی اہمیت وافادیت واضح ہے کہ تعلیم میں اس کی اہمیت کس قدر ہے اور دوسری یہ بات کہ معلّم اعظم ﷺ اپنی دعوت وتربیت میں بھی اپنے جسمانی تاثرات کے ذریعے اپنے مخاطب ساتھیوں کو سمجھاتے تا کہ ان کے قلوب واذہان میں بات راسخ ہو جائے۔

اشاروں سے بات کی وضاحت

سیدنا ابواُمامۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''**عليكم بهذا العلم قبل أن يقبضَ، وقبضهُ أن يرفَعَ**'' اس علم کو اس کے قبض ہونے سے پہلے حاصل کرو، اس کا قبض یہ ہے کہ اسے اٹھا لیا جائے گا۔'' اس کے بعد آپ ﷺ نے درمیانی انگلی اور اور انگشت شہادت کو ملا کر وضاحت فرمائی۔

''عالم اور طالب علم ثواب میں شریک ہیں اور دوسرے لوگوں میں کوئی خیر نہیں ہے۔''[۴]

اس روایت میں بھی اللہ کے رسول ﷺ کے بات سمجھانے میں جسمانی تاثرات کا اظہار ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ ایک تعلیم کے مختلف طریقوں سے وعظ فرمایا کرتے تھے۔

قرب قیامت کے بیان میں آپ ﷺ کے انداز

سیدنا سھل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ''**بعثت أنا والساعة كهاتين**'' مجھے اور قیامت کو ان دونوں کی طرح بھیجا گیا ہے، آپ ﷺ اپنی انگلیوں کے ساتھ اشارہ فرماتے پھر ان دونوں کو پھیلا دیتے۔[۵]

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے قیامت کی نشانیوں میں سے ایک کا تذکرہ فرمایا ہے یعنی میری بعثت بھی قیامت کے قرب کی دلیل ہے اور ساتھ ہی دو انگلیوں کے مخصوص اشارے سے بھی اپنے زمانہ بعثت اور روزِ قیامت کا باہم قریب ہونا بتایا۔

یہ بات آپ ﷺ اگر جسمانی تاثرات کے بغیر کرتے تو شاید بات مبہم رہ جاتی لیکن معلّمِ اعظم نے تعلیم کے طریق کو سامنے رکھتے ہوئے جسمانی تاثرات کے ذریعے مخاطبین کو اپنی بعثت کا وقت بھی بتایا اور اس کے ساتھ ہی قربِ قیامت کی طرف بھی اشارہ فرمایا۔ اسی لیے امام قرطبی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''**حاصل الحديث تقريب أمر الساعة وسرعة مجيئها**'' حدیث سے مقصود قیامت کے برپا ہونے اور اس کے جلد آنے کا بیان ہے۔ (۶)

آپ ﷺ کا گدی پر ہاتھ رکھنا

سابقہ حدیث میں تو قیامت کے قرب کا بیان ہے اب ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ ابن آدم اور اس کی موت کو جسمانی تاثر (Body Language) کے ذریعے یوں بیان فرماتے ہیں۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''**هذا ابنُ آدمَ وهذا أجله**'' یہ ابن آدم اور یہ اس کی موت ہے۔ آپ ﷺ نے اپنی گدی کے قریب اپنا ہاتھ رکھا، پھر اسے پھیلا کر فرمایا: ''**وثمّ أمله وثمّ أمله**'' اور پھر وہاں اس کی امید ہے اور پھر وہاں اس کی امید ہے۔ (۷)

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ اشاروں کے ذریعے ابن آدم کی موت اور اس کی امیدوں کے طول کو بیان فرما رہے ہیں۔ یعنی ابن آدم کی زندگی تو اتنی سی ہے کہ ذرا سا معاملہ ہوا تو یہاں سانس بند ہو گیا، ابن آدم کی زندگی کا تو یہ خلاصہ ہے، لیکن اگر اس کی امیدوں کی طرف دیکھا جائے تو وہ ہمیشہ کی زندگی کی طرح ہیں اور بہت لمبی ہیں تو اللہ کے رسول ﷺ نے ابن آدم کے اس دنیادارانہ رجحان کو جسمانی تاثرات کے ذریعے سمجھایا اور لوگوں کو دنیا سے بے رغبتی کا درس دیا۔

مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ دورانِ تعلیم بات کو مؤثر بنانے کے لیے مخصوص اشارات سے کام لیتے تھے تاکہ بات اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے۔

تشہد کی تعلیم و تربیت

امام بخاری رحمہ اللہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل کرتے ہیں، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مجھے رسول اللہ ﷺ نے تشہد سکھایا جیسے قرآن کی کوئی سورت سکھاتے ہیں اور میرا ہاتھ آپ کے دونوں ہاتھوں میں تھا: **التحيات لله والصلوات والطيبات... الخ** عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم اس وقت آپ ﷺ کے پیچھے ہوتے تھے، پس جب آپ ﷺ وفات پا گئے تو ہم السّلام علی النبی ﷺ کہنے لگے۔ (۸)

شارحین نے اس حدیث کی شرح میں بیان کیا ہے کہ یہ مصافحہ نہیں تھا بلکہ ایسے ہی جیسے کوئی بزرگ چھوٹوں کو تعلیم دیتے وقت ہاتھوں میں ہاتھ لے لیتے ہیں۔

تو اللہ کے نبی ﷺ نے اپنے صحابہؓ کی ہر طرح سے تربیت کا انتظام فرمایا اور مختلف طریق ہائے تعلیم اپنائے تا کہ اصحابؓ کو اسلام کا ہر عمل اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے۔ اسی لیے آپ ﷺ نے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کو پکڑ کر تعلیم دی تا کہ جو میں سکھاؤں وہ غور سے سن لیں اور کچھ بھی ان سے رہ نہ جائے۔

دورانِ خطبہ آپ ﷺ کے مختلف انداز

حصین بن عبدالرحمٰن بیان کرتے ہیں کہ عمارہ بن رویبہ نے بشر بن مروان کو دیکھا کہ وہ جمعہ کے روز (اثنائے خطبہ میں ہاتھ اٹھا کر) دعا کر رہا تھا، اور (دورانِ خطبہ ہاتھ بھی ہلا رہا تھا) تو عمارہ نے کہا: اللہ ان دونوں ہاتھوں کو رسوا کرے۔۔۔ زائدہ کہتے ہیں کہ حصین نے کہا: مجھے عمارہ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے کہ آپ اس سے زیادہ نہیں کرتے تھے، یعنی صرف شہادت کی انگلی اٹھانے پر اکتفا کرتے تھے جو انگوٹھے سے ملی ہوتی ہے۔ (۹)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ دورانِ خطبہ شہادت والی انگلی سے اشارہ کیا کرتے تھے اور اسی کو بلند کرتے تھے۔ دوران گفتگو انگلی کی حرکت سے ایک بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ سامعین اچھے طریقے سے متوجہ رہتے ہیں اور گفتگو پورے انہماک سے سنتے ہیں۔ ایک روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ خطبہ جمعہ کھڑے ہو کر ارشاد فرماتے تھے۔ (۱۰)

سیدنا سہل بن سعدؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے۔ آپ نے شہادت کی انگلی اور درمیان والی انگلی سے اشارہ کیا۔ (۱۱)

اس حدیث مبارکہ میں بھی نبی کریم ﷺ نے بات سمجھانے کے لیے انگلیوں سے اشارہ فرمایا۔

آنکھوں کا سرخ اور آواز کا بلند ہو جانا

اس میں ہمارے موضوع سے متعلق اور خطیب کی اہم خصوصیت ''کھڑے ہو کر خطبہ دینا ہے'' اس میں بھی بہت سے فوائد جن میں سے ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ سامعین میں سے ہر ایک واعظ یا خطیب کو براہِ راست دیکھ سکتا ہے اور وعظ کے ساتھ ساتھ اس کی باڈی لینگوئج سے بھی متاثر ہوتا ہے۔ سیدنا جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب خطبہ دیتے تو آپ کی آنکھیں سرخ ہو جاتیں اور آواز بلند ہو جاتی، آپ کا غضب بڑھ جاتا گویا آپ دشمن کے کسی لشکر سے ڈرا رہے ہیں۔ پھر آپ فرماتے: مجھے اور قیامت کو اس طرح بھیجا گیا ہے۔ آپ اپنی درمیانی انگلی اور انگشتِ شہادت کے درمیان فرق کرتے ہوئے (سمجھاتے تھے)۔ (۱۲)

پُر جوش وجذبے سے کی ہوئی تقریر کی بنا پر آنکھیں سرخ ہو جانا یا غضب کا بڑھ جانا ایک طبعی معاملہ ہے، موضوع کی مناسبت سے یہ بات واضح ہوئی کہ دعوت وتبلیغ میں دوران وعظ وتقریر، موقع محل کے مطابق جوش وجذبے سے تقریر کرنا بھی ضرورت ہے۔ دوسرا اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انگلیوں کے اشارے سے بھی بات کو سمجھایا جا سکتا ہے، بلکہ اس طرح کے اشارے زیادہ کارگر ثابت ہوتے ہیں۔

مصائب برداشت کرتے ہوئے آپؐ کا جسمانی تاثراتی انداز

سیدہ عائشہ صدیقہؓ بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا آپ پر احد کے دن سے بھی کوئی سخت دن آیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: مجھے تیری قوم نے بڑی تکلیفیں پہنچائی ہیں، اور سخت ترین تکلیف طائف کے دن پہنچی تھی جب میں نے ابن عبد یالیل بن عبد کلال پر اپنے آپ کو (بحیثیت ایک نبی کے) پیش کیا۔ اس نے میرے ارادے کے مطابق جواب نہیں دیا۔ میں اس حالت میں چلا کہ میں سخت پریشان تھا۔ مجھے قرن الثعالب تک افاقہ نہیں ہوا۔ پھر میں نے اپنا سر اوپر اٹھایا تو ایک بادل دیکھا جس نے مجھ پر سایہ کر رکھا تھا۔ میں نے دیکھا اس (بادل) میں جبریلؑ ہیں جو مجھے آواز دے رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں: آپ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے آپ کی قوم کی باتیں اور جواب سنا ہے اور اس نے آپ کے لیے پہاڑوں کا فرشتہ بھیجا ہے۔ آپ جو چاہیں اسے حکم دے سکتے ہیں۔'' پھر مجھے پہاڑوں کے فرشتے نے آواز دی اور سلام کہا پھر کہا کہ اے محمد (ﷺ)! بلاشبہ اللہ نے آپ کی قوم کی باتیں سنی ہیں اور میں پہاڑوں کا فرشتہ ہوں، اللہ نے مجھے آپ کی طرف بھیجا ہے۔ آپ جو چاہیں حکم دے سکتے ہیں۔ اگر آپ چاہیں تو میں مکہ کے دونوں پہاڑ ملا کر انہیں کچل دوں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا: بلکہ میں امید رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی اولاد سے ایسے لوگ پیدا کرے گا جو ایک اللہ کی عبادت کریں گے، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔''(۱۳)

اس روایت میں ہمارے لیے یہ سبق ہے کہ دعوت وتبلیغ کے سلسلے میں تکالیف ومصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور اس وجہ سے پریشان ہونا بھی عین حالات کے مطابق ہے، جیسا کہ نبی ﷺ پریشان ہوئے لیکن آپ ﷺ نے اس کا اظہار نہیں کیا۔ معلوم ہوا کہ رنج وغم کی بنا پر پریشان ہونا انسانی فطرت ہے، لیکن دعوت وتبلیغ کی کوشش میں کبھی مایوس نہیں ہونا چاہیے۔

آپ ﷺ کا ایک اور اندازِ تفہیم

سیدنا معاذؓ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے ایسا عمل بتلائیے جو مجھے جنت میں لے جائے اور جہنّم سے دور کر دے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تو نے بہت بڑی بات کا سوال کیا ہے، لیکن یہ اس کے لیے آسان ہے جس پر اللہ تعالیٰ اس کو آسان فرما دے۔ (یعنی عمل کی توفیق دے دے) تُو اللہ کی عبادت کر، اس کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہرا، نماز قائم کر، زکوٰۃ دے، رمضان کے

روزے رکھ اور بیت اللہ کا حج کر، اگر اس کے راستے کی طاقت ہو۔ پھر فرمایا: کیا میں تجھے بھلائی کے دروازے نہ بتلاؤں؟ روزہ ڈھال ہے، صدقہ گناہ کو بجھا دیتا ہے (یعنی اس کے اثر کو دور کر دیتا ہے) جیسے پانی آگ کو بجھا دیتا ہے اور آدمی کا رات کے پچھلے پہر میں نماز پڑھنا۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ''ان کے پہلو، بستروں سے دور رہتے ہیں'' یہاں تک کہ **یعملون** تک پہنچ گئے۔ پھر فرمایا کیا میں تجھے دین کا سر، اس کا ستون اور اس کی کوہان کی بلندی نہ بتلاؤں؟ میں نے کہا: کیوں نہیں، اللہ کے رسول (ضرور بتلائیے) آپ نے فرمایا: دین کا سر اسلام ہے، اس کا ستون نماز ہے اور اس کے کوہان کی بلندی جہاد ہے۔ پھر فرمایا: کیا میں تجھے ایسی بات نہ بتلاؤں، جس پر ان سب کا دارومدار ہے؟ میں نے کہا: کیوں نہیں یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے اپنی زبان پکڑی اور فرمایا: ''اس کو روک کر رکھ'' میں نے عرض کیا: کیا ہم زبان کے ذریعے سے جو گفتگو کرتے ہیں، اس پر بھی ہماری گرفت ہوگی؟ آپ نے فرمایا: ''تجھے تیری ماں گم پائے۔'' جہنم میں لوگوں کو ان کی زبانوں کی کاٹی ہوئی کھیتیاں ہی اوندھے منہ گرائیں گی۔ (۱۴)

دوران وعظ باڈی لینگوئج کا اہم کردار ہوتا ہے اور جس چیز کے بارے میں سمجھایا جا رہا ہے (اس کی طرف اشارہ کرنا یا اسے پکڑ کر سامعین کو دکھانا بہت زیادہ پُر اثر ہوتا ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی زبان مبارک کو پکڑ کر سمجھایا تھا۔

ابو واقد لیثیؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جبکہ ہم چٹائی پر بیٹھے ہوئے تھے: عنقریب فتنے ہوں گے، انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! تب ہم کیا کریں؟ آپ ﷺ نے چٹائی کی طرف ہاتھ بڑھایا اور اسے پکڑ لیا، پھر فرمایا: تم ایسے کرنا اور ایک دن آپ نے بتایا: عنقریب فتنے ہوں گے۔ بہت سے لوگ اسے سن نہ سکے تو معاذ بن جبلؓ نے کہا: تم رسول اللہ ﷺ کی بات نہیں سن رہے؟ انہوں نے کہا: آپ نے کیا فرمایا: کہتے ہیں: عنقریب فتنے ہوں گے تو انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! پھر ہم کیا کریں؟ آپ نے فرمایا: تم اپنے پہلے معاملے کی طرف پلٹ آنا۔ (۱۵)

آقائے دو جہاں ﷺ اپنے اس بیان میں فتنوں کے دور میں تبلیغ دین کی کوشش کے بارے میں فرما رہے ہیں اور آپ نے باقاعدہ سمجھانے کے لیے اپنے ہاتھوں کو بڑھایا اور چٹائی کو پکڑا، جس سے مراد یہ ہے کہ جس طرح میں نے چٹائی کو تھام لیا ہے، اسی طرح تم فتنوں کے دور میں دعوت و اصلاح کو تھام لینا۔ سیدنا جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک ایسے شخص کے پاس سے گزرے جو چٹان پر کھڑا نماز پڑھ رہا تھا، پھر آپ مکہ کے ایک کونے کی طرف آئے اور کچھ دیر ٹھہرے رہے۔ پھر آپ متوجہ ہوئے تو آپ نے اس شخص کو نماز کی ہی حالت میں پایا۔ آپ نے اپنے ہاتھوں کو اکٹھا کیا اور فرمایا: اے لوگو! میانہ روی کو لازم پکڑو، اللہ تعالیٰ نہیں تھکتا تم تھک جاؤ گے۔ (۱۶)

نبی کریم ﷺ نے وعظ سے پہلے اچھی طرح چھان بین کی۔ نماز پڑھنے والا شخص راہ اعتدال (میانہ روی) سے ہٹا ہوا ہے۔ پھر آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو اکٹھا کیا، یہی میرے موضوع سے متعلق

ہے کہ آپ کس طرح دوران وعظ میں اپنے ہاتھوں کو اکٹھا کرتے ہیں، پھر لوگوں کو بیان کرتے ہیں۔

دنیا کی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے آپ ﷺ کے انداز

سیدنا جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ بازار سے گزر رہے تھے اور آپ کے دونوں طرف لوگ تھے تو آپ ﷺ کا بکری کے ایک چھوٹے کان والے مردار بچے کے پاس سے گزر ہوا۔ آپ نے اسے اس کے کان سے پکڑا اور فرمایا: تم میں سے کوئی اسے ایک درہم میں بھی لینا پسند کرے گا؟ انہوں نے کہا: ہم تو اسے (ایک درہم کیا) کسی بھی چیز کے بدلے لینا پسند نہیں کرتے اور ہم اسے لے کر کیا کریں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم پسند کرو گے کہ یہ تمہیں مفت ہی مل جائے؟ انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! یہ (بچہ) اگر زندہ ہوتا تب بھی عیب دار تھا، کیونکہ چھوٹے کانوں والا ہی تو اب اسے کون لے گا، جبکہ یہ مردار ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی قسم! یقیناً اللہ کے نزدیک دنیا اس کے بھی زیادہ حقیر ہے، جتنا بکری کا یہ مردار بچہ تمہاری نظروں میں حقیر ہے۔ (۱۷)

رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو دنیا کی حقیقت بتانے کے لیے کس قدر بہترین اسلوب اختیار کیا کہ آپ ﷺ بنفس نفیس بکری کے مردار بچے کے پاس تشریف لے گئے، پھر اس کے کان سے پکڑ کر لوگوں کو متوجہ کیا، تا کہ لوگ اچھی طرح اس کے چھوٹے کان دیکھ لیں اور پھر سوال جواب کا سلسلہ شروع کیا۔ آخر میں لوگوں پر واضح کر دیا کہ جس قدر تمہارے نزدیک بکری کا یہ مردار بچہ حقیر ہے، اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ اس سے بھی زیادہ حقیر ہے۔

آپ ﷺ کا سامعین کی طرف چل کر آنا

سیدنا ابورفاعہ تمیم بن اسیدؓ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، جبکہ آپ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ پس میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! ایک مسافر آدمی اپنے دین کی بات پوچھنے آیا ہے، وہ نہیں جانتا کہ اس کا دین کیا ہے؟ (یعنی اس کی تعلیمات سے لابلد ہے) پس رسول اللہ ﷺ میری طرف متوجہ ہوئے اور اپنا خطبہ چھوڑ دیا حتیٰ کہ میرے پاس آ گئے، چنانچہ آپ کے لیے ایک کرسی لائی گئی جس پر آپ ﷺ فروکش ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو احکام سکھلائے تھے وہ مجھے سکھلانے لگے۔ پھر اپنے خطبے کی طرف آئے اور اس کے آخری حصے کو مکمّل فرمایا۔ (۱۸)

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے دوران خطبہ میں اپنے خطبے کو چھوڑ کر ایسے شخص کو تعلیم سے روشناس کیا جو بالکل دینی تعلیم سے بے بہرہ تھا، پھر دوبارہ اپنا خطبہ مکمّل کیا معلوم ہوا دعوت وتبلیغ میں ضروری نہیں کہ بہت زیادہ افراد ہوں تب ہی یہ فریضہ ادا کیا جائے، بلکہ اگر ایک شخص بھی ایسا ہو کہ وہ تعلیمات اسلامیہ سے نابلد ہے تو پوری توجہ سے اسے احکام وفرائض سکھانے چاہیں۔

دعوت وتبلیغ میں آپ ﷺ کا پرعزم ہونا

سیدنا عقیل بن ابی طالبؓ بیان کرتے ہیں کہ قریشی ابو طالب کے پاس آئے اور کہنے لگے: آپ محمد (ﷺ) کو نہیں دیکھتے؟ وہ ہمیں ہماری مجالس و مساجد میں تکلیف دیتا ہے، آپ ایسی ایذ پہنچانے سے انہیں منع کر دیں۔ انہوں نے مجھے کہا: اے عقیل! محمد (ﷺ) کو بلاؤ۔ میں گیا اور انہیں بلا کر لے آیا۔ ابو طالب نے کہا: میرے بھتیجے! تیرے چچا زاد بھائیوں نے یہ شکایت کی ہے کہ تم انہیں مجلسوں اور مسجدوں میں تکلیف دیتے ہو۔ اس طرح کرنے سے باز آجاؤ۔ رسول اللہ ﷺ نے کن اکھیوں سے آسمان کی طرف دیکھا اور فرمایا: ''اگر تم لوگ میرے لیے آسمان سے شعلہ (یعنی سورج) بھی لے آؤ تو میں ایسا کرنے سے رک نہیں سکتا۔ یہ سن کر ابو طالب نے کہا: میرا بھتیجا جھوٹا نہیں ہے۔ تم سب یہاں سے جاؤ۔ [۱۹]

اس روایت میں تبلیغ دین کے لیے رسول اللہ ﷺ کے عزم و جذبے کا بیان ہے اور جو چیز میرے موضوع سے متعلّق ہے وہ آپ کا اپنا موقف بیان کرنے سے پہلے آسمان کی طرف دیکھنا، گویا آپ نے جو فرمایا ہے، وہ وحی الٰہی کے ذریعے سے ہی فرمایا ہے۔

قربانی کے جانوروں کے متعلّق وضاحت

عبید بن فروز بیان کرتے ہیں کہ ان سے البراء بن عازب نے کہا'' کہ مجھے قربانی کے ان جانوروں کے متعلّق بتائیے جن کی قربانی کو رسول اللہ ﷺ نے ناپسند فرمایا یا ان سے منع فرمایا۔''

انہوں نے بیان کیا'' بلا شبہ رسول اللہ ﷺ نے اس طرح اپنے ہاتھ سے فرمایا اور میرا ہاتھ رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ سے کم تر ہے، چار قسم کے جانور قربانی میں جائز نہیں۔ ایک آنکھ والا ہونا نمایاں ہو بیمار جس کی بیماری واضح ہو لنگڑا جس کا لنگڑا پن واضح ہو، ایک دوسری روایت میں بیان فرماتے ہیں۔ کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا اور آپ نے اپنی انگلیوں کے ساتھ اشارہ کیا۔

اور البراء بن عازب نے اپنی انگلیوں کے ساتھ اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ میری انگلیاں رسول اللہ ﷺ کی انگلیوں سے کم تر ہیں۔ [۲۰]

اس حدیث شریف میں آنحضرت ﷺ نے ان چار اقسام کے جانوروں کی تفصیل بتائی جن کی قربانی جائز نہیں آپ نے چار کا لفظ بولتے وقت اپنی چار انگلیوں کے ساتھ اشارہ بھی فرمایا اور بلا شبہ صرف گفتگو کے ساتھ سمجھائے ہوئے درس کے مقابلے میں گفتگو کے ساتھ اشاروں کے ساتھ سمجھایا ہوا سبق زیادہ مؤثر اور دل نشین ہوتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ہمارے نبی کریم ﷺ دوران تعلیم وتفہیم بات کی وضاحت کرنے اور اس کو مؤثر طور پر دل نشین کروانے کی غرض سے مناسب حال اشارات استعمال فرماتے تھے۔

آپ ﷺ کا خط کھینچ کر سمجھانا

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے بیان کیا:

''رسول اللہ ﷺ نے ہمارے لیے ایک خط کھینچا: ''یہ اللہ تعالیٰ کی راہ ہے۔'' پھر آپ ﷺ نے اس کی دائیں جانب اور اس کی بائیں جانب خطوط کھینچے، پھر فرمایا: ''یہ راہیں ہیں۔'' یزید نے بیان کیا: ''جدا جدا''۔(۲۱)

ان میں سے ہر راہ پر شیطان بلا رہا ہے۔ آپ ﷺ نے قرآن کریم کا یہ یہ حصہ پڑھا۔ جس کا ترجمہ ہے:

''اور بلاشبہ یہ میری راہ ہے سیدھی، سو تم اس پر چلو اور دوسروں کی راہوں پر مت چلو۔ وہ تمہیں اس (اللہ تعالیٰ) کی راہ سے جدا کر دیں گے۔''

اس حدیث شریف سے واضح ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے مقصود کو سمجھانے کی غرض سے لکیریں کھینچیں۔ امام طیبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول:

''ہمارے لیے آپ ﷺ نے خط بنایا'' کی شرح میں تحریر کیا ہے:

''یعنی بات کو ہمارے ذہن نشین کروانے کے لیے خط کھینچا، کیونکہ مخفی معانی کو اجاگر کرنے اور پوشیدہ مروز کی نقاب کشائی کی غرض سے تصویر و تمثیل استعمال کی جاتی ہے تا کہ وہ مرئی اور محسوس چیزوں کی طرح آشکارہ و جائیں اور بات سمجھنے میں انسانی خیال، عقل کی مدد کرے''۔ (۲۲)

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے انہوں نے بیان کیا:

''نبی ﷺ نے ایک مربع شکل بنائی اور اس کے درمیان ایک خط کھینچا جو اس سے نکلا ہوا تھا اور (اس کے بعد) اس (مربع شکل) کے درمیانی خط کی طرف چھوٹے چھوٹے خطوط کھینچے اور فرمایا: ''یہ انسان ہے اور یہ اس کی موت اس کو گھیرے ہوئے ہے۔ بلا شک وشبہ اس کا احاطہ کر چکی ہے اور یہ باہر نکلا ہوا (خط) اس کی آرزو ہے۔ اور یہ چھوٹے چھوٹے خطوط مصائب ہیں۔ پس اگر وہ ایک سے بچ نکلتا ہے تو دوسری میں پھنس جاتا ہے اور دوسری سے نکلتا ہے تو تیسری میں گرفتا ہو جاتا ہے۔''(۲۳)

اس حدیث شریف سے یہ واضح ہے کہ نبی کریم ﷺ نے انسانی آرزوؤں کی درازی اور انسان کے مسلسل مصائب اور موت کی گرفت میں ہونے کو ایک شکل بنا کر صحابہ کرام کو سمجھایا۔

چھڑی گاڑ کر سمجھانا

امام احمد اور امام بغوی رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ:

''نبیﷺ نے ایک چھڑی اپنے سامنے گاڑی، دوسری اس کے پہلو میں اور تیسری زیادہ دور۔ پھر فرمایا: ''کیا تم جانتے ہو کہ یہ کیا ہے؟

انہوں نے عرض کیا: ''اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولﷺ زیادہ جانتے ہیں۔''

آپﷺ نے فرمایا: ''یہ انسان ہے اور یہ موت ہے۔ میرا خیال ہے کہ آپﷺ نے فرمایا: اور یہ آرزو ہے اور وہ آرزو کے پانے کی کوشش میں ہے۔ لیکن آرزو (کے حصول) سے پہلے ہی اس کو آ پہنچتی ہے۔''(۲۴)

اور امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی روایت میں ہے:

''یہ انسان ہے اور یہ اس کی موت اور یہ اس کی آرزو ہے وہ اس کے حصول کی کوشش میں ہے (لیکن) وہ (موت) اس سے پہلے ہی اس کو دبوچ لیتی ہے۔''

اس حدیث شریف میں آنحضرتﷺ نے انسان کو لمبی آرزوؤں اور موت کے وقت کے انتہائی قرب کو تین چھڑیاں گاڑ کر صحابہ کو سمجھایا۔

آنحضرتﷺ نے کچھ بتانے سے پیشتر تین چھڑیوں کو زمین میں گاڑا اور پھر فرمایا: ''کہ تم جانتے ہو کہ یہ کیا ہے؟'' آپﷺ کا یہ اسلوب مبارک سامعین کو مکمل طور پر متوجہ کرنے کے لیے ایک بہترین ذریعہ تھا۔

''رسول اللہﷺ نے زمین پر چار خطوط کھینچے، پھر فرمایا: ''تم جانتے ہو کہ یہ کیا ہے؟

انہوں نے عرض کیا: ''اللہ تعالیٰ اور ان کا رسول اللہﷺ زیادہ جانتے ہیں۔''

حوالہ جات

۱۔ ابن ماجہ، محمد بن یزید، سنن ابن ماجہ، کتاب السنۃ، باب فضل العلماء والحدیث علی طلب العلم، رقم الحدیث: ۲۲۹، دارالسّلام، الطبع الاول: ۱۴۲۸

۲۔ البخاری، محمد بن اسماعیل ابی مع الصحیح، کتاب الادب، تعاون المومنین بعضھم بعضاً، رقم الحدیث: ۲۰۲۶، الطاف اینڈ سنز، کراچی: ۲۰۰۸

۳۔ العسقلانی، امد بن علی بن حجر، علامہ، فتح الباری، شرح صحیح البخاری، ۱۰/۴۵۰، المکتبہ السّلفیہ، لاہور، سن اشاعت ۲۰۰۸

۴۔ ابن ماجہ، محمد بن یزید، سنن ابن ماجہ، کتاب السنہ، باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم، رقم الحدیث: ۲۲۸، دارالسّلام، طبع اول: ۱۴۲۸ھ

۵۔ البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الرقاق، باب قول النبیؐ بعثت: اناوالساعۃ کھاتین، رقم الحدیث: ۶۵۰۳، اطلاف اینڈ سنز، کراچی: ۲۰۰۸

۶۔ العسقلانی، احمد بن حجر، فتح الباری، شرح صحیح بخاری: ۱۱/۳۴۹، مکتبہ السّلفیہ، لاہور، سن اشاعت: ۲۰۰۸

۷۔ الترمذی، ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ، سنن ترمذی، کتاب الزہد، باب ماجاء فی قصر الامل، رقم الحدیث: ۲۳۳۴،

دارالحرب السّلفی الطبعۃ الاولیٰ سن اشاعت: ۱۹۹۶

۸۔ البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الاستذان، باب الاخذ بالیدین، رقم الحدیث: ۶۲۶۵، اطلاف اینڈ سنز، کراچی: ۲۰۰۸

۹۔ زواوی، احمد بن عبدالفتاح، شمائل الرسول، رقم: ۲۸۳/۲، دارالقمہ، الاسکندریہ: ۱۹۹۵

۱۰۔ القشیری، مسلم بن حجاج، الصحیح المسلم، کتاب الجمع، باب ذکر الخطبتین قبل الصّلوٰۃ ''مافھا من.....'' رقم الحدیث: ۸۶۲، دارالطبہ، الطبع الثانیہ، ۲۰۰۹

۱۱۔ البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الادب، باب فضل من یعول یتیماً رقم الحدیث: ۶۰۰۵، دارالکتاب العربی، بیروت، الطبعۃ الاولیٰ: ۲۰۰۴

۱۲۔ البغوی ابومحمد الحسین بن مسور بن محمد، الانوار لیٰ الشمائل النبی المختار، : ۴۵۳/۱، رقم، : ۶۳۸، دارالمکتب، دمشق، الطبعہ الاولیٰ: ۱۹۹۵۔ التیمی، محمد بن عبدالوھاب بن سلیمان، مختصر زادالمعاد، رقم: ۳۰/۱، دارلریان للتراث، القاہرہ الطبع الثانی: ۱۹۸۷

۱۳۔ القشیری، مسلم بن حجاج، الصحیح اعلم، کتاب الجہاد، باب مالقی النبیﷺ من اذی المشرکین، رقم الحدیث: ۱۷۹۵، دارالطبع الطبع الثانی: ۲۰۰۹

۱۴۔ النووی، ابوزکریا محی الدین یحییٰ بن شرف، ریاض الصالحین للنووی، رقم الحدیث: ۱۵۲۲/۱۲، ۱۲۹/۱ موسسۃ الرسالۃ بیروت، الطبعہ الثالثۃ: ۱۹۹۸

۱۵۔ الطحاوی، اوجعفر احمد بن محمد بن سلامۃ شرح مشکل الاثار لطحاوی، رقم: ۲۲۱/۳، موسسۃ الرسالۃ بیروت، الطبعۃ الاولیٰ: ۱۹۹۴۔ الطبرانی، سلیمان بن احمد بن ایوب، المعجم الاوسط الطبرانی، رقم: ۸۶۷۹، دارالحرمین المتحدہ سن اشاعت: ۱۹۹۵

۱۶۔ التیمی، احمد بن علی بن المثنیٰ، مسندابی یعلی الموسلی، رقم: ۱۷۹۶۔ دارالشفافۃ العربیہ، بیروت الطبع الثانیہ: ۱۹۹۲

۱۷۔ النبوی، ابوزکریا محی الدین یحییٰ بن شرف ریاض الصالحین، رقم: ۴۶۴/۷، موسۃ الرسۃ، بیروت: ۱۹۹۸

۱۸۔ النبوی، ابوزکریا محی الدین یحییٰ بن شرف ریاض الصالحین، رقم: ۶۰۷/۶ موسۃ الرسۃ، بیروت: ۱۹۹۸

۱۹۔ ابن عساکر، ابوالقاسم، علی بن الحسن، ھبۃ اللہ، تاریخ دمشق، لا بن عساکر، رقم: ۴۱/۵، دارالفکر، للطباعۃ والنشر والتوزیع، سن اشاعت: ۱۹۹۵

۲۰۔ السجستانی، ابوداؤد، سلیمان بن اشعث، سن ابی داؤد، رقم الحدیث: ۲۸۰۲، دارالسّلام لاہور، سن اشاعت، ۲۰۰۹

۲۱۔ الشیبانی، ابوعبداللہ، احمد بن محمد بن حنبل بن ھلال، المسند، رقم الحدیث: ۴۱۴۲، بیت الافکار الدولیۃ، طبعۃ الثانیہ: ۲۰۰۳

۲۲۔ القاری، علی بن سلطان محمد، مرقاۃ المفاتیح، رقم: ۳۷۵/۱، مکتبہ رشدیہ، کوئٹہ، سن اشاعت: ۱۹۹۱

۲۳۔ البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الرقاق، باب فی الامل مطولہ، رقم الحدیث: ۶۴۱۷، الطاف اینڈ سنز، کراچی: ۲۰۰۸

۲۴۔ الشیبانی، ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل بن ہلال، الہند، احمد، کتاب الرقاق، باب طول الامل والحرص، رقم الحدیث: ۱۸/۳، بیت الافکار الدولیہ، الطبع الثانیہ: ۲۰۰۳

سیر و مغازی وہب بن منبہؒ

حافظ حامد حماد☆، محمد منشا طیب☆☆

Abstract:

"Seerah writing and its historical back ground is an important topic regarding Islamic Studies and no Muslim, scholar or otherwise is un-aware of its importance. There is a big collection of literature created in this field in different languages of the world and this task is continued onward which is a unique title of the muslim ummah. Wahab Bin Munabbah is a well-known name in the series of poineer seerah writers. Initialy, where Urva Bin Zubair collected the matter of the events of seerah and Ghazwawat (مغازی وسیر), Wahab Bin Munabbah did it aslo there. He was an expert in describing izrial Traditions, and wrote many books in this regard. Although he belongs to Poineer Seerah writers but the researchers have written a little about him and his work. the following article is a research essay on the topic."

تاریخ سیرت نگاری کی اہمیت کسی اہل علم سے مخفی نہیں۔ اس میدان میں بہت کچھ لکھا جاچکا ہے اور یہ کام جاری رہے گا جو امت مسلمہ کا بہت بڑا اعزاز ہے۔ اولین سیرت نگاروں میں ایک معروف نام وہب بن منبہ ہے۔ ابتدائی طور پر جہاں عروہ بن زبیر نے مغازی و سیر کو جمع کیا وہاں وہب بن منبہ (١١٤ھ/٧٣١ء) نے بھی روایات مغازی کو اکٹھا کیا۔ انھیں تاریخ عرب اور اسرائیلی روایات و قصص میں خاص درک حاصل تھا۔ اور اس سلسلے میں انھوں نے کئی کتب تصنیف فرمائیں۔ باوجودیکہ وہ اولین سیرت نگاروں میں سے ہیں مگر ان کے بارے میں محققین نے بہت کم لکھا ہے۔ اس کمی کو محسوس کرتے ہوئے یہ مقالہ تحریر کیا گیا اور اس میں ان کے تعارف و خدمات اور ان کی تصنیف کردہ مغازی کے منہج و اسلوب نگارش پر فنی گفتگو کی گئی ہے۔

☆ لیکچرر، شعبہ علوم اسلامیہ، جی سی یونی ورسٹی، فیصل آباد
☆☆ پی ایچ ڈی سکالر، ادارہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونی ورسٹی، لاہور

وہب بن منبہؒ جلیل القدر تابعی عالم سیر ومغازی اور صحائف مذاہب سابق کے عالم ہیں اور ان کا پورا نام وہب بن منبہ بن کامل یمنی صنعانی ابناوی ہے اور ابوعبداللہ کنیت ہے۔(۱)

اُن کے نسب کے متعلّق ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

”وهب بن منبهؒ بن كامل بن سيح بن ذى كنار اليمانى الصنعانى الذمارى ابوعبدالله الابناوى.“(۲)

وہب بن منبہ کی تاریخ پیدائش ۳۴ ہجری ہے۔ ابنِ حجر ان کی پیدائش کے متعلّق لکھتے ہیں:

”قال اسحق بن ابراهيم بن عبدالرحمٰن الهروى ولد سنة اربع وثلاثين فى خلافة عثمان“(۳)

اسحاق بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن الہروی لکھتے ہیں کہ آپ ۳۴ ہجری میں حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں پیدا ہوئے۔

آپ کی وفات کے متعلّق ۱۱۰ ہجری، ۱۱۳ ہجری اور ۱۱۴ ہجری تین اقوال پائے جاتے ہیں۔ حافظ ابن حجر رقمطراز ہیں:

”قال ابن سعد و جماعة مات سنة عشرومائة وقيل مات سنة ثلاث عشره و قبل سنة اربع عشرومائة و قيل ان يوسف بن عمرضربه حتى مات“(۴)

(ابن سعد و جماعہ فرماتے ہیں کہ آپ ۱۱۰ ہجری میں فوت ہوئے یہ قول بھی ہے کہ ۱۰۳ ہجری میں اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ۱۱۴ھ اور پھر ایک قول یہ بھی نقل کیا جاتا ہے کہ یوسف بن عمر نے ان کو مارا جس کی وجہ سے وہ وفات پا گئے۔)

آپ کی وفات کے بارہ میں زیادہ راجح قول ۱۱۴ ہجری کا ہے۔ امام ذہبیؒ نے بھی اسی قول کو ترجیح دی ہے۔

وھب بن منبہ مکہ و مدینہ کے کسی معروف خانوادہ یا قبیلہ سے تعلّق نہ رکھتے تھے۔ آپ عجمی النسل تھے اور نسلاً ایرانی تھے۔ ان کے والد ۱۰ھ مشرف بہ اسلام ہوئے۔ آپ کے والد منبہ فارس کے شہر ہرات کے رہنے والے تھے۔ کسریٰ شہنشاہ ایران نے انھیں یمن فتح کرنے کے لیے بھیجا تھا۔(۵)

وھب صنعا شہر میں عمر بن عبدالعزیز کے دور میں قاضی کے عہدہ پر رہے۔ ان کے پاس اہلِ کتاب کے علم کا وسیع ذخیرہ تھا۔ انھوں نے زیادہ تر توجہ اسی طرف مبذول رکھی۔ ان کے بھائی ھمام بن منبہ کے پاس بھی احادیث کا تحریر شدہ ایک مشہور مجموعہ تھا۔ جو ان سے معمر روایات کرتے ہیں اور صحاحِ ستہ میں اس کا بیشتر حصہ محفوظ ہو چکا ہے۔(۶)

علمی مقام و مرتبہ

صاحب تہذیب التہذیب ان کے علمی مرتبہ کے متعلّق لکھتے ہیں:

"قال العجلی:"تابعی ثقة وکان علی قضاءِ صنعا وقال ابوزرعة النسائی ثقة وذکره ابن حبان فی الثقات"(۷)

(علامہ عجلیؒ فرماتے ہیں کہ تابعی اور ثقہ ہیں اور صنعا یمن میں قاضی کے عہدے پر فائز تھے۔ ابوزرعہ النسائی بھی انھیں ثقہ فرماتے ہیں اور اس کے علاوہ ابن حبان نے انھیں کتاب الثقات میں نقل کیا ہے۔)

امام ذہبی ان کی علمی حیثیت کا اعتراف یوں کرتے ہیں:

"وکان شدید العنایة بکتب الاوّلین وأخبارالامم وقصصهم؛ بحیث انه کان یشبه بکعب الاحبار فی زمانه"(۸)

پہلی کتابوں کا بہت وسیع علم رکھنے والے تھے خصوصاً تورات، انجیل وغیرہ کا اور اس کے علاوہ اُمم سابقہ اور ان کے حالات بھی بخوبی جاننے والے تھے گویا کہ اپنے زمانے میں علم میں کعب احبار کے مشابہ تھے۔

وھب بن منبہ کی تدوین مغازی کے متعلّق خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے صاحب کشف الظنون لکھتے ہیں کہ:

"اوّل من صنف فی المغازی عروة بن الزبیروجمعها ایضاً وهب بن منبه"(۹)

(مغازی میں سب سے پہلے عروہ بن زبیر نے تصنیف کی۔ اس کے بعد اس فن کو وھب بن منبہ نے جمع کیا۔)

اساتذہ وتلامذہ

وہب بن منبہؒ نے کثیر اساتذہ سے استفادہ کیا اور پھر آپ سے بہت سارے لوگوں نے کسب فیض کیا۔ آپ کے اساتذہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، ابوسعید خدریؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عمرو بن العاصؓ، جابرؓ، انسؓ، معاذ بن جبلؓ اور ان کے بھائی ہمام بن منبہؒ جیسے کبار صحابہ اور اساطین علم کے نام شامل ہیں۔ ان کے اساتذہ کے متعلّق امام ذہبی لکھتے ہیں:

"روی عن ابن عباسؓ وجماعة"(۱۰)

(آپؒ حضرت ابن عباسؓ اور ایک بڑی تعداد سے روایات بیان کرتے ہیں۔)

ابنِ حجران کے اساتذہ کے متعلّق کہتے ہیں:

"روی عن ابی هریرةؓ وابی سعیدوابن عباسؓ وابن عمر و ابن عمروبن العاص وجابروانس وعمروبن شعیب وابی خلیفه البصری واخیه همام بن منبه وغیرهم"(۱۱)

(ابو ہریرہؓ، ابوسعید، ابنِ عباس، ابنِ عمر، ابنِ عمرو بن العاص، جابر، انس، عمرو بن شعیب، ابوخلیفہ البصری، ان کے بھائی ھمام بن منبہ اوران کے علاوہ سے بھی روایت کرتے ہیں۔)

ابنِ کثیر کہتے ہیں:

"وَاَسند عن ابن عباس و جابر، والنعمان بن بشير دروى عن معاذ بن جبل وأبى هريرةؓ"(۱۲)

(اوراپنی سندیعنی روایت کرتے ہیں۔ابنِ عباس، جابرؓ،نعمان بن بشیرؓ اور معاذ بن جبلؓ اورحضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں۔)

وھب بن منبہ کے تلامذہ میں ان کے دونوں بیٹوں عبداللہ اورعبدالرحمان،حضرت معقل بن منبہ کے دونوں بیٹوں عبدالصمد اور عقیل کے علاوہ ادریس بن سنان،عمرو بن دینار،ابوموسی،سماک بن فضل کے نام خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ان کے تلامذہ سے متعلق ابنِ حجر کہتے ہیں:

"وعنه ابناه عبدالله وعبدالرحمن وابنا اخيه عبدالصمد وعقيل وابنا معقل بن منبه وسبطه ادريس ابن سنان و عمرو بن دينار."(۱۳)

(ان سے روایت کرنے والے ان کے دونوں بیٹے عبداللہ اورعبدالرحمٰن اور ان کے بھائی کے دونوں بیٹے عبدالصمداور عقیل اور معقل بن منبہ کے دونوں بیٹے ان کے علاوہ ادریس بن سنان اورعمرو بن دینار بھی ان سے روایت کرتے ہیں۔)

اسی طرح صاحب تذکرۃ الحفاظ کے مطابق، اسرائیل، ابوموسیٰ سماک بن فضل،عوف اعرابی اور دوسرے بہت سے لوگوں نے ان سے علم حدیث لیا۔(۱۴)

تصانیف

مختلف مصنّفین نے اپنی کتب میں امام سیرت وہب بن منبہ کی طرف منسوب مختلف کتب کا تذکرہ کیا ہے۔اگرچہ وہ کتب فی زمانہ ہمیں میسرنہیں ہیں لیکن کئی علماء کی تصریح یہ ثابت کرتی ہے کہ حضرت وہب بن منبہ چند کتب کے مصنّف تھے۔ان کی طرف منسوب کتب کے نام درج ذیل ہیں:

۱۔ ذکرالملوک ۲۔ کتاب المبتداء ۳۔ قصص الانبیاء وقصص الاخبار
۴۔ حکمۃ وھب ۵۔ رسالۃ فی سیرت النبی ۶۔ حکمۃ لقمان
۷۔ کتاب المغازی ۸۔ کتاب الاسرائیلیات

ان میں سے کتاب المغازی کے منہج واسلوب پرنقدوتبصرہ ہمارے پیش نظر ہے۔

مغازی وھب بن منبہ کا تعارف

حضرت وھب بن منبہ کی اگرچہ مغازی پرکوئی کتاب میسرنہیں ہے۔البتہ کچھ ایسے شواہد

سامنے آئے ہیں جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ وہ سیر و مغازی پر کسی مستقل کتاب کے مؤلف تھے۔

اوّلاً حاجی خلیفہ نے سیر و مغازی پر ان کے کچھ کام کا تذکرہ کیا ہے۔ وہ رقمطراز ہیں:

''اوّل مَن صنف فی المغازی عروۃ بن زبیرو جمعھا أیضاً وھب بن منبہ''(۱۵)

(مغازی پر سب سے پہلے عروہ بن زبیر نے تصنیف کی اور اسے جمع وھب بن منبہ نے کیا۔)

ثانیاً جوزف ہوروِوٹس بھی اس بات کی تصدیق کرتا ہے کے وہب بن منبہ کسی کتاب کے مولف تھے۔ وہ لکھتا ہے:

''اس کی تصدیق سی ایچ بیکر کی دریافت سے بھی ہوتی ہے، انہوں نے شوت رائنہارڈ کے ذخیرہ اوراقِ بردی میں جو ہائیڈل برگ میں محفوظ ہے ایک مجموعہ دریافت کیا ہے جو بظاہر اسی کتاب المغازی کا حصہ معلوم ہوتا ہے۔ اس نسخہ پر سن کتابت ۲۲۸ ہجری درج ہے۔ اس کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں۔ ''محمد بن بکر ابوطلحہ نے ہم سے بیان کیا، اس نے کہا ہم سے عبدالمنعم نے اپنے باپ ابوالیاس سے اور انہوں نے وھب سے روایت کی ہے یہ سند جو اس کتاب کے مشمولات کو وھب کی روایت ثابت کرتی ہے بار بار اس کے متن میں دہرائی گئی ہیں۔''

جوزف ہوروِوٹز نے بالاختصار اس کے مندرجات کی فہرست بھی نقل کی ہے کہ اس کتاب میں دار الندوہ میں قریش کی میٹنگ کا احوال، ہجرت کی تیاریوں کا ذکر، ہجرت کا احوال، رسول اللہ کے مدینہ پہنچنے کا احوال اور غزوہ بنوخیثمہ کی روداد ذکر کی گئی ہے۔

(جوزف ہوروِتس، سیرت نبوی ﷺ کی ابتدائی کتابیں اور ان کے مؤلفین: ۱/۶/ ۳۶۷، ادارہ ادبیات، دلّی، ۱۹۷۴ء)

مغازی وہب کا منہج و اسلوب

سیر و مغازی کے میدان میں وہب بن منبہ کے منہج و اسلوب پر بات کرنا بہت مشکل ہے، کیونکہ سیر و مغازی کے باب میں ہمیں ان کی کوئی تصنیف دستیاب نہیں، اس لیے کوئی حتمی اور جامع رائے بہر حال ایک جرأت کی متقاضی ہے البتہ دیگر کتب میں موجود مواد ان کے منہج و اسلوب کے بارے کچھ رہنمائی ضرور فراہم کرتا ہے۔ ان آثار کی روشنی میں ہم انکے منہج و اسلوب کے بارے چند نکات پیش کریں گے۔

وھب بن منبہ چونکہ انبیاء، صالحین اور اولیاء کے واقعات کو بکثرت بیان کرتے ہیں اس لیے ان کے اسلوب بیان میں ادبی اور قصہ گوئی کا عنصر بہت نمایاں ہے۔ انہوں نے انبیاء و دیگر حضرات کے قِصص کے بیان میں جدید انداز اپنایا ہے۔ وہ واقعات کو مکالمے کی صورت میں پیش کرتے ہیں۔ اس طریقہ کار

سے واقعے کی تاثیر اور وضاحت میں مزید نکھار پیدا ہوجاتا ہے۔مثلاً حضرت ایوب، یوسف اور موسیٰ علیہ السّلام کے قصص میں ایسا دلکش انداز ہے کہ قاری مسحور ہوجاتا ہے نیز واقعہ آسانی سے یاد ہوجاتا ہے۔(۱۶)

ان کی زبان سادگی، سہل پزیری اور تاثیر کا حسین مرکب ہے۔ان کے ہاں غریب الفاظ کا استعمال ناپید ہے۔نیز انکی روایات طوالت کی بجائے ایجاز کی آئینہ دار ہیں البتہ چند ایک روایات طوالت کے وصف سے متّصف بھی نظر آتی ہیں مثلاً موسیٰ علیہ السّلام کا دوران سفر آگ دیکھنے کا واقعہ (۱۷) لیکن ان کی تعداد بہت قلیل ہے۔

سند و استناد

مرویات سیرت و تاریخ میں وھب بن منبہ بعض اوقات روایات کی سند پیش نہیں کرتے۔اس کی وجہ شائدان کے مدینہ کے مدرسۂ علمی سے استفادہ کی کمی ہے جہاں سند کا اہتمام ہر خبر کی اصل ہے یا یہ کہ ان میں محدثین والا مزاج حقیقی طور پر پروان نہ چڑھ سکا۔البتہ بعض مرویات میں وہ سند بھی ذکر کرتے ہیں لیکن اس میں بھی سند کا کما حقہٗ اہتمام نظر نہیں آتا کیونکہ سند کا سلسلہ مسلسل نہیں صرف ایک شیخ کے ذکر پر اکتفا کیا گیا ہے مثلاً: وھب عن أبی ہریرۃ یا وھب عن ابن عباس'(۱۸)

اسی طرح بعض جگہ سند میں راوی کا ابتدائی نام حذف کردیتے ہیں،صرف ''**عن بعض أھل العلم من بنی اسرائیل**'' کہنے پر اکتفا کرتے ہیں،بعض جگہ راوی کا صرف ابتدائی نام ذکر کرتے ہیں، مثلاً: عن ابن زید،ان امور کی بنا پر قاری بہت سی الجھنوں کا شکار ہوجاتا ہے۔

ایک موضوع سے متعلّق مرویات جمع کرنا

وہ ایک موضوع یا معاملے سے متعلّقہ تمام میسر روایات ایک ہی جگہ ذکر کردیتے ہیں۔اس سے قاری کے لیے آسانی فراہم ہوجاتی ہے کہ وہ کسی موضوع کے بارے میں کامل اور واضح رائے قائم کرسکے نیز مختلف روایات کے درمیان موازنے اور ترجیح میں بھی سہولت پیدا ہوجاتی ہے یہ الگ بات ہے کہ وہ روایات باہم متفق ہیں یا مختلف مثلاً حضرت نوح علیہ السّلام کی عمر کے بارے متعدد روایات پیش کرتے ہیں جو باہم متضاد ہیں ایک روایت میں ہے: **انّه مات وعمره ألف سنة** (۱۰۰۰)۔جبکہ دوسری روایت میں ہے **انّه مات وعمره أربع مائة سنة وألف سنة**(۱۴۰۰)۔

روایات سیرت کی جانچ پرکھ

وھب بن منبہ فقط روایات سیرت کے ناقل نہیں تھے بلکہ وہ ایک ناقدانہ منہج کے حامل تھے۔ امام موصوف کی ذکر کردہ کتنی ہی روایات کے بارے لفظ ''واللہ أعلم'' دیکھا جاسکتا ہے۔اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ متن روایت کے بارے انکے ذہن میں کچھ شکوک وشبہات موجود ہیں۔مثلاً حضرت شعیب کے بارے حدیث نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ینبغی اَن یکون شعیب مبعوثاأیضا ألیٰ مدین، والله أعلم''[۱۹]

اسی طرح بعض روایات کےنقل کرنے میں لفظ''زعم''استعمال کرتے ہیں۔مثلاً: حضرت یحییٰ کی تاریخ پیدائش کے بارے رقمطراز ہیں:

''وزعموا أن مولد یحیٰ بن زکریا نا علیه کان قبل مولد عیسیٰ لستة أشهر''[۲۰]

بعض اوقات روایت ذکرنے کے بعداس کی صحت کاحکم بھی واضح کرتے ہیں مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کا سوال''زمین کے نیچے کیا ہے؟''اس کا جواب اور پھر مکمّل روایت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں''أن هذه ألمسئلة مِن اختراع أهل الکتاب، و تزویر القصاص فکلّها تمثیل، وتشبیه، والله أعلم''[۲۱]

البتہ اس بات کالحاظ رکھنا ضروری ہے کہ روایت پرحکم لگانے کے لیے جوالفاظ وھب استعمال کرتے ہیں وہ بہت دقت طلب اورغیرواضح ہوتے ہیں مثلاً والله أعلم ، زعموا، یقال و بل هو۔

اسی طرح بعض اوقات وھب کی ذکرکردہ روایات حتیٰ کہ ان کے مؤقف میں تناقض بھی پایاجاتا ہے مثلاً فرعون کے جادوگروں کے بارے ایک جگہ فرماتے ہیں''کانوا خمس عشر مائة ساحر،دوسری جگہ کہا:وقال اٰخرون تسع مائة ساحر[۲۲]اور پھرتیسری جگہ فرمایا''اُن عددهم اثنا عشر ألف ساحر .[۲۳]

مرویات سیرت کے بیان میں احادیث سےاستشہاد

وھب بن منبہ کسی قضیے کے فیصلے یاتعین کے لیےحدیث سےاستشہادکرتے ہیں،مثلاً بیت المعمورکی وجہ تسمیہ کے بارے بحث کرتے ہوئے اس حدیث سےاستشہادکرتے ہیں:

''قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم'' سمی بیت المعمور لانه یصلی فیه کل یوم سبعون الف ملک ثم ینزلون إذا أمسوا فیطو فون بالکعبة، ثم یصلون علی النبی صلی اللّٰه علیه وسلم، ثم ینصرفون، تنالهم النوبة حتی تقوم الساعته.''[۲۴]

اسی طرح ایک موقع پر وھب بن منبہ کسوف پر بحث کرتے ہوئے حدیث رسول بھی ذکر کرتے ہیں۔

''فیقول: والثابت عن النبی صلی الله علیه وسلم أنه کسفت الشمس یوم مات ابنه ابراهیم فقال الناس:اِنما کسفت الشمس لموته فخطب الرسول صلی الله علیه وسلم وقال: اِن الشمس والقمر اٰیتان من اٰیات الله لاینکسفان لموت أحد ولا لحیاته، فاِذ، رأیتم ذالک فافز عوا إلی

الصلوٰۃ والقدماء مختلفون فی الکسوفات"[۲۵]

تواریخ کا اہتمام

وھب بن منبہ کی ایک اور اہم خصوصیت سنین، تعداد اور تواریخ کا اہتمام ہے۔ یہ خوبی اسے دیگر ہم عصر علماء سیرت و تاریخ سے ممتاز کرتی ہے متقدمین کے حالات سے خصوصی شغف کی بنا پر ان کے ہاں اعداد و سنین کا اہتمام اکثر نظر آتا ہے مثلاً حضرت شیث علیہ کی عمر کے بارے ذکر کیا کہ وہ ۹۱۲ سال کے تھے۔[۲۶]

حضرت نوح علیہ السّلام کے بارے میں ذکر کیا کہ وہ طوفان کے بعد ۳۵۰ سال زندہ رہے۔[۲۷]

حضرت نوح علیہ السّلام اور ابراہیم علیہ السّلام کے درمیان ۲۲۴۰ کا فرق ذکر کیا۔[۲۸]

وھب بن منبہ کے ہاں زمانی تحدید کا بھی خصوصی التزام پایا جاتا ہے ان کے ہاں موجود روایت کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ حضرت ھارون علیہ السّلام کے تین سال بعد فوت ہوئے۔[۲۹]

حضرت یحییٰ علیہ السّلام حضرت عیسیٰ علیہ السّلام سے چھ ماہ قبل پیدا ہوئے۔[۳۰]

اصحاب الکہف حضرت عیسیٰ علیہ السّلام سے پہلے تھے پھر ان کو حضرت عیسی علیہ السّلام کے رفع کے بعد زندہ کیا گیا۔[۳۱]

اسرائیلیات اور وھب بن منبہ

وھب بن منبہ کو درجنوں کتب صحائف پر عبور حاصل تھا خاص طور پر اہل کتاب کی کتب ان کے مطالعہ کا اصل میدان تھیں اسی وجہ سے ان میں اسرائیلیات کا بھی ذوق تھا۔

قرآن حکیم اور دیگر کتب حدیث وغیرہ میں واقعات کو بیان کرنے کا مقصد عبرت کا حصول ہے اس لیے واقعات کے سنین اور اماکن کا تذکرہ نہیں ہوتا۔ جبکہ کچھ لوگ ان چیزوں کے در پے ہوئے تو اہل کتاب اور ان کی کتب سے استفادہ کیا ان کے ہاں ان چیزوں کا اہتمام بطور خاص ہوتا تھا اس طرح مسلمانوں میں بھی یہ بیماری در آئی۔

وھب بن منبہ بھی اسرائیلیات میں بہت دلچسپی رکھتے تھے مثلاً زمین و آسمان کی پیدائش کے بارے رقم طراز ہیں کہ عرش پہلے تخلیق ہوا، پھر پانی اور زمین و آسمان بالترتیب تخلیق ہوئے، حالانکہ قرآن وحدیث نے اس بحث کو چھیڑا ہی نہیں۔ اسی طرح فرماتے ہیں جس جنت میں آدم علیہ السّلام تھے وہ جنت عدن تھی، حالانکہ قرآن وحدیث اس سے بھی خاموش ہیں۔ مزید تفصیل کے لیے قصۂ ہابیل قابیل، قصۂ حضرت ادریس ونوح و دیگر قصص ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں۔

حاجی خلیفہ کے ہاں وھب بن منبہ کی اسرائیلیات، کے نام سے ایک کتاب بھی تھی لیکن یہ

قدیم زمانے میں اس نام سے مشہور نہ تھی مثلاً یاقوت حموی کے ہاں وھب نے قدیم کتب سے بہت کچھ نقل کیا ہے جو اسرائیلیات کے نام سے مشہور ہے ہمارے اندازے کے مطابق وھب کی اسرائیلیات نامی کوئی خاص کتاب نہ تھی بلکہ جسے حاجی خلیفہ اسرئیلیات کا نام دیتے ہیں وہ انکی کتاب المبتدأ ہے اور اسے ہی اسرائیلیات کی کثرت کی وجہ سے کتاب ''اسرائیلیات'' کا نام دے دیا گیا۔

تاریخی حیثیت

وھب کی شخصیت بہت معمّہ خیز ہے ایک جانب کچھ لوگ انکی علمی ثقاہت اور تاریخی اہمیت کے منکر ہیں کیونکہ وہ اسرائیلیات کے ناقل تھے۔ دوسری جانب امام بخاری صحیح بخاری میں ان سے روایت کرتے ہیں اور بڑے کبار علماء انکے زہد وتقوی اور علمی قابلیت کے معترف ہیں جیسا کہ ''علمی مقام ومرتبہ'' میں اس کی صراحت کر دی گئی ہے۔ بہر حال وھب بن منبہ ایک ثقہ اور معتبر روای تھے خاص طور پر قصص الانبیاء میں انکو ایک معتبر اور ثقہ راوی خیال کیا گیا ہے۔

ان کی کتاب المبتدأ جسے نوع انسانی کی آفرینش کے متعلّق ایک اچھی کتاب خیال کیا جاتا ہے وہ صرف نوعِ انسانی کے آغاز کے تاریخ نہیں بلکہ قدیم رسالت کی عمدہ تاریخ بھی ہے۔ اسی طرح ان کی کتاب ''کتاب الملوک المتوجہ من حمیر و آخبارھم وغیر ذالک'' یمن کی قدیم اسطوری تاریخ ہے اس کتاب کی اہمیت کے پیش نظر ابن ہشام نے اسے اپنی ہنوز غیر مطبوعہ کتاب ''التیجان'' کا دیباچہ بنایا ہے۔

وھب کی مذکورہ بالا اور دیگر کتب تاریخ اگر چہ مغازی سے کوئی تعلّق واسطہ نہیں رکھتیں لیکن اگر ہم مغازی کو وسیع تر مفہوم میں استعمال کریں جسکی ضرورت بھی ہے اور قرونِ اولیٰ میں ایسا کیا بھی گیا ہے تو وھب کی یہ سب کتب سیر ومغازی کے دائرہ کار میں آجاتی ہیں بلکہ سیرت کے دیباچے ومقدسے کی حیثیت رکھتی ہیں کیونکہ اب بھی اکثر مصنّفین نبی کریم سے ماقبل حالاتِ عرب کو سیرت کے عنوان کے تحت بیان کرتے ہیں۔

اگر ان پر اسرائیلیات کے بیان کے الزام کا بنظر دقیق جائزہ لیا جائے تو ایک بات بہت نمایاں نظر آتی ہے کہ ان کی بیان کردہ اسرائیلیات اخبار وقصص کے باب میں ہیں نہ کہ عقائد واحکام کے باب میں۔ اور ایسا تو ہمارے اکثر علمائے مفسّرین اور تاریخ نگار بھی کرتے ہیں اور کسی حد تک یہ تاریخ نگاری کا تقاضا اور لازمہ بھی ہے۔

قصہ مختصر اگر امام بخاری کے اعتماد، علمائے متقدمین کی توثیق اور ان کے مسلمہ زہد وورع کے تناظر میں ان کی شخصیت کا جائزہ لیا جائے تو ان کی تاریخی حیثیت واضح ہو جاتی ہے ان کی حقیقی خامیوں کے برعکس ان کے متہمین نے ان کی مصنوعی خامیاں زیادہ نمایاں کی ہیں جن سے ان کا کردار داغ دار اور تاریخی حیثیت مجروح ضرور ہوئی ہے لیکن اتنی اور جھل نہیں کہ حقیقت کا فیصلہ ناممکن ہو جائے۔

غیر مذاہب کے صحیفوں کا علم

آپ دوسرے مذاہب کے صحیفوں کے بڑے نامور عالم تھے۔ بلکہ اس سلسلہ میں ان کی جماعت میں کوئی بھی ان کے مقابل نہ تھا۔امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ وہ گزشتہ کتابوں کے علم ومعرفت میں مشہور ہیں۔ (۳۲)

حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ وھب بڑے وسیع العلم تھے اور اپنے زمانہ میں کعب احبار کے نظیر مانے جاتے تھے۔ (۳۳)

آپ جلیل القدر تابعیؒ تھے اور سیر ومغازی اور خاص کر دیگر مذاہب کے صحائف کے عالم تھے یعنی صاحب قصص واخبار تھے۔ابن سعد اِن کے متعلّق لکھتے ہیں:

"قال اخبرنااسماعيل بن عبدالكريم قال:حدثنى محمد بن داؤد عن آبيه داؤدبن قيس الصنعانى قال سمعت وهب بن منبه يقول:لقد قرأت اثنين و تسعين كتاباكُلّها أنزلت من السماء، اثنان و سبعون منها فى الكنائس وفى ايدى الناس، وعشرون لا يعلمها اِلَّا قليل، وجدت فى كلها:ان من اصناف الٰى نفسهٖ شيئًامن المشية فقد كفر"(۳۴)

ابن سعدؒ فرماتے ہیں کہ ہمیں اسماعیل بن عبدالکریم نے خبر دی وہ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن داوٗد نے اپنے والد داوٗد بن قیس صنعانی نے بتایا کہ میں نے وھب بن منبہ کو یوں کہتے ہوئے سنا کہ میں نے بانوے کے قریب آسمانی کتب کو پڑھا۔ان میں سے بہتر قریب کے معبدوں اور لوگوں کے ہاتھوں میں پڑی ہوئی ہیں اور بیس کو بہت کم لوگ جانتے ہیں۔میں نے ان تمام کو پایا۔بے شک جس نے اپنے نفس کی طرف مشیّت میں سے کسی چیز کو منسوب کیا اس نے کفر کیا۔

خلاصہ کلام

وہب بن منبہ قیام دنیا،انبیاءؑ کے اقوال اور اخبار اوائل کو بہت زیادہ جاننے والے تھے۔اپنے اور پچھلے دور کے حالات پر ان کی نظر تھی۔ان حالات کے ذکر کو مغازی کے تحت لکھا جاتا تھا۔آپ نے بھی انھیں تحریر کیا اور مغازی کی اسی تدوین کے بسبب انھیں اولین سیرت نگاروں میں ذکر کیا جاتا ہے۔انھوں نے مغازی کو عمدہ اور سہل اسلوب میں پیش کیا۔اگرچہ وہ اس کی استنادی حیثیت پر توجہ کم ہی دیتے تاہم ایک موضوع سے متعلّقہ روایات کو ایک جگہ جمع کر دیتے تھے۔واللّٰہ اعلم

حوالہ جات

۱۔ ذہبی، ابوعبداللہ شمس الدین، تذکرۃ الحفاظ: ۹۸/۱، (اُردو)، مترجم محمد اسحاق، اسلامک پبلشنگ ہاؤس لاہور، ۱۹۸۱ء

۲۔ ابن کثیر، عمادالدین، البدایہ والنھایۃ: ۲۷۶/۵، دارالفکر، بیروت ۱۹۷۸ء

۳۔ العسقلانی، ابن حجرؒ، تہذیب التہذیب: ۱۴۸/۱۱، دارالفکر، بیروت، ۱۹۸۴ء

۴۔ تہذیب التہذیب، ۱۴۸/۱۱

۵۔ البدایہ والنھایہ، ۲۷۶/۵

۶۔ ذہبی، امام ابوعبداللہ شمس الدین، العبر فی خبر من غب: ۱۰۹/۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، س۔ن، تذکرۃ الحفاظ، ۹۸/۱

۷۔ تہذیب التہذیب، ۱۴۷/۱۱

۸۔ العبر، ۱۰۹/۱

۹۔ حاجی خلیفہ، کشف الظنون: ۱۷۶۷/۲، مکتبہ اسلامیہ، الجعفر تبریزی تہران ۱۹۶۷ء

۱۰۔ ذھبی، العبر فی خبر من غبر، ۱۰۹/۱

۱۱۔ ابن حجر، تہذیب التہذیب، ۱۴۷/۱۱

۱۲۔ ابن کثیر، البدایہ والنھایہ، ۲۷۶/۵

۱۳۔ ابن حجر، تہذیب التہذیب، ۱۴۷/۱۱

۱۴۔ ذھبی، تذکرۃ الحفاظ (اُردو)، ۹۸/۱

۱۵۔ حاجی خلیفہ، کشف الظنون، نفس کتاب

۱۶۔ المختصر لابن عساکر ۳۰۸/۲۵

۱۷۔ طبری، تاریخ الطبری ۳۰/۱۔۵۱۷

۱۸۔ طبرانی، معجم الطبرانی: ۴۸/۱۱، مستدرک الحاکم: ۵۴۵/۴

۱۹۔ المصدر نفسہ ج ۶۶/۳

۲۰۔ حاکم، مستدرک الحاکم ۶۵۸/۲

۲۱۔ مقدسی، البدء للمقدسی ۵۰/۲، ۴۹

۲۲۔ ابن عساکر، المختصر لابن عساکر ۳۵۲/۲۵

۲۳۔ تفسیر الطبری ۱۸۵/۱۶

۲۴۔ اخبار الأزرقی ۴۹/۱

۲۵۔ مقدسی، البدء للمقدسی ۲۵/۲، ۲۴

۲۶۔ ابن قتیبہ، المعارف لابن قتیبۃ، ص؛ ۶۰

۲۷۔ البدء للمقدسی ۲۰/۳

۲۸۔ ابن قتیبہ، المعارف لابن قتیبۃ، ص؛ ۳۱

۲۹۔ سیوطی، اِتحاف للسیوطی ۱۰/۲، ۱۱

۳۰۔ المستدرک للحاکم، ۶۵۸/۲

۳۱۔ المعارف لابن قتیبۃ، ص: ۵۴

۳۲۔ امام نوویؒ، تہذیب الاسماء واللغات: ۱۴۹/۱، بیروت، س۔ن

۳۳۔ ذھبی، تذکرۃ الحفاظ (اُردو)، ۹۸/۱

۳۴۔ محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۵۴۳/۵، دار صادر، بیروت، ۱۹۶۸ء

بحیثیت ماہرِ معیشت سیرت رسول اللہ ﷺ کا روشن پہلو انسدادِ غربت

محمد عبدالرحمٰن ناصر☆

Abstract:

"Poverty has become one of the major problems faced by the modern world. There are many strategies to tackle the problem of poverty like all other spheres of human life Prophet Muhammad (SAW) also laid principles in the field of economics. A strategy based on the Seerah of the holy Prophet Muhammad (SAW) will be the best choice to eliminate the poverty. In this article Prophet's contribution in eradicating of poverty is being highlighted."

بلاشبہ دور حاضر میں انسانیت کیا جتماعی مسائل میں سے ایک بہت بڑا مسئلہ غربت کا ہے۔اس وقت دنیا کی تقریباً نصف آبادی (۵۰ فیصد لوگ) کسمپرسی اور غربت کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہے۔یہ اعداد و شمار بھی غربت کے اس معیار کے مطابق ہے جو ورلڈ بنک نے طے کیا ہے۔غربت کے معیار کے معاملے میں ورلڈ بنک نے جو پیمانہ مقرر کیا ہے اس کے مطابق جس شخص کی یومیہ آمدنی ایک یا دو ڈالر سے کم ہو اسے غریب کہا جائے گا۔(1)

جبکہ معاشی لوازمات زندگی کو مدنظر رکھتے ہوئے غربت کی توضیح ان الفاظ میں کی جا سکتی ہے کہ غربت کسی انسان کی ایسی حالت کا نام ہے جس میں اس کے پاس کم ترین معیار زندگی (Minimum standard of living) کے لیے اشد ضروری اسباب و وسائل کا فقدان ہو۔سادہ سے الفاظ میں کہا جائے تو یوں کہہ سکتے ہیں کہ غربت، بھوک وافلاس کا نام ہے۔جب کسی کو اتنی رقم میسر نہ ہو کہ وہ اپنا یا اپنے اہل وعیال کا پیٹ بھر سکے تو یہ غربت ہے۔اگر کسی بیمار کے پاس اتنی مالی استعداد نہ ہو کہ وہ اپنا علاج کروا سکے تو یہ غربت ہے۔جب کسی کے پاس سر چھپانے کی جائے پناہ نہ ہو تو یہ غربت ہے۔جب بارش میں کوئی اپنے گھر کی چھت کو ٹپکتے ہوئے دیکھنے پر مجبور ہو تو یہ غربت ہے۔جب ایک ماں اپنے بچے کو دودھ پلانے کے بجائے پانی پلانے پر مجبور ہو تو یہ غربت ہے، جب دو وقت کی روٹی کے لیے لوگوں کی عزتیں ان

☆ پی ایچ ڈی سکالر، لیکچرر گورنمنٹ ڈگری کالج شاہ کوٹ، ضلع ننکانہ صاحب

کی مرضی سے سر بازار بکنے لگیں تو یہ غربت ہے، جب والدین اپنے جگر گوشوں کو چند ٹکوں کے بدلے فروخت کریں تو یہ غربت ہے۔ یہ وہ غربت کے چند پیمانے ہیں جو کہ کم از کم معیار زندگی کو مدنظر رکھ کر گنوائے جا سکتے ہیں۔

اگر کسی کی غربت اور فقر جانچنے کے لیے ورلڈ بنک کا مقرر کردہ مذکورہ پیمانہ تسلیم کر لیا جائے تو ورلڈ بنک ہی کی اپنی ایک رپورٹ کے مطابق ۲۰۰۱ء میں دنیا کی ۶ ارب سے زائد آبادی میں سے ۱.۱ ارب افراد ایک ڈالر یومیہ سے کم اور ۲.۷ ارب افراد دو ڈالر یومیہ سے کم آمدن پر زندگی گذارنے پر مجبور تھے۔[۲] اس جگہ ایک بات کا ذکر کرنا اہم ہوگا کہ ورلڈ بنک کے یہ اعداد و شمار اپنی جگہ ہیں لیکن جن لوگوں کو بھارت، بنگلہ دیش اور پاکستان جیسے ترقی پذیر ممالک میں عوام کی حالت دیکھنے کا موقع نصیب ہوا ہے وہ اس بات کا بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اصل صورتحال اس ایک دو ڈالر کے خط غربت سے بہت زیادہ ابتر اور تکلیف دہ ہے۔

پاکستان میں حکمران طبقے کی بے حسی، ان کی مہنگائی فروغ پالیسیوں، دولت کی غیر مساویانہ تقسیم، وسائل میں کمی، بیروزگاری اور دیگر متعدد مسائل کی بنا پر غربت کی شرح میں دن بدن اضافہ دیکھنے میں آرہا ہے۔ غربت کی اِس بڑھتی ہوئی شرح کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ پاکستان کی ایک غیر سرکاری تنظیم سسٹین ایبل ڈویلپمنٹ پالیسی انسٹی ٹیوٹ (Sustainable Development Policy Institute) نے پاکستان میں بڑھتی ہوئی غربت پر ایک تحقیقی رپورٹ جاری کی ہے جس کے مطابق پاکستان کی ایک تہائی سے زائد آبادی تو وہ ہے جو غربت کی لکیر سے بھی انتہائی نچلی سطح پر زندگی گزار رہی ہے۔[۳]

عالمی بینک کی رپورٹ ورلڈ ڈیویلپمنٹ انڈیکیٹرز (world development indicators) کے ۲۰۰۸ء میں کیے گئے ایک سروے کے مطابق پاکستان کی ۶۰.۲٪ فیصد آبادی خط غربت سے نیچے زندگی بسر کر رہی ہے جبکہ بھارت اور بنگلہ دیش میں پاکستان سے کہیں زیادہ غربت پائی جاتی ہے۔ بھارت میں غربت کی شرح ۶۸ اعشاریہ سات (۶۸.۷٪) فیصد اور بنگلہ دیش میں ساڑھے ۷۶ (۷۶.۵٪) فیصد ہے۔[۴]

دنیا میں بڑھتی ہوئی غربت صرف تیسری دنیا کی ترقی پذیر ممالک ہی کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ انتہائی ترقی یافتہ ممالک، جن میں اپنے آپ کو دنیا کے سیاہ و سپید کے مالک سمجھنے والے ممالک بھی شامل ہیں، بھی اپنے تمام تر وسائل اور کوششوں کے باوجود غربت کے اس عفریت کے سامنے بے بس دکھائی دیتے ہیں۔

گذشتہ برس کے اعداد و شمار کے مطابق دنیا کی واحد سپر پاور سمجھی جانے والی ریاست امریکہ میں غربت کی شرح ۱۵ فیصد ہے یعنی تقریباً سات میں سے ایک امریکی مفلسی کا شکار ہے۔ اس کا مطلب

یہ ہوا کہ دنیا کے اس امیر ترین ملک کے چار کروڑ ۶۰ لاکھ افراد غربت کی لکیر سے نچلی سطح پر زندگی بسر کر رہے ہیں۔[۵]

ترقی یافتہ یورپین ممالک کی صورت حال بھی اس سے مختلف نہیں ہے۔ بین الاقوامی امدادی تنظیم آکسفیم (Oxfam) نے چند ماہ پہلے یورپین یونین میں بڑھتی ہوئی غربت پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے اپنی ایک تازہ ترین رپورٹ جاری کی ہے۔ یہ رپورٹ اس تنظیم نے یورپی یونین کے وزرائے خزانہ کے ۱۳ ستمبر ۲۰۱۳ء کو ولنیئس (Vilnius) میں ہونے والے اجلاس کے پیش منظر یورپین حکومتوں کو بطور انتباہ جاری کی ہے۔ آکسفیم نے اپنی اس رپورٹ میں اپنے تجزیے کی بنیاد اس بات کو بنایا ہے کہ یورپی یونین کے محکمہ شماریات یوروسٹیٹ (Eurostat)[۶] نے اپنی ایک رپورٹ میں اپنی حکومتوں کو انتباہ کیا تھا کہ ان کے اعداد وشمار کے مطابق ۲۰۱۱ء تک ۵۰۰ ملین آبادی پر مشتمل یورپی یونین میں ایک سو اکیس (۱۲۱) ملین افراد غربت کے عالم میں زندگی کے شب روز بسر کرنے پر مجبور ہیں۔ آکسفیم (Oxfam) کہتی ہے:

> "Oxfam's analysis is based on the EU's official definition of poverty. In 2011, there were 121 million people at risk of poverty in the EU representing 24.3 per cent of the population."[7]

آکسفیم نے اپنی اس رپورٹ میں یورپین حکومتوں کو خبردار کرتے ہوئے یہ بھی کہا ہے کہ اگر برطانیہ، اسپین اور دیگر یورپین ممالک کی موجودہ معاشی پالیسیاں اسی طرح جاری رہیں اور غربت کے مسئلے پر قابو نہ پایا گیا تو صرف بارہ سال بعد ۲۰۲۵ء تک مزید ۱۵ تا ۲۵ ملین یورپی باشندے خط افلاس تک پہنچ سکتے ہیں، جس سے یورپ کے ۱۴۶ ملین افراد یعنی مجموعی یورپی آبادی کی ایک چوتھائی سے بھی زائد آبادی غربت کے خطرات سے دوچار ہو جائے گی۔ آکسفیم (Oxfam) کہتی ہے:

> "If left unchecked, austerity policies could put between 15 and 25 million more Europeans at risk of poverty by 2025 - nearing the population of the Netherlands and Austria combined. This would bring the number of people at risk of poverty in Europe up to 146 million, over a quarter of the population, warns international agency Oxfam as EU Finance Ministers meet in Vilnius tomorrow."[8]

مذکورہ تحقیقی اعداد وشمار کے مطابق غربت کا عفریت مسلسل طاقتور ہو رہا ہے اور یہ مسئلہ کسی غریب فرد کا نجی اور ذاتی مسئلہ نہیں ہے، بلکہ یہ ایک ایسا اجتماعی مسئلہ ہے جو کسی بھی وقت کسی ملک کے امن وامان کو تہ وبالا کرنے کا سبب بن سکتا ہے کیونکہ غربت کے شکار افراد غربت کی وجہ سے متعدد قسم کی نفسیاتی

الجھنوں کا شکار ہو جاتے ہیں اور پھر اپنی ضروریات زندگی کی تکمیل کے لیے مختلف قسم کے جرائم میں مبتلا ہو کر امن عامہ کے لیے خرابی کا باعث بنتے ہیں۔

یاد رہے کہ غربت کا المیہ کوئی نیا المیہ نہیں ہے بلکہ غربت کی تاریخ پر نظر دوڑائیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ صرف دور حاضر کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ انسانی تاریخ کے آغاز ہی سے غربت اور امارت کا دور لوگوں میں متوازی چلتا رہا ہے، دولت کی غیر مساویانہ تقسیم، طاقتور کا کمزور کا مال ہڑپ کر جانا، امیر و غریب کے مابین کھینچی جانے والی امتیازی لکیر قدیم ادوار سے اسی طرح چلی آ رہی ہے۔ ماضی کے ان ادوار میں بادشاہت کے مال وزر کے ہوس پرست ظالمانہ کرداراور لوگوں کے غیر مہذب اور غیر شائستہ رویوں کی وجہ غربت کے خاتمے کی طرف یا تو کوئی توجہ دی نہیں گئی اور اگر کبھی کسی منصف اور غریب پرور حکمران نے اس طرف توجہ دی بھی تو وہ ناکافی تھی۔

ماضی قریب میں ماضی بعید کی تمام قباحتوں کا سد باب کرنے اور ان سے جان چھڑانے کے لیے مختلف ممالک میں مختلف قوانین اور نظام متعارف کروائے گئے کسی نے سرمایہ دارانہ نظام کا نعرہ لگایا، کسی نے جمہوریت کو دکھی انسانیت کا مسیحا قرار دیا، کسی نے کیمونزم پر عوام کی بقا کا دارومدار رکھا، مزید برآں دور حاضر میں دنیا کے ترقی یافتہ ممالک اس بڑھتی ہوئی غربت کے روک تھام کے لیے اپنے اپنے دائرے میں کوشاں ہیں اور اقوام متحدہ بھی ان کوششوں میں ان کے ساتھ ہے۔ اقوام متحدہ نے ۱۹۹۲ء سے سترہ اکتوبر کو باضابطہ غربت کے خاتمے کا عالمی دن قرار دیا رکھا ہے، چنانچہ ہر سال سترہ اکتوبر کو دنیا بھر میں غربت کے خاتمے کے عالمی دن کے طور پر منایا جاتا ہے۔ اس دن کو منانے کا مقصد پوری دنیا بالخصوص ترقی پذیر ممالک میں پائی جانے والی غربت کے خاتمے کے لیے عالمی برادری میں احساس پیدا کرنا ہے۔ اس دن دنیا بھر میں غربت، محرومی اور عدم مساوات کے خاتمے، غریب عوام کی حالت زار اور ان کی فلاح و بہبود کے منصوبوں کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لیے سیمینار، مذاکروں، مباحثوں اور خصوصی پروگرامز کا اہتمام کیا جاتا ہے، لیکن ان تمام تر کوششوں کے باوجود غربت ہے کہ بڑھتی ہی چلی جا رہی ہے اور سپر پاورز اور ترقی یافتہ ممالک سمیت کسی بھی ملک میں تا حال اس کا حوصلہ افزا سد باب اور روک تھام نہیں ہو سکا۔

اس محاذ پر دنیا کی ناکامی کا سبب میں سمجھتا ہوں یہ ہے کہ انھوں نے غربت کا سبب اس چیز کو قرار دیا ہے جو حقیقت میں اس کا سبب نہیں ہے، ایک عام آدمی سے لے کر ایک پڑھے لکھے ماہر معاشیات تک سبھی لوگ وسائل اور دولت کی کمی کو غربت کا سبب قرار دیتے ہیں، لہٰذا ایک غریب آدمی سے لے کر سرمایہ دار اور امیر شخص تک ہر کوئی اپنے آپ کو غربت سے بچانے کے لیے جائز و ناجائز ذریعے سے دولت اکٹھی کرنے کی تگ و دو میں شب و روز کو بھلائے بیٹھا ہے اور ہر شخص میں دولت کی ہوس اس قدر بڑھ چکی ہے کہ اس کے سامنے دنیا کا ہر رشتہ، ہر قانون اور ہر مذہب ہیچ اور فرسودہ بن کر رہ گیا ہے، حالانکہ ذخیرۂ

دولت غربت کے مسئلے کا حل نہیں ہے۔ اگر دولت کی فراوانی غربت کا حل ہوتی تو جس قدر مال وزر کی فراوانی اور اکتساب دولت کے وسائل میں ترقی آج موجود ہے ماضی میں کہیں دکھائی نہیں دیتی، لہٰذا اس ترقی کے بعد تو کوئی غربت نہیں رہنی چاہیے تھی، لیکن بدقسمتی کی بات یہ ہے کہ بھوک وننگ میں مسلسل اضافہ ہورہا ہے، بیروزگاری عام ہورہی ہے اور فاقہ زدہ افراد کی تعداد روز افزوں ہے۔

میرے ناقص علم کے مطابق موجودہ غربت کا سبب ہماری اقدار، سوچ وفکر کی پستی اور موجودہ نظام معیشت ہے جس کی بنیاد اس بات پر ہے کہ ہر شخص حصول دولت اور صرف دولت (دولت خرچ کرنے) کے انداز اور طور طریقے میں آزاد ہے نیز وہ اپنی دولت کا بلاشرکت غیر خود مختار مالک ہے وہ اسے جیسے چاہے حاصل اور جہاں چاہے خرچ کرسکتا ہے۔ جب تک انسان کی یہ سوچ رہے گی اور وہ اس نظام کے تحت زندگی گزارے گا وہ کبھی بھی دنیا سے غربت کا خاتمہ نہیں کر سکے گا، بلکہ میں تو کہوں گا کہ ایک مال دار اور سرمایہ دار شخص بھی اپنی ذاتی غربت کا خاتمہ نہیں کر سکے گا، کیونکہ فقر وغربت صرف اس حالت کا نام نہیں کہ آدمی کے پاس دولت کا فقدان ہو، اس کے پاس وافر پیسہ نہ ہو یا روزگار کی کمی ہو، بلکہ یہ بھی فقر ہے کہ کوئی آدمی اپنی موجودہ دولت کو اپنی ضروریات کے لیے ناکافی سمجھے اور وہ اپنے آپ کو مزید دولت کا محتاج اور ضرورت مند قرار دے۔ غربت کو اگر وسیع معانی میں لیا جائے تو یہی ذہنی مفلسی سب سے بڑی غربت ہے، یہی وہ مفلسی اور فقر ہے جو امراء، روٴسا، بڑے بڑے صنعت کاروں اور سرمایہ داروں کو غرباء کی حقوق تلفی پر ابھارتی اور فاقہ کش غرباء کے استحصال کو ان کے لیے مزین اور فرحت افزاء بنا کر پیش کرتی ہے۔ یاد رکھیں جب تک کسی ریاست کے ارباب بست وکشاد عوام کو اس ذہنی مفلسی سے نہیں نکالیں گے اس وقت تک اذہان میں مثبت خیالات کی بجائے منفی جذبات ہی پرورش پائیں گے، معاشرے میں معاشی فتنہ وفساد پیدا ہوگا کہ جو ذہنی پسماندگی کی طرف لے جاتا ہے اور نتیجہ معاشی پسماندگی کی صورت میں نکلتا ہے۔ یہ وہ چیز ہے جو آج ہمارے ہاں غربت کے خاتمے کے لیے سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ جب ہم اس دیوار اور رکاوٹ کا خاتمہ کر دیں گے غربت خود بخود ختم ہو جائے گی۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا غربت وفقر واقعی ایسا پیچیدہ اور لاینحل مسئلہ ہے کہ انسانوں کی ہزاروں سالوں پر محیط تاریخ میں کوئی بھی اس پر قابو نہیں پا سکا حتی کہ موجودہ ترقی یافتہ اور مہذب دور کے لامتناہی وسائل کے مالک ترقی کے اوج ثریا کو چھونے والے بڑے بڑے ممالک بھی اس کے سامنے بے بس دکھائی دیتے ہیں؟

نہیں! غربت کوئی ایسا لاینحل مسئلہ نہیں ہے کہ جس کا سد باب ممکن نہ ہو۔ ہمیں رسول اللہ ﷺ کی بابرکت سیرت کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے نہ صرف اس کا حل پیش کیا بلکہ آپ اور آپ کے ماننے والوں نے اسے اپنی مملکت میں لاگو کر کے عملی طور پر ثابت بھی کیا ہے۔ تاریخ کے اوراق اعلانیہ طور پر اس بات کا ثبوت ہیں کہ دنیا میں آج تک صرف ایک ہی حکومت ایسی گزری ہے جس

نے اپنے دور میں غربت کا خاتمہ کر دیا تھا۔ تین براعظموں پر محیط اور تقریباً ستاون لاکھ اکانوے ہزار مربع میل رقبے پر مشتمل عظیم وسیع و عریض سلطنت اسلامیہ میں کوئی آدمی غریب نہیں تھا۔(۹) یہ اسلامی دور حکومت کی بات ہے جس کی بنیاد دنیا کے سب سے بڑے ماہر معیشت سرور کائنات حضرت محمد ﷺ نے رکھی تھی اور آپ نے غربت کے خاتمے کے لیے کوئی اچھوتا، لوگوں کے لیے کوئی اجنبی اور نیا نظام معیشت وضع نہیں کیا تھا، بلکہ آپ نے دنیا میں چلنے والے نظام معیشت کی بنیادی خامیاں دور کر کے اسے عمدہ اور خوبصورت شکل میں لوگوں پر نافذ کر دیا تھا اور اس نظام معیشت کا نتیجہ یہ نکلا کہ چند ہی سالوں میں اسلامی حکومت کے زیر تسلّط علاقوں میں غربت کا خاتمہ ہو گیا۔

رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک کے ابتدائی حالات دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ مکہ مکرمہ میں اپنی دولت چھوڑ کر آنے والے تہی داماں مہاجرین اور سالہا سال کی باہمی لڑائیوں کے ستائے ہوئے اوس وخزرج کے مفلوک الحال انصار کے ہاں مشرکین مکہ اور دیگر کفار سے مسلسل نبرد آزمائی اور جہاد کی وجہ سے غربت موجودہ دور کی نسبت کہیں زیادہ تھی۔ حضرت عثمان، ابوطلحہ، ابوبکر، عبدالرحمٰن بن عوف سعد بن عبادہ اور سعد بن معاذؓ سمیت چند گنے چنے انصار و مہاجرین کے علاوہ دیگر صحابہ کرام کی حالت یہ تھی کہ ان میں سے بعض کے پاس سر چھپانے کے لیے چھت نہیں تھی، اگر کسی کے پاس گھر تھا تو تن ڈھانپنے کے لیے کپڑے نہیں تھے۔(۱۰) صحابہ کرام میں ایک بہت بڑی تعداد ایسے لوگوں کی تھی جن کے پاس صرف ایک چادر تھی(۱۱) جسے وہ دن میں تہبند بنا لیتے اور رات کے وقت اسی کو اوڑھنا بچھونا بنا کر سو رہتے، ان کی فاقہ زدگی کا عالم یہ تھا کہ کئی کئی دن درختوں کے پتے، کانٹے یا ایک ایک کھجور کھا کر رازق کل جل جلالہ کے حضور سجدہ شکر بجا لاتے تھے،(۱۲) خود سرور کائنات کے گھریلو حالات کی بابت حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ سامان خورونوش کی قلت کی وجہ سے مہینہ مہینہ دو دو مہینے چولہے میں آگ جلانے کی نوبت نہ آتی۔(۱۳) نیز فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ نے کبھی بھی مسلسل تین دن تک آٹے کی روٹی نہیں کھائی،(۱۴) بلکہ دوسرے یا تیسرے دن فاقہ ضرور آپ کا گھر دیکھ لیتا تھا۔ خادم رسول ﷺ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے تاحیات چھنے ہوئے آٹے کی باریک چپاتی نہیں دیکھی۔(۱۵)

یہ وہ حالات تھے جن میں رسول اللہ ﷺ نے انسداد غربت کے لیے دنیا کو وہ مایہ ناز نظام معیشت دیا کہ دیکھتے ہی دیکھتے چند سالوں میں پوری اسلامی حکومت میں غربت کا خاتمہ ہو گیا اور بلا تفریق رنگ ونسل اور مذہب کے سلطنت اسلامیہ میں بسنے والا ہر شخص خوش حال ہو گیا۔ انسداد غربت کے لیے رسول اللہ ﷺ نے جن امور پر اسلامی معیشت کی بنیاد رکھی اختصار کو مدنظر رکھتے ہوئے میں ان میں سے چند چیدہ چیدہ اصول ذیل میں ذکر کرتا ہوں:

۱۔ رسول اللہ ﷺ نے غربت کے خاتمے کے لیے سب سے پہلے حقیقی مفلسی کے بنیادی سبب کا نہ صرف ادراک کیا، بلکہ غربت کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا اور غربت کی بابت لوگوں کی سوچ، فکر

اور نظریے کو تبدیل کیا اور ان کے دلوں میں یہ بات راسخ کردی کہ آدمی کی اصل دولت اس کا قناعت پسند اور اس کے دل کا دولت مند ہونا ہے۔ آپ نے فرمایا:

''وَارضَ بِمَا قَسَمَ اللّٰہُ لَکَ تَکُنْ اَغنىَ النَّاسِ''[۱۶]

(اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے جو (مال) تقسیم کیا ہے اس پر راضی اور خوش ہو جاؤ تو تم تمام لوگوں سے زیادہ مال دار ہو جاؤ گے۔)

نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''لَیْسَالْغِنیعَنکَثْرَةِالْعَرَضِوَلَکِنَّالْغِنیغِنیالنَّفْسِ''[۱۷]

(دولت مندی مال کی کثرت سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ حقیقی دولت دل کا غنی اور مال دار ہونا ہے۔)

۲۔ اسلامی معیشت کی بنیاد رکھتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو ایک اصول یہ بھی دیا کہ ان میں سے کوئی شخص قارونی، سامراجی اور سرمایہ دارانہ نظام کے طرزِ عمل اور فکر سے متاثر نہ ہو جس کے مطابق ہر سرمایہ دار اور قارونی ذہنیت کا مالک شخص یہ تصور اپنے دل و دماغ میں لیے بیٹھا ہوتا ہے کہ اس کا سرمایہ اور دولت اللہ کی عطا کردہ ہے نہ وہ اس دولت میں تصرف کے معاملے میں اللہ تعالیٰ کی معین کردہ حدود کا پابند ہے اور نہ ہی وہ اس مال میں دوسروں کا حق تسلیم کرتا ہے جس کے مطابق اس پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ غرباء، مساکین، یتیم اور دیگر مستحقین پر نہ صرف بخوشی اپنا مال خرچ کرے بلکہ اسے اپنے اوپر بوجھ اور غرباء پر اپنا احسان نہ سمجھے۔ اس قارونی فکر اور سوچ کے برعکس اسلامی فکر میں سرمایہ اور دولت انسانی علم یا اس کی صلاحیتوں کی پیداوار نہیں بلکہ محض اللہ کی عطا ہے اور انسان اس کا بلاشرکت غیرے مالک نہیں بلکہ اس کی حیثیت محض نائب اور امین کی ہے اور اس کے مال میں دوسرے مستحق افراد کا بھی اسی طرح حق ہے جیسے خود مالک کا اس میں حق ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

''وَ اللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ''[۱۸]

(اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق (کے درجات) میں فضیلت دی ہے، مگر جن لوگوں کو فضیلت دی گئی ہے وہ اپنی دولت اپنے زیر دست لوگوں پر نہیں لوٹاتے، حالانکہ وہ سب اس میں برابر ہیں، تو کیا وہ اللہ کی نعمتوں کا انکار کرتے ہیں؟)

دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''وَفِىْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ''[۱۹]

(ان کے مالوں میں سائل اور محروم لوگوں کا حق ہے۔)

گویا معاشرے میں مال اور رزق کی تقسیم کا نظام انسان کی اپنی پیدا کردہ ناہمواریوں کی وجہ سے تباہ و برباد ہوا ہے ورنہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو برابر کا حقِ معاش عطا فرمایا ہے اور معاشرے کے متمول اور صاحبِ ثروت افراد کا معاشرے کے محروم المعیشت اور مفلوک الحال لوگوں کو معاشی حقوق ادا کرنا ان پر احسان نہیں بلکہ یہ اصل حقدار کو اس کا حق لوٹانا ہے۔

۳۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بے مثال تربیت سے نہ صرف صحابہ کرام کے کردار کو ان آیات کا عملی نمونہ بنادیا بلکہ آپ نے اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھ کر تقسیم دولت میں کارفرما اللہ تعالی کے نظام سے پردہ اٹھاتے ہوئے ان کے قلوب واذہان میں اس نظریے کو جلا بخشی کہ تمھاری دولت میں ہونے والا اضافہ بھی درحقیقت تنگدست اور فقراء کا مرہون منت ہے لہٰذا اپنے فاقہ کش اور غریب لوگوں پر مال خرچ کرنے کو اپنے اوپر ناروا بوجھ خیال نہ کرو۔ آپ نے فرمایا:

"ابْغُونِيضُعَفَاءَ كُمْفانَّمَاتُرْزَقُونَوتُنْصَرُوْنَبِضُعَفَائِكُمْ"[۲۰]

(میری رضا اپنے کمزور لوگوں کے ساتھ احسان کر کے حاصل کرنے کی کوشش کرو، کیونکہ تمھیں اپنے کمزور اور ضعیف لوگوں کی وجہ سے (مال ودولت) رزق اور نصرت ملتی ہے۔)

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے عہد میں دو بھائی تھے جن میں سے ایک نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں رہتا تھا اور دوسرا جو کہ کاریگر تھا، محنت مزدوری کرتا تھا، محنت ومزدوری کرنے والے نے ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ سے اپنے بھائی کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا:

"لَعَلَّكَ تُرْزَقُ بِهِ"[۲۱]

(تجھے بھی شاید اسی کی وجہ سے روزی ملتی ہے۔)

کاریگر بھائی نے یہ شکایت کی کہ یہ میرا بھائی آپ کے پاس فضول بیٹھا رہتا ہے اور روزی کمانے میں میرے ساتھ تعاون نہیں کرتا جبکہ کھانے میں میرے ساتھ شریک ہوتا ہے، اس پر آپ ﷺ نے شکایت کرنے والے کی یہ فہمائش کی کہ وہ علم دین سیکھنے کے لیے میرے پاس رہتا ہے، اس لیے یہ نہ سمجھو کہ تمھیں جو تمہاری کمائی سے روزی ملتی ہے وہ اس میں شریک بن کر تمھارے اوپر بوجھ بنتا ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تمھاری کمائی میں اس کی وجہ سے برکت شامل ہوتی ہے، اس لیے تم گھمنڈ میں مت مبتلا ہونا۔ معلوم ہوا کہ اللہ کے راستے میں لگنے والوں کی تائید اور معاونت کرنا دیگر اہل خانہ کی ذمہ داری ہے نہ کہ اس پر احسان۔

۴۔ رسول اللہ ﷺ انسداد غربت اور اسلامی ریاست کے معاشی امور بجالانے کے لیے عوام کو دو حصوں مسلم اور غیر مسلم میں تقسیم کیا اور ان میں سے مسلمانوں پر آپ نے نظام زکوٰۃ وعشر کو لاگو کیا جس کے تحت ہر صاحب نصاب مسلمان کو سال میں ایک مرتبہ اپنی جائیداد میں سے ایک مخصوص

حصہ اللہ تعالی کی راہ میں حکومت کو ادا کرنا ہوتا ہے اور اسی طرح اپنی فصل سے بھی ایک مقررہ شرح کے مطابق عشر ادا کرنا لازم ہے، جبکہ غیر مسلموں پر آپ نے جزیہ اور خراج کے نام سے ایک ٹیکس عائد کیا اور یہی وہ ذرائع ہیں جن پر اسلامی حکومت کی معیشت کا دارومدار ہے۔ آج کل بعض مسلمان زکوٰۃ پر معترض ہیں اور مستشرقین اسلام کے نظام جزیہ وخراج کو ظالمانہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، حالانکہ یہ دونوں امور مبنی بر انصاف اور اسلام سے ماقبل کی حکومتوں کے مقابلے میں مبنی براحسان ہیں۔

زمانہ قدیم سے دور حاضر تک ہر حکومت اپنی ضروریات اور عوام کی فلاح و بہبود کے لیے جو اخراجات کرتی ہے ان کی تکمیل کے لیے عوام پر مختلف قسم کا ٹیکس عائد کرتی ہے۔ اگر ہم حکومتوں کے ان ٹیکسز کا جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے ان میں سے بیشتر ٹیکس ظالمانہ ناروا اور عوام کے استحصال پر مبنی ہوا کرتے ہیں، حتی کہ ان میں سے بعض ٹیکس (مثلاً سیل ٹیکس وغیرہ) ایسے بھی ہوتے ہیں جو غرباء، مساکین اور فقراء سے بھی وصول کیے جاتے ہیں۔ زمانہ جاہلیت میں بھی لوگ دور حاضر کی مانند اپنے حکمرانوں کو مختلف قسم کے ظالمانہ ٹیکس ادا کیا کرتے تھے اور اسی طرح وہ لوگ اپنے اپنے مذہب کے مطابق اپنے معبودوں کے لیے نذر و نیاز بھی جمع کرتے تھے نیز ان میں سے بعض مخیرّ لوگ غرباء اور مسافروں پر بطور صدقہ اپنا مال بھی لٹایا کرتے تھے۔ رسول کریم ﷺ نے جس اسلامی حکومت کی بنیاد رکھی اس میں آپ نے صدیوں سے چلنے والے حکومتی نظام معیشت کے لوگوں پر لگائے گئے ناروا اور ظالمانہ ٹیکسز کا خاتمہ کرکے مسلمانوں پر زکوٰۃ وعشر کو فرض قرار دیا اور اس کے لیے ایسے ضابطے مقرر کیے جن کی موجودگی میں زکوٰۃ وعشر مسلمانوں پر ماضی کے ٹیکسز کے مقابلے میں کوئی بوجھ نہیں ہے۔

زکوٰۃ کے سلسلے میں ایک تو آپ نے یہ کیا کہ اسے صرف مال دار صاحب نصاب لوگوں پر فرض کیا۔ آپ نے فرمایا:

"أَنَّ اللَّهَ قَدْ فَرَضَ عَلَيْهِمْ زَكَاةً تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ فَتُرَدُّ عَلَى فُقَرَائِهِمْ"۔(۲۲)

(بلاشبہ اللہ نے مسلمانوں پر زکاۃ فرض کی ہے جو ان کے مال داروں سے وصول کرکے ان کے فقراء پر خرچ کی جائے گی۔)

اس کے ساتھ ساتھ آپ نے زکوٰۃ کا مکمّل نصاب اور شیڈول دے کر یہ حکم نامہ بھی جاری فرمایا:

"فَمَنْ سُئِلَهَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ عَلَى وَجْهِهَا فَلْيُعْطِهَا وَمَنْ سُئِلَ فَوْقَهَا فَلَا يُعْطِ"۔(۲۳)

(مسلمانوں میں سے جس شخص سے اس نصاب اور شرح کے مطابق مال طلب کیا جائے وہ اسے ادا کرے اور جس سے اس شرح سے زائد مطالبہ کیا جائے وہ ادا نہ کرے۔)

معلوم ہوا کہ غرباء، مساکین اور مسلم معاشرے کے دیگر مفلوک الحال لوگوں سے رسول

اللہ ﷺ نیز بردستی کسی قسم کا کوئی مال لینا جائز قرار نہیں دیا اور مال داروں پر بھی ان کے مال کی نسبت سے بہت کم شرح اللہ کے رستے میں زکاۃ دینا فرض ہے، نیز مسلمانوں پر رسول اللہ ﷺ نے جنگی اخراجات، عوام کی فلاح و بہبود اور دیگر تمام قومی ضروریات کی تکمیل کے لیے زکوۃ وعشر کے علاوہ کوئی ٹیکس عائد نہیں کیا اور اگر کبھی رسول اللہ ﷺ کو اچانک کوئی ضرورت پیش آئی تو بھی آپ نے مسلمانوں سے زبردستی کوئی چیز وصول کی نہ ان پر کوئی ٹیکس عائد کیا، بلکہ لوگوں کو آزادانہ ترغیب دی کہ وہ اپنی مرضی اور استطاعت کے مطابق جو چاہیں دے دیں۔

بعینہٖ زکوٰۃ کی مانند آپ نے کفار سے جزیے اور خراج کا معاملہ کیا۔ اسلام نے اس ٹیکس کے سلسلے میں جو ضابطے اور اصلاحات نافذ کیں وہ حسب ذیل ہیں:

۱۔ جزیہ صرف ان افراد پر عائد کیا جاتا ہے جو لڑنے کے قابل ہوں، بچے، بوڑھے، خواتین اور معذور افراد وغیرہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے جب حضرت معاذؓ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو انھیں دیگر احکام کے ساتھ ساتھ جزیے کے بارے میں حکم دیا:

''أَنْ يَأْخُذَ مِنْ كُلِّ حَالِمٍ دِينَارًا أَوْ عِدْلَهُ مَعَافِرَ''(۲۴)

(ہر بالغ (یہودی وعیسائی غیر مسلم) مرد سے ایک دینار یا اس کی برابر مالیت کا یمنی معافری کپڑا (بطور جزیہ) لینا۔)

حضرت عمرؓ نے عساکر اسلام کے امراء کو جزیے کے بارے میں ان الفاظ میں خط لکھا:

''أن يضربوا الجزية ولا يضربوها على النساء والصبيان ولا يضربوها الا على من جرت عليه الموسى''(۲۵)

(مفتوحین غیر مسلموں پر جزیہ لاگو کرو، لیکن عورتوں، بچوں اور ایسے نوخیزوں پر کوئی جزیہ عائد نہ کرنا جن پر ابھی استرے استعمال نہیں ہوئے یعنی ابھی وہ بالغ نہیں ہوئے۔)

امام ابوعبید قاسم بن سلامؒ اس اثر کی توضیح میں فرماتے ہیں:

''یہ حدیث جزیے کے اصول ومبادی پر مشتمل ہے کہ کن لوگوں پر جزیہ عائد ہوگا اور کن پر نہیں ہوگا۔ تم دیکھتے نہیں کہ حضرت عمرؓ نے عورتوں اور بچوں کی بجائے صرف بالغ مردوں پر جزیہ مقرر کیا ہے کیونکہ جنگ میں انھیں بالغ مردوں ہی کو قتل کرنے کا حکم ہے اور رسول اللہ ﷺ کی حدیث (على كل حالم دينارا) ''ہر بالغ مرد پر ایک دینار لازم ہے'' سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے بھی عورتوں اور بچوں کی بجائے صرف بالغ مردوں کو جزیے سے مخصوص کیا ہے۔''(۲۶)

اسی طرح ایک مرتبہ حضرت عمر فاروقؓ نے ایک بوڑھے شخص کو بھیک مانگتے دیکھا تو اس سے پوچھا کہ وہ کیوں بھیک مانگتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میرے پاس جزیہ ادا کرنے کے لیے مال نہیں ہے۔ یہ سن کر حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے آپ کو برا بھلا کہا اور فرمایا:

"ما أنصفناک ان أکلنا شبیبتک ، ثم نأخذ منک الجزیة"

(ہم نے تیرے ساتھ انصاف نہیں کیا، ہم نے تیری جوانی کھالی پھر بھی تجھ سے جزیہ لیتے ہیں۔)

اس کے بعد آپ نے اپنے تمام گورنروں کے نام یہ حکم نامہ جاری کیا کہ کسی بوڑھے سے جزیہ وصول نہ کیا جائے۔[۲۷] دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے اس بوڑھے کے لیے اس کی ضرورت کے مطابق بیت المال سے وظیفہ مقرر کر دیا تھا۔[۲۸]

معلوم ہوا کہ اسلام نے جزیے کے معاملے میں سختی نہیں کی بلکہ جہاں ضرورت پڑی تو جزیہ معاف کرنے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے بیت المال سے اس کی دادرسی بھی کی۔اسی لیے خلیفہ راشد خامس عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا تھا:

''جزیہ صرف صاحب استطاعت پر عائد کرو۔''[۲۹]

ب۔ جزیہ لوگوں کی مالی حالت کو مدنظر رکھ کر عائد کیا جاتا ہے۔جیسا کہ امام مجاہد سے ابن ابونجیحؒ نے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ شامیوں پر چار دینار جزیہ ہے جبکہ اہل یمن پر صرف ایک دینار؟ تو انہوں نے فرمایا کہ ایسا خوشحالی اور سرمایہ کے (تفاوت کے) پیش نظر کیا گیا ہے۔[۳۰]

ج۔ جزیہ کی وصولی میں انتہائی نرمی اختیار کی جاتی تھی، جیسا کہ مذکورہ بالا احادیث سے عیاں ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں ہشام بن حکیم بن حزامؓ نے حمص کے ایک گورنر کو دیکھا کہ اس نے کچھ قبطیوں کو، جزیے کی عدم ادائیگی پر ان سے زبردستی جزیہ وصول کرنے کے لیے، دھوپ میں کھڑا کر رکھا تھا، تو انہوں نے کہا: یہ کیا ہے؟ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

''اِنَّ اللّٰہَ یُعَذِّبُ الَّذِینَ یُعَذِّبُونَ النَّاسَ فِی الدُّنْیَا''[۳۱]

(اللہ عزوجل ایسے لوگوں کو عذاب دے گا جو دنیا میں لوگوں کو عذاب دیا کرتے ہیں۔)

حضرت عمرؓ کی یہ عادت تھی کہ خراج وغیرہ کی وصولی کے موقع پر آپ ہر علاقے کے دس معتمد افراد کو چار چار مرتبہ قسمیں دلا کر تحقیق کرتے کہ کہیں رقم کی وصولی میں زیادتی نہ کی گئی ہو۔[۳۲]

اسی طرح ایک مرتبہ جب حضرت حذیفہ اور عثمان بن حنیفؓ نے حضرت عمرؓ کو عراق کی زمینوں سے وصول شدہ خراج کا حساب پیش کیا تو آپ نے ان سے پوچھا کہ انھوں نے خراج کی وصولی میں سختی تو نہیں کی؟ جس پر حضرت عثمان بن حنیفؓ نے جواب دیا کہ نہیں! بلکہ وہ تو اس سے دگنا ادا کر سکتے تھے۔[۳۳]

۵۔ انسانیت میں فقر و افلاس کے پائے جانے کے منجملہ اسباب میں سے ایک سبب گداگری اور تن آسانی ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اس ناسور کی نا صرف بروقت تشخیص کی بلکہ اس کے لیے تیر بہدف نسخہ بھی تجویز کیا۔اس کے لیے ایک کام تو یہ کیا کہ آپ نے متعدد احادیث میں گداگری جیسی لعنت کی حوصلہ شکنی کی۔آپ نے فرمایا:

''وَلاَ فَتَحَ عَبْدٌ بَابَ مَسْأَلَةٍ اِلاَّ فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْهِ بَابَ فَقْرٍ''(۳۴)

(جب کوئی بندہ لوگوں سے مانگنا شروع کرتا ہے تو اللہ تعالی اس پر فقر وافلاس کا دروازہ کھول دیتا ہے۔)

اس لعنت کے سد باب کے لیے دوسرا کام آپ نے یہ کیا کہ اپنی امت کو تن آسانی سے منع کیا اور محنت اور ہاتھ کی کمائی کی ترغیب دی۔فرمایا:

''وَالَّذِی نَفْسِی بِيَدِهِ لَأَنْ يَأْخُذَ أَحَدُكُمْ حَبْلَهُ فَيَحْتَطِبَ عَلَى ظَهْرِهِ خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَأْتِيَ رَجُلاً فَيَسْأَلَهُ أَعْطَاهُ أَوْمَنَعَهُ''(۳۵)

(اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے!تم میں سے کوئی شخص اپنی رسی لے اور اپنی پیٹھ پر لکڑیاں لے کر آئے یہ اس کے لیے اس بات سے بہتر ہے کہ وہ کسی کے پاس جا کر اس کے سامنے دست سوال پھیلائے اور وہ اسے دے یا نہ دے۔)

ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''مَا أَكَلَ حَدٌ طَعَامًا قَطُّخَيْرًا مِنْأَنْيَأْ كُلَمِنْعَمَلِيَدِهِوَاِنَّبنا للّهِدَا وُدَ كَانَيَأْ كُلُمِنْعَمَلِيَدِهِ''(۳۶)

(کسی شخص نے اپنے ہاتھ سے کمائے ہوئے کھانے سے بہتر کھانا نہیں کھایا اور بلاشبہ حضرت داؤدؑ اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے۔)

تیسرا کام آپ نے یہ کیا کہ اہل ثروت کو ایسے ضرورت مند، محتاج اور مساکین کی ضروریات پوری کرنے کی ترغیب دی جو کسی بھی وجہ سے اپنی حاجات پوری کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے۔اس سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کے فرامین بے شمار ہیں جو کسی صاحب علم سے اوجھل نہیں ہیں اس لیے میں اختصار کے پیش نظر ان کی طرف اشارہ کرنے پر ہی اکتفا کرتا ہوں۔

۶۔ عہد رسالت میں اگر چہ عام حالات میں بھی مسلمان انتہائی تنگدست، فاقہ کش اور غربت کے مارے ہوئے تھے لیکن بسا اوقات ان کے حالات انتہائی دگر گوں اور افلاس کے اس آخری درجے تک جا پہنچتے تھے کہ جہاں ان میں سے کسی کی تھوڑی بہت مالی امداد بھی ان کی فاقہ کشی کا مداوا نہیں کر سکتی تھی، لہٰذا ان خاص حالات میں رسول اللہ ﷺ نے انھیں یہ تعلیمات دیں کہ وہ ان حالات میں اشیائے خورونوش ذخیرہ نہ کریں بلکہ ایثار سے کام لیں، چنانچہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ایک مرتبہ قربانی کے موقع پر فرمایا:

''مَنْضَحَّىمِنْكُمْفَلاَيُصْبِحَنَّبَعْد ثَالِثَةٍ وَفِيبَيْتِهِمِنْهُشَيْءٌ''(۳۷)

(تم میں سے جس شخص نے قربانی کی ہے وہ تیسرا دن اس حال میں نہ کرے کہ اس کے گھر میں گوشت کی ایک بوٹی بھی ہو۔)

چنانچہ صحابہ کرامؓ نے آپ کے حکم پر عمل کرتے ہوئے گوشت کو ذخیرہ کرنے کے بجائے بانٹ

دیا۔اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے ایک سفر میں صحابہ کرام کو حکم دیا:

''مَنْ كَانَ مَعَهُ فَضْلُ ظَهْرٍ فَلْيَعُدْبِهِ عَلَى مَنْ لاَ ظَهْرَ لَهُ وَمَنْ كَانَ لَهُ فَضْلٌ مِنْ زَادٍ فَلْيَعُدْبِهِ عَلَى مَنْ لاَ زَادَ لَهُ، قَالَ "فَذَكَرَ مِنْ أَصْنَافِ الْمَالِ مَا ذَكَرَ حَتَّى رَأَيْنَا أَنَّهُ لاَ حَقَّ لأَحَدٍ مِنَّا فِي فَضْلٍ''(۳۸)

(جس کے پاس زائد سواری ہو تو وہ اسے اس شخص کو لوٹا دے جس کے پاس سواری نہیں ہے اور جس کے پاس زائد کھانا ہے تو وہ اسے اس شخص کو لوٹا دے جس کے پاس کھانا نہیں ہے۔'' صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ اسی طرح چیزوں کے نام بیان فرماتے رہے حتیٰ کہ ہم نے یہ بات سمجھ لی کہ ہمارے زائد مال میں ہمارا کوئی حق نہیں ہے۔)

اس حدیث میں ایک نہایت لطیف اور قابل توجہ نکتہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے یہاں ''فَلْيَعُدْ بِهِ'' ''لوٹا دو'' کے الفاظ فرمائے ہیں نہ کہ یہ فرمایا کہ ضرورت مندوں کو سواری اور کھانا دے دو۔ سبھی لوگ جانتے ہیں کہ کسی چیز کے دینے اور لوٹانے میں بڑا واضح فرق پایا جاتا ہے۔ اگر آپ اپنے ذاتی حق میں سے کسی کو کچھ دیں تو یہ عطاء ہوگی لیکن اگر معاشرے کے ظالمانہ استحصالی نظام کے تحت کسی غریب کا حق آپ نے سلب کر رکھا ہے اور آپ اب اسے اس کے حقیقی حقدار تک پہنچا دیں تو یہ دینا نہیں بلکہ لوٹانا ہوگا، لہٰذا معلوم ہوا کہ انسان کے پاس جو زائد مال ہے وہ درحقیقت کسی غریب کا حق ہے۔ اب یہ اس کی مرضی ہے کہ وہ یہ حق کب اس کے حق دار کو لوٹاتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ جب دورِ فاروقی میں قحط پڑا تو لوگوں کی مشکلات رفع کرنے کے حوالے سے حضرت عمر فاروقؓ نے ارشاد فرمایا:

''خدا کی قسم! اگر قحط رفع نہ ہوتا تو میں ہر وسعت والے گھر میں ان کے گھریلو افراد کی تعداد کے برابر محتاج لوگ داخل کر دیتا کیونکہ ایک شخص کا کھانا یقیناً دو افراد کو ہلاک ہونے سے بچالیتا ہے۔''(۳۹)

معلوم ہوا کہ لوگوں کے پاس ضروریاتِ زندگی سے جو زائد مال ہے اس میں محروم المعیشت اور فقراء کا حق ہے۔

۷۔ رسول اللہ ﷺ نے انسدادِ غربت کے لیے ایک اقدام یہ بھی کیا کہ اسلامی حکومت کے علاقے میں جہاں بھی کوئی بے آباد افتادہ زمین پڑی تھی اس کے بارے میں علی الاطلاق یہ اعلان فرمایا:

''مَنْ أَحْيَا أَرْضًا مَيْتَةً فَهِيَ لَهُ''(۴۰)

(جس نے کوئی بے آباد افتادہ زمین آباد کی تو وہی اس کا مالک ہے۔)

رسول اللہ ﷺ نے بنجر زمینوں کے بارے میں یہ بھی فیصلہ فرمایا:

''أَنَّ الْأَرْضَ أَرْضُ اللَّهِ وَالْعِبَادَ عِبَادُ اللَّهِ وَمَنْ أَحْيَا مَوَاتًا فَهُوَ أَحَقُّ بِهِ''(۴۱)

(زمین ساری اللہ کی زمین ہے اور بندے بھی سب اللہ کے بندے ہیں اور جو شخص کسی بنجر زمین کو آباد کرے تو وہ اس زمین کا زیادہ حق دار ہے۔)

رسول اللہ ﷺ کے اسی اعلان کے پیشِ نظر سیدنا عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ کی حضرت بلال بن حارث مزنیؓ کو عطا کردہ جاگیر میں سے بے آباد زمین کے بارے میں اپنے دور میں یہ فیصلہ دیا تھا کہ تم جس قدر زمین آباد کر سکتے ہو وہ رکھ لو اور باقی لوٹا دو، چنانچہ آپ نے حضرت بلالؓ سے زائد زمین واپس لے کر مسلمانوں میں تقسیم کر دی تھی۔ (۴۲)

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے قبیلہ مزینہ یا جہینہ کے کچھ لوگوں کو جاگیر دی تھی، جسے انھوں نے آباد نہ کیا اور کسی دوسرے قبیلے کے لوگوں نے اس زمین کو آباد کر لیا۔ اس پر ان دونوں گروہوں کے مابین جھگڑا پیدا ہو گیا اور معاملہ حضرت عمرؓ تک جا پہنچا تو انھوں نے فرمایا:

> ''اگر یہ میرے یا ابوبکرؓ کے دور کا معاملہ ہوتا تو میں تمھیں لوٹا دیتا لیکن یہ تو رسول اللہ ﷺ کی عنایت کردہ جاگیر ہے۔'' یعنی بہت پرانا معاملہ ہے۔

پھر فرمایا:

> ''مَنْ كَانَتْ لَهُ أَرْضٌ ثُمَّ تَرَكَهَا ثَلاثَ سِنِينَ فَلَمْ يَعْمُرَهَا فعمرها قوم آخَرُونَ فَهُمْ أَحَقُّ بِهَا'' (۴۳)
>
> (جس کے پاس کوئی زمین ہو اور وہ تین سال تک اسے بنجر پڑی رہنے دے آباد نہ کرے اور دوسرے لوگ اسے آباد کر لیں تو وہ (آباد کرنے والے) اس زمین کے زیادہ حق دار ہیں۔)

۸۔ بنو نوع انسانیت میں اندھا دھند بڑھتی ہوئی غربت کا ایک سبب سوسائٹی کے بعض افراد کا سود، رشوت، ناجائز منافع خوری، ملاوٹ، ذخیرہ اندوزی جیسے حرام اور قبیح ذرائع آمدنی کے ذریعے سے سفید پوش طبقے اور غرباء کا معاشی استحصال ہے۔ سیرت الرسول ﷺ سے واضح ہوتا ہے کہ انسدادِ غربت کے لیے آپ نے اکتسابِ معیشت کے باب میں صرف حلال ذرائع کی اجازت دی اور مذکورہ اور ان جیسے دیگر حرام ذرائع معاش کو سوسائٹی میں کلّیتہً ممنوع اور حرام قرار دیا ہے تاکہ استحصال کا دروازہ ہی نہ کھلنے پائے۔ مضمون کی ضخامت مجھے ان حرام ذرائع معاش کی تفصیل میں جانے کی اجازت نہیں دیتی، لیکن صرف اتنا کہوں گا کہ آپ نے حرام ذرائع سے کمائی ہوئی دولت کو اس قدر قبیح قرار دیا کہ اس سے دیا ہوا صدقہ بھی قبول نہیں ہوتا۔ فرمایا:

> ''مَنْ جَمْعَ مَالاً حَرَامًا ثُمَّ تَصَدَّقَ بِهِ لَمْ يَكُنْ لَهُ فِيْهِ أَجْرٌ وَكَانَ اِصْرُهُ عَلَيْهِ'' (۴۴)
>
> (جس شخص نے حرام مال جمع کیا، پھر اسے صدقہ کر دیا تو اس کے لیے اس میں کوئی اجر نہیں ہے، بلکہ اس کا بوجھ اس پر ہوگا۔)

دورِ حاضر میں اگر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ متعدد بار حکمران طبقے کو مختلف مصائب و آلام

اور قدرتی آفات کے شکار لوگوں کی اشک شوئی کے لیے اندرونی اور بیرونی امداد حاصل ہوئی لیکن یہ کبھی بھی صحیح مستحقین تک نہیں پہنچ پائی۔ یہ بھی غربت میں اضافے کا ایک سبب ہے، رسول اللہﷺ نے اپنی تعلیمات، تربیت اور کردار سازی سے صحابہ کرام کو اس عیب سے بھی محفوظ کر دیا تھا۔ جنگ خیبر کا واقعہ ہے کہ رسول اللہﷺ کا مدعم نامی غلام آپ کی سواری تیار کر رہا تھا تو کسی جانب سے ایک تیر آیا جس نے اس کا کام تمام کر دیا۔ صحابہ کرام نے یہ معاملہ دیکھ کر کہا کہ یہ تو جنتی ہے۔ رسول اللہﷺ نے یہ سن کر فرمایا:

''كَلَّا وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ اِنَّ الشَّمْلَةَ الَّتِي أَخَذَهَا يَوْمَ خَيْبَرَ مِنَ الْمَغَانِمِ لَمْ تُصِبْهَا الْمَقَاسِمُ، لَتَشْتَعِلُ عَلَيْهِ نَارًا''

(خیبر کے روز مال غنیمت میں حاصل ہونے چھوٹی چادر جو اس سے تقسیم غنیمت سے پہلے لے لی تھی اس پر آگ بن کر بھڑک رہی ہے۔)

صحابہ کرام غبن کی یہ وعید سن کر خوف زدہ ہو گئے اور ایک شخص (مال غنیمت کے) ایک یا دو تسمے لے کر جمع کروانے کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا:

''شِرَاكٌ مِنْ نَارٍ – أَوْ – شِرَاكَانِ مِنْ نَارٍ''(۴۵)

(یہ جہنّم کا ایک تسمہ ہے یا یہ جہنّم کے دو تسمے ہیں۔)

یعنی اگر تو انھیں جمع نہ کرواتا تو یہ ایک دو تسمے تیرے لیے جہنّم کے ایک یا دو تسمے بن جاتے۔

۹۔ انسداد غربت کے لیے تعلیمات نبویﷺ میں ہر شہری کو معاشرتی راحت و سکون اور اس کی معیشت کے تحفّظ کی ضمانت دی گئی ہے اور رب العالمین نے مخلوق کو رزق کی فراہمی کی جو ذمہ داری اپنے اوپر لی ہے اس کی تکمیل نیابتِ الٰہی کے مستحق ہونے کی حیثیت سے اسلامی حکومت پر لازم ہے۔ اسلامی حکومت کی یہ اولین ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی رعایا کی بنیادی ضروریات کا خیال رکھیں اور اگر کوئی شخص اپنی ضروریات پوری کرنے پر قادر نہ ہو تو حکومت انھیں پورا کرے جیسا کہ سیرت رسولﷺ سے ہمیں اس کی متعدد زریں مثالیں ملتی ہیں۔ میں اس سلسلے میں حضور نبی اکرمﷺ کا ایک ارشاد نقل کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا:

''مَنْ تُوُفِّيَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فَتَرَكَ دَيْنًا فَعَلَيَّ قَضَاؤُهُ وَمَنْ تَرَكَ مَالاً فَلِوَرَثَتِهِ''(۴۶)

(جو صاحب ایمان قرض چھوڑ کر فوت ہو گیا تو اس کی ادائیگی میری ذمہ داری ہے اور اس نے جو مال چھوڑا وہ اس کے ورثاء کا ہے۔)

ایک دوسری حدیث میں رسول اللہﷺ نے واشگاف الفاظ میں علی الاطلاق فرمایا:

''فَالسُّلْطَانُ وَلِيُّ مَنْ لاَ وَلِيَّ لَهُ''(۴۷)

(حکمران (یا حکومت) ہر اس آدمی کا سرپرست اور ذمہ دار ہے جس کا کوئی سرپرست نہ ہو۔)

اس حدیث سے یہ حقیقت اظہر من الشّمس ہو جاتی ہے کہ اسلامی ریاست کی یہ بنیادی ذمہ داری ہے کہ وہ محروم المعیشت افراد کے معاشی استحکام اوران کی کفالت کا اہتمام کرے اوراس کے لئے جملہ ذرائع بروئے کار لائے جائیں۔عوام کی معاشی ضروریات کی تکمیل کی ذمہ داری حکومتِ وقت پر کس حد تک عائد ہوتی ہے اس کا اندازہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ کے اس خطبے سے ہوتا ہے جو آپ نے قادسیہ کی فتح کی خوشخبری سنانے کے موقع پر ارشاد فرمایا:

''میں اس بات کا شدید خواہش مند ہوں کہ جب تک ہم میں سے کوئی کسی کے لیے گنجائش رکھتا ہے تو میں تمھاری جو بھی ضرورت دیکھوں اسے پورا کروں۔جب ہمارے اندر اتنی گنجائش نہ رہ جائے تو ہم باہمی امداد کے ذریعے گزر اوقات کریں گے یہاں تک کہ سب کا معیارِ زندگی ایک سا ہو جائے۔کاش تم جان سکتے کہ میرے دل میں تمہارا کتنا خیال ہے۔لیکن میں یہ بات تمہیں عمل کے ذریعے ہی سمجھا سکتا ہوں۔خدا کی قسم میں بادشاہ نہیں ہوں کہ تم کو اپنا غلام بنا کر رکھوں بلکہ خدا کا بندہ ہوں (حکومت کی) امانت میرے سپرد کی گئی ہے۔اب اگر میں اس کو اپنی ذاتی ملکیت نہ سمجھوں بلکہ (تمہاری امانت سمجھ کر) تمہاری طرف واپس کر دوں اور تمہارے پیچھے پیچھے چلوں یہاں تک کہ تم اپنے گھروں میں سیر ہو کر کھا پی سکو تو میں تمہارے ذریعے فلاح پاؤں گا اور اگر میں اسے اپنا بنا لوں اور تمہیں اپنے پیچھے پیچھے چلنے اور (اپنے حقوق کے لیے) اپنے گھر آنے پر مجبور کر دوں تو تمہارے ذریعہ میرا انجام خراب ہوگا۔(دنیا میں) کچھ عرصے خوشی منالوں گا مگر (آخرت میں) عرصہ دراز تک غمگین رہوں گا اور میرا حال یہ ہوگا کہ نہ کوئی مجھے کچھ کہنے والا ہوگا اور نہ کوئی میری بات کا جواب دے گا کہ میں اپنا عذر بیان کر کے معافی حاصل کر سکوں۔''(۴۸)

رسول کریم ﷺ کی انھی تعلیمات کا اثر تھا کہ خلفائے راشدین نے اپنے دورِ خلافت میں اس ذمہ داری کا کمال احساس رکھا اور اسے پورا کرنے کے لیے مصروفِ کار رہے۔حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اگر ساحلِ فرات پر کوئی بے سہارا اونٹ مر جائے تو مجھے ڈر ہے کہ اللہ مجھ سے اس کے بارے میں باز پرس کرے گا۔''(۴۹)

یہ ان زریں اصولوں میں سے اختصار سے بیان کردہ چند چیدہ چیدہ اصول ہیں جن پر رسول اللہ ﷺ نے اسلامی معیشت کی عمارت کی نہ صرف بنیاد رکھی بلکہ یہ پیش گوئی بھی فرمائی کہ عنقریب تمھیں اس نظامِ معیشت کی برکات سے طول وعرض میں پھیلی ہوئی سلطنت اسلامیہ میں ایک بھی غریب فرد دکھائی نہیں دے گا۔رسول اللہ ﷺ نے حضرت عدی بن حاتمؓ کو مختلف پیش گوئیاں بیان کرتے ہوئے فرمایا:

''وَلَئِنْ طَالَتْ بِهَ حَيَاةٌ لَتَرَيَنَّ الرَّجُلَ يُخْرِجُ مِلْءَ كَفِّهِ مِنْ ذَهَبٍ أَوْ فِضَّةٍ يَطْلُبُ مَنْ يَقْبَلُهُ مِنهُ فَلاَ يَجِدُ أَحَدًا يَقْبَلُهُ مِنهُ''(۵۰)

(اگر تمھاری زندگی نے وفا کی تو تم ضرور ایسے شخص کو دیکھو گے جو مٹھی بھر سونا یا چاندی لے کر اس تلاش میں نکلے گا کہ کوئی اس سے یہ سونا چاندی (بطور صدقہ) قبول کر لے لیکن وہ کسی ایک بھی ایسے فرد کو نہیں پائے گا جو اس سے اس سونے چاندی کو لے لے۔)

اور پھر چشم فلک نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور خلافت میں تین براعظموں پر محیط اور تقریباً ستاون لاکھ اکانوے ہزار مربع میل رقبے پر مشتمل وسیع وعریض سلطنت اسلامیہ میں اس پیش گوئی کو حقیقت کا روپ دھارتے دیکھا۔ عمر بن اسیدؒ بیان کرتے ہیں:

"**واللّٰه ما مات عمر بن عبد العزیز حتی جعل الرجل یأتینا بالمال العظیم فیقولون اجعلوا هذا حیث ترون فی الفقراء فما یبرح حتی یرجع بماله یتذکر من یضعه فیهم فلا یجده فیرجع بماله قد أغنی عمر بن عبد العزیز الناس**"(۵۱)

(اللہ کی قسم! سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ کی وفات سے قبل یہ حالات تھے کہ لوگ مال کثیر لے کر حاضر ہوتے اور کہتے کہ فقراء میں جہاں آپ اسے مناسب سمجھتے ہیں خرچ کر دیں۔ لوگ مسلسل یاد کرتے رہتے کہ کسے یہ مال دیں لیکن کوئی شخص نہ ملتا (جسے وہ مال دیا جا سکتا ہو) چنانچہ وہ شخص مال واپس لے جانے پر مجبور ہو جاتا۔ بلاشبہ عمر بن عبدالعزیزؒ نے لوگوں کو مالدار اور غنی کر دیا تھا۔)

امام بیہقیؒ یہ حکایت بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"**فی هذه الحکایة تصدیق ما روینا فی حدیث عدی بن حاتم عن النبی من قوله**"(۵۲)

(اس واقعہ سے رسول اللہ ﷺ کے حضرت عدی بن حاتم سے مروی مذکورہ فرمان کی تصدیق ہوتی ہے۔)

بحیثیت مسلمان میرا اعتقاد ہے کہ اگر آج بھی ہمیں اسلامی تعلیمات پر یقین اور صداقت نبوی پر ایمان ہو اور ہم صدق دل سے رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کو اپنی متاع حیات بنا لیں تو وہ وقت دور نہیں جب انسانیت غربت کے عفریت سے چھٹکارا حاصل کر لے گی۔ ورنہ جتنی بھی کوشش کر لی جائے دنیا جہان کا جو بھی جدید سے جدید نظام اپنا لیا جائے غربت کا خاتمہ نہیں ہو سکتا۔

حوالہ جات

1. http://data.worldbank.org/indicator/SI.POV.2DAY& http://en.wikipedia.org/wiki/Measuring_poverty#cite_note-6
2. http://ur.wikipedia.org/wiki/%D8%BA%D8%B1%D8%A8%D8%AA
3. http://tribune.com.pk/story/675805/sdpi-report-58-7m-pakistanis-living-below-poverty-line/
4. http://wdi.worldbank.org/table/2.8
5. http://www.urduvoa.com/content/us-poverty/1751792.html
6. http://epp.eurostat.ec.europa.eu/tgm/table.do?tab=table&init=1&language=en&pcode=t2020_50&plugin=1
7. http://www.oxfam.org/en/eu/pressroom/pressrelease/2013-09-12/25-million-more-europeans-risk-poverty-2025-if-austerity-drags-on
8. http://www.oxfam.org/en/eu/pressroom/pressrelease/2013-09-12/25-million-more-europeans-risk-poverty-2025-if-austerity-drags-on

۹۔ اس کا حوالہ آئندہ آئے گا۔

۱۰۔ البخاری، محمد بن اسماعیل ، أبو عبد الله الجعفی،الجامع الصحیح ،دارالسلام للنشر والتوزیع، الریاض،۱۹۹۹م،وکتاب الرقاق، بابکیفَ کانَ عَیشُ النَّبِیِّ – صلی اللّٰه علیه وسلم – وَاأَصْحَابِهِ ، وَتَخَلِّیهِم مِنَ الدُّنیَا، ح:۶۴۵۲

۱۱۔ صحیح البخاری ، کِتَاب الصَّلَاۃِ، باب عَقدِ الازَارِ عَلَی القَفَا فِی الصَّلاۃَ، ح:۳۵۲،وباب الصَّلاۃَ فِی القَمِیصِ وَالسَّرَاوِیلِ وَالتُّبَّانِ وَالقَبَاءِ ،ح:۳۶۵، و باب نَومِ الرِّجَالِ فِی المَسجِدِ ،ح:۴۴۲،و مسلم بن الحجاج، أبو الحسن القشیری ، الجامع الصحیح، دارالسلام للنشر والتوزیع، الریاض، ۱۹۹۸ م، کِتَاب الصَّلَاۃِ، بَاب الصَّلَاۃِ فِی ثَوبٍ وَاحِدٍ وَصِفَةِ لِبیسِهِ، ح: ۵۱۵

۱۲۔ صحیح البخاری ، الجهاد، باب حَملِ الزَّادِ عَلَی الرِّقَابِ ،ح:۲۹۸۳، وکتاب الرقاق، باب کیفَ کَانَ عَیُشُ النَّبِیﷺ وَاَصحَابِهِ، ح:۶۴۵۳

۱۳۔ صحیح البخاری ، الرقاق، باب کَیُفَ کَانَ عَیُشُ النَّبِیِّ ﷺ وَاَصحَابِهِ ، وَتَخَلِّیهِم مِنَ الدُّنیَا، ح: ۶۴۵۸_۶۴۵۹

۱۴۔ نفس المصدر، ح: ۶۴۵۴

۱۵۔ نفس المصدر، ح: ۶۴۵۷

۱۶۔ الترمذی، محمد بن عیسی، السنن،دارالسلام للنشر والتوزیع، الریاض، ۱۹۹۹م، وکتاب الزهد، باب مَنِ اتَّقَی المَحَارِمَ فَهُوَ اَعبَدُ النَّاسِ، ح:۲۳۰۵،وأحمد بن محمد بن حنبل، أبو عبدالله الشیبانی، المسند، مؤسسة قرطبة، القاهرة،ط.ن:۳۱۰/۲

17۔ صحیح البخاری ، الرقاق، باب الغِنَی غِنَی النَّفسِ، ح:۶۴۴۶،وصحیح مسلم، کِتَاب الزکاۃ، باب لَیسَ الغِنَ؟ عَن کثرَۃِ العَرَضِ، ح:۱۰۵۱

18۔ سورۃ النحل:۱۶/۱۷

19۔ سورۃ الذاریات:۵۱/۱۹

20۔ سنن الترمذی،الجهاد، باب مَا جَاءَ فِ الاِستِفتَاحِ بِصَعَالِیکِ المُسلِمِینَ، ح:۱۷۰۲، ومسند الأمام أحمد:۵/۱۹۸

21۔ سنن الترمذی، الزهد،باب فِی التَّوَکلِ عَلَ اللّٰهِ، ح:۲۳۴۵

22۔ صحیح البخاری ، کِتَاب الزکاۃ ، باب أَخذِ الصَّدَقَةِ مِنَ الأَغنِیَاءِ وَتُرَدَّ فِی الفُقَرَاءِ حَیثُ کَانُوا، ح:۱۴۹۶، وصحیح مسلم، کِتَاب الایمان ، باب الدُّعَاءِ اِلَی الشَّهَادَتَینِ وَشَرَائِعِ الأِسلاَمِ ، ح:۱۹

23۔ صحیح البخاری ، کِتَاب الزکاۃ ، باب زَکَاۃِ الغَنَم، ح:۱۴۵۴

24۔ أبو داؤد،سلیمان بن الاشعث السجستانی، السنن، دارالسلام للنشر والتوزیع، الریاض، ۱۹۹۹م، کِتَاب الخَرَاجِ ، بَاب فِی اَخذِ الجِزیَةِ، ح: ۳۰۴۰،النسائی، أحمد بن شعیب، أبوعبد الرحمن، المجتبی من السنن، دارالسلام ، الریاض، ۱۹۹۹م، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ البقر، ح: ۲۴۵۰

25۔ الهروی، القاسم بن سلام،ابوعبید، کتابالأموال، دارالضیلة ، السعودیة، ۲۰۰۷م:۱/۸۶، البیهقی، أحمد بن الحسین بن علی بن موسی ،أبو بکر، السنن الکبری،مکتبة دار الباز، مکة المکرمة ،۱۹۹۴م:۸/۱۹۵۔۱۹۸

26۔ الهروی، القاسم بن سلام،ابوعبید، کتابالأموال:۱/۸۶

27۔ ابن زنجویه، حمید، الأموال، مرکز الملک فیصل للبحوث والدراسات الاسلامیة، السعودیة،۱۹۸۶م:۱/۱۶۲

28۔ الأموال لابن زنجویه:۱/۱۶۹،الأموال للقاسم بن سلام:۱/۱۰۳

29۔ نفس المواضع

30۔ صحیح البخاری ، کِتَاب الجزیَةِ ، باب الجِزیَةِ وَالموَادَعَةِ مَعَ أهلِ الحَربِ

31۔ صحیح مسلم، کِتَاب البر والصلة والادب ، باب الوَعِیدِ الشَّدِیدِ لِمَن عَذَّبَ النَّاسَ بغَیرِ حَقٍّ، ح:۲۶۱۳

32۔ نعمانی،شبلی،مولانا،الفاروق،دارالاشاعت،اردوبازار،کراچی،ط۔ن،ص:۲۸۲

33۔ ابویوسف، یعقوب بن ابراهیم، کتاب الخراج ، دارالمعرفة، بیروت،۱۹۸۹م،ص:۳۷

34۔ سنن الترمذی،الزهد، باب مَا جَاءَ مَثَلُ الدُّنیَا مَثَلُ اَربَعَةِ نَفَرٍ، ح: ۲۳۲۵،ومسند الأمام أحمد:۲/۴۱۸

35۔ صحیح البخاری ، کِتَاب الزکاۃ ، باب الاِستِعفَافِ عَنِ المَسأَلَةِ، ح: ۱۴۷۰

36۔ صحیح البخاری ، کِتَاب البیوع ، باب کَسبِ الرَّجُلِ وَعَمَلِهِ بِیَدِهِ، ح:۲۰۷۲

۳۷۔ صحیح البخاری ، کِتَاب الاَضَاحِیِّ ، باب مَا یُوکلُ مِن لحومِ الاَضَاحِیِّ وَمَا یُتَزَوَّدُ مِنهَا ، ح:۵۵۶۹، وصحیح مسلم، کِتَاب الاَضَاحِیِّ ، باب بَیَانِ مَا کَانَ مِنَ النَّهیِ عَنی اکلِ لُحُومِ الاَضَاحِیِّ بَعدَ ثَلاَثٍ فِی اَوَّلِ الِسلاَمِ وَبَیَانِ نَسخِهِ وَاِبَاحَتِهِ اِلَی مَتَی شَاءَ، ح:۱۹۷۴

۳۸۔ صحیح مسلم، کِتَاب اللقطة ، باب استِحبَابِ المُوَاسَاۃِ بِفُضُولِ المَالِ، ح:۱۷۲۸

۳۹۔ البخاری، محمد بن اسماعیل ، ابو عبد اللہ الجعفی، الادب المفرد، دارالبشائر الاسلامیة،بیروت،۱۹۸۹م،ص:۱۹۸،رقم:۵۶۲

۴۰۔ سنن ابی داود ، الخراج، باب فِی اِحیَاءِ المَوَاتِ، ح:۳۰۷۵

۴۱۔ نفس المصدر، ح:۳۰۷۸

۴۲۔ کتاب الخراج لابی یوسف، ص:۶۲

۴۳۔ کتاب الخراج لابی یوسف،ص:۶۱۔ *تین سال سے زائد بنجر زمین رکھنے پر حق ملکیت آباد کار کی طرف منتقل ہونے کے بارے میں ایک مرفوع حدیث بھی مروی ہے(کتاب الخراج لابی یوسف،* ص:۶۵)*لیکن وہ ضعیف ہے*(الالبانی ، محمد ناصر الدین بن الحاج ،سلسلة الاحادیث الضعیفة والموضوعة:۲/۲۹،دار المعارف، الریاض، السعودیة،۱۹۹۲م)*اس لیے میں نے اسے متن میں ذکر نہیں کیا۔*

۴۴۔ ابن حبان ،محمد بن حبان بن احمد، ابو حاتم التمیمی البستی، صحیح ابن حبان بترتیب ابن بلبان،موسسة الرسالة،بیروت،۱۹۹۳م:۱۱/۸،ابن خزیمة، محمد بن اسحاق، ابوبکر السلمی النیسابوری،الصحیح ،المکتب الاسلامی، بیروت،۱۹۷۰م:۱۱۰/۴

۴۵۔ صحیح البخاری ، کِتَاب الایمان والنذور، باب هَل یَدخُلُ فِی الایمَانِ وَالنُّذُورِ الاَرضُ وَالغَنَمُ وَالزُّرُوعُ وَالاَمتِعَةُ، ح:۶۷۰۷، وصحیح مسلم، کِتَاب الایمان، باب غِلَظِ تَحرِیمِ الغُلُولِ وَاَنَّهُ لاَ یَدخُلُ الجَنَّةَ اِلَّا المُومِنُونَ ،ح:۱۱۵

۴۶۔ صحیح البخاری ، کِتَاب النفقات ، باب قَولِ النَّبِیِّ – صلی اللہ علیہ وسلم – مَن تَرَکَ کَلًّا اَو ضَیَاعًا فَاِلَیَّ، ح:۵۳۷۱

۴۷۔ سنن ابی داود، کتاب النکاح، باب فی الولی، ح:۲۰۸۵، سنن الترمذی، کتاب النکاح، باب ما جاء لا نکاح الا بولی، ح:۱۱۰۲

۴۸۔ ابن کثیر، اسماعیل بن عمر ، ابو الفداء الدمشقی، البدایة والنهایة ،داراحیاء التراث العربی، ۱۹۸۸م:۷/۵۴۔۵۵

۴۹۔ ابن سعد، محمد بن سعد بن منیع ،ابو عبداللہ، الطبقات الکبری،دار صادر، بیروت، لبنان،ط.ن.:۳/۳۰۵

۵۰۔ صحیح البخاری ، کِتَاب المناقب، باب عَلاَمَاتِ النُّبُوَّۃِ فِی الاِسلاَمِ ،ح:۳۵۹۵

۵۱۔ البیهقی، دلائل النبوة:۶/۴۹۳،دار الکتب العلمیة ؟ ودار الریان للتراث،۱۹۸۸م

۵۲۔ نفس الموضع

خطباتِ احمدیہ ــــ تحلیل وتجزیہ

ابوسفیان اصلاحی☆

Abstract:

"Sir Syed Ahmad Khan is one of the prominent Muslim personalities of subcontinents although controversially religiously in some matters, however his some achievements, politically as well as religiously are notable, Khutabaat-e-Ahmadia is one of them. Its subject matter is Seerah of the Holy Prophet Mohammad (ﷺ) Sir Syed wrote this book in respond of William Muir's Allegations on the Prophet and rejected all of the objections in the light of living evidences from Quran & Sunnah and logic also. The following detailed research article is an analytical study of Khutabbat - e - Ahmadia Raised in his book "Life of Mohammad."

سرسید کے تجدیدی کارناموں کی روشنی میں انھیں مجدد اور مفکّر کے القاب سے یاد کیا جائے تو ہرگز مبالغہ نہ ہوگا۔ بعض موضوعات ایسے ہیں جن میں سرسید کو تاسیسی درجہ حاصل ہے۔ اس کی تفصیل میں نہ جاتے ہوئے صرف اتنا اشارہ کرنا مناسب ہوگا کہ انھوں نے ہندوستانی مصنّفین اور اسلامی محققین سے متانت ومعروضیت کا مطالبہ کیا، سیرت مقدسہ کے تعلّق سے مطالعۂ استشراق پر زور دیا اور تقابل ادیان میں خشتِ اول کا کردار ادا کیا نیز تفسیر قرآن کے لیے آسمانی صحیفوں سے استفادہ، اسرائیلیات سے عدم اعتناء اور ضعیف وموضوع روایات کو ناقابلِ اعتبار قرار دیا۔ سرسید نے ایک علمی انقلاب برپا کیا، تعقل پسندی پر اتنا زور دیا کہ کہیں کہیں جادۂ اعتدال سے ہٹ بھی گئے۔

سیرۃ النبی اور محبّت رسول ﷺ کے بارے میں سرسید کی پہلی تصنیفی دلیل ''جلاء القلوب بذکر المحبوب'' سے کیا۔ اس کتاب کی ترتیب کا مقصد یہ تھا کہ میلاد کے نام پر جو بہت سارے واقعات اور ضعیف روایات نقل کی جاتی جارہی ہیں یا محافل میلاد میں پڑھی جاتی رہی ہیں ان سے قطع نظر ایک صاف ستھری اور حقائق پر مبنی سیرت پاک پیش کی جائے۔ اس میلاد نامے میں سرسید نے بہت سی ایسی چیزیں نقل

☆ شعبہ عربی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

کی تھیں جن سے آگے چل کر سرسید کو خود بھی اتفاق نہ رہا۔ بہر کیف سرسید نے اسے ترتیب دے کر میلادناموں کی دنیا میں ایک نئی روایت کی بنیاد ڈالی۔[۱] اس کے علاوہ سرسید کے حب رسول کو ان کی مختلف تحریروں، تصانیف، تفسیر، تبیین الکلام اور مقالات میں دیکھا جا سکتا ہے۔ مقالات سرسید میں ایسے بہت سے مقالات مل جائیں گے جن کی سیرت کے باب میں ایک مستند نمائندگی ہے۔[۲]

سیرت نگاری کے تعلّق سے سرسید کا سب سے بڑا، منفرد اور ممتاز کارنامہ ''خطبات احمدیہ'' ہے۔ یہ دراصل "Life of Mohammad" کا جواب ہے جسے ایک معروف انگریز، آگرہ اور اودھ کے لیفٹیننٹ گورنر سر ولیم میور (Sir William Muir) (۱۸۱۹ء-۱۹۰۵ء) نے ترتیب دیا ہے جو ۱۸۶۵ء میں حکومت برطانیہ کے معتمد محکمہ خارجہ تھے اور ۱۸۶۸ء میں ہندوستان میں لیفٹیننٹ گورنر متعیّن کیے گئے۔ اپنی منصبی مصروفیات کے ساتھ ساتھ عربی، عبرانی اور فارسی زبانوں میں مہارت حاصل کی۔ نیز تاریخ اسلام کا مطالعہ بھی کیا، انگریزی کے علاوہ بعض دیگر یوروپین زبانوں سے بھی واقف تھے۔ چھ سات کتب کے مصنّف ہیں وہ ایک باعمل عیسائی تھے۔[۳]

جہاں پادری سی. جی. پی فانڈر (۱۸۶۵ء-۱۸۰۳ء) نے انہیں ایک تنقیدی سیرت پاک لکھنے کا مشورہ دیا۔[۴] لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس تنقیدی اور تجزیاتی سیرت پاک کا ڈانڈا تخفیف و تنقیص سے مرتبط ہے۔ اس تنقیدی سیرت نگاری میں کچھ مقامات پر شعوری اور کچھ مقامات پر غیر شعوری طور پر غلطیاں کی گئی ہیں۔ ولیم میور اور بہت سے دیگر مستشرقین نے سرور کائنات ﷺ کی عظمت کو گھٹانے اور ہمہ گیریت کو سمیٹنے کی کوششیں کی ہیں مگر یہ سب رائیگاں گئیں اور دنیا کے سو بڑے لوگوں کی تصویر کشی کرتے ہوئے مائیکل ہاٹ نے آپ کو سرفہرست رکھا۔ آج سے بہت پہلے قرآن کریم نے ''ورفعنالک ذکرک'' [اور ہم نے تیرا ذکر بلند کیا] کہہ کر یہ واضح کر دیا تھا کہ دنیا کے گوشے گوشے کو آپ کے ذکر، آپ کی ثناخوانی اور آپ کے اوصاف و امتیازات سے آباد کیا جائے گا، خود قرآن کریم نے آباد کرنے کا حکم بھی دیا ہے۔ انہی تمام وجوہ کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے صراحت کر دی کہ:

''وإنک لعلی خلق عظیم'' (القلم: ۶۸/۴) (اور تو بے شک بڑے (عمدہ) اخلاق پر ہے۔)

اس کتاب کو دیکھنے اور اس کے مضامین کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد انھیں شدید دھچکا لگا اور ان کے ذہن میں ولیم میور کی صاف شفاف تصویر غبار آلود ہوگئی۔ کیوں کہ انھوں نے بہت سے واقعات کو توڑ مروڑ کر پیش کیا ہے۔ دوسرے انھوں نے غیر مستند مآخذ پر انحصار کیا ہے اور تیسرے بہت سے ایسے واقعات نقل کیے جو تحقیقی اعتبار سے بہت لچر ہیں، اس طرح کی بے احتیاطیاں مسلم علماء اور مستشرقین دونوں کے یہاں پائی جاتی ہیں۔ سرسید رقم طراز ہیں:

> '' آنحضرت کی زندگی کے حالات جن کو مسلمان سیر اور انگریز لائف کہتے ہیں۔ صرف دین دار مسلمان عالموں ہی نے نہیں لکھے بلکہ غیر مذہب کے علماء اور مؤرخین نے بھی

بہت کچھ لکھا ہے مگر نہایت افسوس ہے کہ وہ دونوں افراط وتفریط میں پڑ گئے۔ پہلوں کی آنکھوں میں تو کمال روشنی کے سبب چکا چوند آ گئی اور پچھلوں کی آنکھیں بجلی کی چمک سے بند ہو گئیں۔ پہلے تو شراب محبّت کی سرشاری میں بات سے بھٹک گئے اور پچھلے اس راستہ کی ناواقفیت سے منزل تک نہ پہنچے۔ پہلے تو یہ بھولے کہ وہ کس کا بیان کرتے ہیں اور پچھلوں نے اسی کو نہ جانا کس کا وہ ذکر کرتے ہیں۔''(۵)

آنحضور ﷺ سے سرسید کی دینی، ذہنی، اور فکری وابستگی تھی، اور یہ حب رسالت صرف عقیدت پر مبنی نہیں بلکہ متدل سوچ پر منحصر تھی۔ اسی لیے انھیں ولیم میور کی تبشیریت اور غیر علمی انداز پر رونا آیا اور یہ طے کیا کہ ولیم میور کی استشراقی عیاریوں کا دلائل کی روشنی میں جواب دیا جائے۔ چنانچہ جواب دینے کے لیے اس کا فارسی میں ترجمہ کروایا۔(۶) اور ۱۸۶۹ء میں انگلستان کا سفر کیا اور اپنے سوا سال کے قیام میں برٹش میوزیم اور انڈیا آفس لائبریری سے خاصا استفادہ کیا۔ کیوں کہ بہت سے ایسے مصادر اور مراجع تھے جو ہندوستان میں دستیاب نہیں تھے۔ مولانا الطاف حسین حالی مآخذ کے باب میں یوں لکھتے ہیں:

''انھوں نے انڈیا آفس کے کتب خانہ سے کتابیں بہم پہنچائیں۔ برٹش میوزیم کی لائبریری سے بہت سی اطلاعات حاصل کیں، سیر کی عربی کتابیں جو مصر و فرانس اور جرمنی میں چھپی تھیں وہاں سے منگوائیں اور چند لیٹن اور انگریزی کی پرانی کتابیں جو نایاب تھیں بہت گراں قیمت پر لندن کے بازار سے خریدیں اور شب و روز کی لگا تار محنت سے بارہ ایسے خطبے یا مضمون لکھ کر ایک لائق انگریز سے انگریزی میں ترجمہ کرائے اور لندن ہی میں ''خطبات احمدیہ'' کے نام سے اس کو چھاپ کر مشتہر کیا۔''(۷)

سرسید نے پہلے اس کا جواب اردو میں تحریر کیا۔ اس کے بعد اسے انگریزی میں منتقل کروایا۔ لیکن اردو ایڈیشن انگریزی ایڈیشن کے سترہ سال بعد ۱۸۸۷ء میں منظر عام پر آیا۔ یہاں یہ صراحت ضروری ہے کہ انگلستان کا سفر، وہاں کا قیام، مآخذ کے تراجم اور خطبات احمدیہ کی تسوید اور اس کے انگریزی ورژن کی طباعت ایسے مسائل تھے جو سرسید کے لیے انتہائی پریشان کن تھے کیوں کہ وہ معاشی بدحالیوں کا شکار تھے۔ سرسید کے نہایت عزیز دوست نواب محسن الملک مولوی سید مہدی علی خاں رقم طراز ہیں:

''جب سید احمد خاں لندن جانے کو تھے تو مالی مشکلات اس قسم کی تھیں کہ اگر کوئی دوسرا شخص ہوتا تو اس ارادے کو پورا نہ کر سکتا مگر انھوں نے اپنا نہایت قیمتی کتب خانہ فروخت کر ڈالا۔ اپنے گھر اور کوٹھی کو رہن رکھ دیا اور لندن کے سفر کی تیاری کی۔''(۸)

جب اس سے بھی ان کا مقصد پورا نہ ہوتا ہوا دکھائی دیا تھا تو دوستوں سے قرض لیا تا کہ اس کی طباعت میں کسی طرح کی تاخیر نہ ہو۔ اپنے اسی تکمیل عشق رسول کے لیے سود پر بھی قرض لینا گوارا کیا۔ اسی سلسلے میں اپنے دوست محسن الملک کو تحریر کیا:

''چاہے میں محتاج، فقیر، بھیک مانگنے کے قابل ہو جاؤں، مگر کتاب ضرور چھپواؤں گا۔

تا کہ جب قیامت کے دن میرا نام پکارا جائے تو خدا فرمائے کہ سید احمد کو بلاؤ جو اپنے نانا کے نام پر فقیر ہو کر مر گیا۔"(۹)

ایک خط میں یہ بھی تحریر کیا کہ: "اگر میری یہ کتاب تیار ہوگئی تو میں لندن میں آنا دس حج کے برابر سمجھوں گا۔ خدا قبول کرے۔"

مآخذ کے تعلّق سے سرسید کا ایک خط اور نقل کیا جارہا ہے جس میں سرسید کی ان اندرونی کیفیت کو بھی ملاحظہ کیا جاسکتا ہے کہ انھیں اس کتاب کے آنے سے کسی قدر دلی رنج ہے۔

"ان دنوں ذرا قدرے دل کو شورش ہے، ولیم صاحب نے جو کتاب آنحضرت کے حال میں لکھی ہے اس کو میں دیکھ رہا ہوں اس نے دل کو جلا دیا اور اس کی نا انصافیاں اور تعصّبات دیکھ کر دل کباب ہوگیا اور مصمّم ارادہ کیا کہ آنحضرت ﷺ کی سیر میں جیسا کہ پہلے سے ارادہ تھا۔ کتاب لکھ دی جائے۔ اگر تمام روپیہ خرچ ہوجائے اور میں فقیر بھیک مانگنے کے لائق ہوجاؤں تو بلا سے، قیامت میں یہ تو کہہ کر پکارا جاوے گا کہ اس فقیر مسکین احمد کو جو اپنے دادا محمد ﷺ کے نام پر فقیر ہو کر مر گیا حاضر کرو، ما را نغمہ شاہنشاہی بس است۔ میں نے فرانس اور جرمن سے اور مصر سے کتب سیر منگانی شروع کر دی ہیں۔ چٹھیات روانہ ہوگئیں۔ سیرت ہشامی مطبوعہ اور چند کتابیں لیٹن کی خرید لیں۔ ایک آدمی مقرر کر لیا جو لیٹن کا ترجمہ کر کے مضمون بتلا سکے۔"(۱۰)

ولیم میور کی کتاب کا جواب لکھنے کے لیے سرسید جنونی ہوگئے تھے۔ اپنا تن من دھن سب کچھ قربان کرنے کے لیے تیار تھے پر انھیں کسی طرح گوارا نہ تھا کہ سرورِ کونین ﷺ پر بے بنیاد الزامات لگائے جائیں۔ انھوں نے مولوی سید مہدی علی خاں کو خط لکھتے ہوئے اپنے جذبات کو ان لفظوں میں قلم بند کیا:

" آپ اس خط کے پہنچنے پر میر ظہور حسین کے پاس جائیے اور میری یہ درخواست ہے دونوں صاحب مل کر کسی مہاجن سے میرے لیے ہزار روپے قرض لیجیے، سود اور روپیہ میں ادا کروں گا، ہزار روپیہ بھیجنے کے لیے دلی لکھا ہے اور میں نے لکھا ہے کہ کتابیں اور میرا اسباب یہاں تک کہ ظروف مسی تک فروخت کر کر ہزار روپیہ بھیج دو۔۔۔ کیا کہیے اس کتاب کے پیچھے خواب وخور حرام ہوگیا ہے۔ خدا مدد کرے۔"(۱۱)

ایک دوسرے خط میں مزید لکھتے ہیں:

"میں روز وشب تحریر کتاب سیر مصطفوی ﷺ (یعنی خطباتِ احمدیہ) میں مصروف ہوں۔ سب کام چھوڑ دیا ہے، لکھتے لکھتے کمر درد کرنے لگتی ہے۔"(۱۲)

ولیم میور کی گستاخیوں سے سرسید ہوش وحواس کھو بیٹھے تھے، وہ یہاں تک لکھ گئے کہ " آئندہ ڈاک میں فہرست لاگت کتاب بھیجوں گا جس سے معلوم ہوگا کہ کس قدر خرچ ہوا۔ آپ نے اور تمام دوستوں نے جس قدر مدد کی وہ نہایت ہی عمدہ اور بہت ہی غنیمت تھی ورنہ زہر کھا کر مر جانے کے سوا اور کچھ چارہ نہ تھا۔"(۱۳)

سرسید کی اس عظیم دینی اور علمی خدمات کا اعتراف شیخ محمد اسماعیل پانی پتی نے بڑے بھلے انداز میں اس طرح کیا ہے:

''اس وقت مسلمانوں میں آج کل جیسا قحط الرجال نہ تھا بلکہ بڑے بڑے فاضل اور جید علماء موجود تھے جن کی ساری عمر قال اللہ اور قال الرسول میں گزری تھی۔ جنھوں نے مختلف فیہ مسائل پر سینکڑوں کتابیں لکھی تھیں اور لکھ رہے تھے مگر پورے ملک میں ایک عالم کے بھی کان پر جوں نہ رینگی اور کسی کو بھی احساس نہ ہوا کہ یہ اسلام اور بانیٔ اسلام علیہ الصّلوٰۃ والسّلام پر کتنا بڑا ایٹم بم پھینکا گیا ہے اور اسے پڑھ کر کتنا سادہ لوح اور ناواقف انگریزی خواں مسلم نوجوان ذات نبوی سے بدظن ہو کر عیسائیت کی آغوش میں چلے جائیں گے اس ملک کے مسلمانوں میں سے، بلکہ صحیح طور پر یوں کہیے کہ ایرانی و ترکستانی، عرب و عراق، شام و مصر، تونس و طرابلس، الجیریا و مراکش غرض تمام دنیائے اسلام میں سے صرف سرسید ایسا پیدا ہوا جو اگرچہ انگریزی نہیں جانتا مگر اس نے اس کتاب کو منگوایا اور اس کا ترجمہ کروا کے اس کے مضامین کو پڑھا اس کا دل جل کر کوئلہ ہو گیا۔''(۱۴)

مذکورہ سطور سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ولیم میور کی علمی بددیانتیوں سے سرسید کو کس درجہ قلق اور صدمہ تھا وہ اس کی تردید کے لیے بہر حال تیار تھے۔ جب مختلف موانع و مشکلات سے گزرتے ہوئے یہ کتاب طباعت کے مرحلے سے گزر گئی تو اس پر آپ نے اپنی انتہائی خوشی کا اظہار مندرجہ الفاظ میں کیا:

''میری کتاب خطباتِ احمدیہ ایک مسلمان متبحر نے پڑھی جو قسطنطنیہ سے یہاں آیا ہے جو الفاظ کہ اس نے کہے اور مجھے لکھے اور جس طرح میرے ہاتھ چومے اس کی لذت میں جانتا ہوں، کتاب جلد بندی سے تیار ہو گئی۔ اور کتب فروش کی دکان میں فروخت کو رکھی گئی۔''(۱۵)

خطبات احمدیہ کے انگریزی ترجمہ پر سرسید کو شرح صدر حاصل تھا۔ آپ کی خواہش تھی کہ زبان و بیان کے اعتبار سے یہ کتاب اعلیٰ مرتبت پر فائز ہو، کیوں کہ یہ انگریزوں کے لیے لکھی گئی تھی۔ انہیں کے سامنے حقائق کو پیش کرنا تھا۔ سیرت مطہرہ کے تعلّق سے ان کے علماء کرام نے جو بدگمانیاں پیدا کر ڈالی تھیں ان کا تسلّی بخش اور مدلل جواب دینا، اگر زبان میں سقم ہوا اور انداز غیر موثر رہا تو اپنی تمام تر معنوی صلابت کے باوجود انھیں متاثر نہ کر سکے گی۔ اسی لیے سرسید شستہ اور شگفتہ علمی زبان میں اسے پیش کرنے کے خواہش مند تھے۔ چنانچہ اللہ نے ان کی اس خواہش کو پار لگایا۔ محسن الملک کو لکھتے ہیں:

''میری دانست میں نہایت خیر خواہی اسلام کی اور سب سے زیادہ ضرورت اس بات کی تھی کہ یہ کتاب انگریزی زبان میں چھاپی جاوے۔ اس لیے انگریزی چھاپنا شروع کر دیا اور اردو ابھی ملتوی ہے۔ علاوہ ازیں اس کے انگریزی عبارت لکھنے والے عمدہ اور کم قیمت پر یعنی بہ نسبت ہندوستان یہاں ملے ہیں ہندوستان میں ممکن نہ تھا جو شخص کی میری کتاب انگریزی میں لکھتا ہے اس کی لیاقت کا کوئی انگریز ہندوستان میں نہیں ہے

پس ایسا شخص ہندوستان میں کہاں ملتا۔ اگر میری یہ کتاب طیار ہو گئی جس میں دس باب ہیں تو میں لندن میں آنا دس حج کے برابر اور باعث اپنی نجات کا سمجھوں گا خدا قبول کرے۔ آمین۔"(۱۶)

ولیم میور کی کتاب سرسید پر کوہ الم بن کر ٹوٹی۔ یہی وجہ ہے کہ اس رنج والم سے نجات حاصل کرنے کے لیے اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیا اور سچے محبّ رسول کی یہی شناخت ہے۔ ایک طرف مالی دشواریاں اگر زنجیر پا بنی ہوئی تھیں تو دوسری طرف حکومتِ برطانیہ کی عداوت مول لینی بھی ان کے لیے آسان نہ تھی۔ کیوں کہ ان کے ذہن میں بہت سے ملی مسائل اٹھ رہے تھے۔ مدرسۃ العلوم کی تاسیس ان کے دماغ میں پرورش پا رہی تھی۔ بنفسِ نفیس حکومتِ برطانیہ کے ملازم تھے اور انہی ایام میں بیٹے سید محمود کو حکومتِ برطانیہ کی جانب سے اعلیٰ تعلیم کے لیے انگلستان جانے کے لیے ایک وظیفہ بھی ملا تھا۔ اب ایسے میں ایک موثر لیفٹیننٹ گورنر ولیم میور کے لیے تیغ بے نیام ہونا آسان نہ تھا۔ لیکن ان تمام تحفّظات اور نزاکتوں کو بالائے طاقت رکھتے ہوئے دریائے آگ میں کود پڑے جوان کے لیے بردوسلام بن گئی۔ شیخ اسماعیل پانی پتی نے سرسید کے آہنی عزم اور حب رسول کا تجزیہ یوں کیا ہے:

"دنیا میں ڈرپوک، بزدل اور خوشامد پسند لوگ بھی بکثرت ہوتے ہیں اور ہر زمانہ میں ہوتے ہیں، چنانچہ جب اس بات کی عام شہرت ہوئی کہ سید احمد خاں ولایت جا کر سر ولیم میور کی کتاب کا جواب لکھنا چاہتے ہیں تو سرسید کے بعض ملنے والوں نے ان کو اس ارادے سے بہت سختی کے ساتھ روکنا چاہا اور طرح طرح سے فضاء کی غیر موزونیت کو سمجھانا چاہا کہ موقع، وقت اور مصلحت ہرگز ایسی نہیں کہ ایسا اقدام کیا جائے۔ خواہ مخواہ اپنی جان کو مصیبت میں کیوں ڈالتے ہو، نوکری سے بھی جاؤ گے اور آزادی سے بھی۔ نہ صرف تمہیں قید ہو گی بلکہ بہت ممکن ہے کہ پھانسی کا بھی حکم ہو جائے۔ غدر ابھی ہو چکا ہے اور انگریز کا غصہ ابھی کم نہیں ہوا۔ اس غصہ کی آگ میں تم بھسم ہو کر رہ جاؤ گے، پہلے ہی مرتے مرتے بچے ہو۔ جب تم نے "اسباب بغاوت ہند" لکھ کر اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالا تھا، ویسی ہی بیوقوفی پھر کرنے لگے ہو۔ اور نئی کتاب لکھ کر اپنے سر پر نئی مصیبت لانا چاہتے ہو۔"(۱۷)

خطبات احمدیہ سرسید کا ایسا کارنامہ ہے جس نے مسلمانوں کی آنکھیں کھول دی ہیں۔ سرسید کے نزدیک مستشرقین یا معاندین کی تحریروں پر واویلا مچانا، چیخ و پکار کرنا اور تحریروں میں لعن طعن کرنا غیر سنجیدہ عمل ہے۔ نکتہ سنجی اور بصیرت کا تقاضا ہے کہ ان تحریروں کا علمی و تحقیقی جواب دیا جائے۔ خطبات احمدیہ اس طرح کا ایک مدلل و مبرہن جواب ہے۔ اس جواب کے آنے سے عیسائیت میں ایک کھلبلی مچی۔ جس کا ذکر سرسید نے یوں کیا ہے:

"۱۸۷۰ء میں جبکہ خطبات احمدیہ چھپ کر شائع ہوئی تو اس پر لندن کے ایک اخبار میں انگریز نے لکھا تھا کہ عیسائیوں کو ہوشیار ہونا چاہیے کہ ہندوستان کے ایک مسلمان نے

انھیں کے ملک میں بیٹھ کر ایک کتاب لکھی ہے جس میں اس نے دکھایا ہے کہ اسلام ان
تمام داغوں اور دھبوں سے پاک ہے جو عیسائی اس کے خوشنما چہرے پر لگاتے ہیں۔"(۱۸)

عیسائیوں کے ایک طبقہ کی یہ ایک غیر دانش مندانہ وغیر منصفانہ سوچ تھی لیکن ایسا بھی نہیں کہ تمام تر عیسائیت اس تعصّب اور غیر عادلانہ نہج کی شکار ہے۔ چنانچہ ایک معروف عیسائی محقق، عالم اور آثار الصنا دید کا مترجم گارسی دتا ساں کا خیال ہے کہ سرسید نے جس طرح توریت، زبور اور انجیل کی تفسیر وتشریح کی ہے وہ انداز ہمارے عیسائی محققین کے یہاں نہیں ملتا۔ اس نے بڑے کھلے دل سے یہ اعتراف کیا ہے کہ توریت اور زبور کی آیات کریمہ پر سرسید کی گہری نظر ہے۔(۱۹) اسی طرح خطبات احمدیہ اور تبیین الکلام میں بے شمار عبرانی مفردات پر تجزیاتی تبصرہ موجود ہے اس کا بھی ان کے یہاں فقدان ہے۔ اسی طرح بہت سے علم دوست اور انصاف پسند عیسائی علماء نے بھی سرسید کی علمی عظمت کا اعتراف کیا ہے۔ سرسید کے سیرت نگار کرنل گریہم (Colonel G.F.I. Graham) خطباتِ احمدیہ کے متعلق رقم طراز ہیں:

"ان خطبوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصنّف کا غیر معمولی تعمق نظر، دیگر مذاہب کے ساتھ حد
درجہ رواداری اور اصلی عیسائیت کے سچے اصول کا حد درجہ احترام کرتے۔"(۲۰)

سرسید پہلے شخص ہیں جنھوں نے مطالعۂ استشراق میں تفکّر وتدبر پر زور دیا اور اس تناظر میں جذباتیت اور سب وشتم کو ناپسند کیا۔ وہ کتاب کا جواب کتاب سے دینے کے متمنّی تھے۔ ولیم میور نے سیرت کے تعلّق سے بہت سے مسائل اٹھائے ہیں اور ان مسائل کی روشنی میں آنحضور ﷺ کی شخصیت اور اسلام کی حقانیت کو داغدار کرنے کی کوشش کی ہے۔ ولیم میور کی ان بے بنیاد نکات کا خطباتِ احمدیہ میں دانشورانہ جواب دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ سرسید نے اپنی تفسیر، مقالات اور تصانیف میں جا بجا حدیث کی صحت وسقم پر اظہار خیال کیا ہے۔ اگر ان بکھرے ہوئے مباحث کو یکجا کیا جائے۔ تو حدیث لٹریچر میں کار آمد اضافہ ہوسکتا ہے۔ نیز سرسید نے اپنے نظریۂ قانونِ فطرت کے پیش نظر جہاں حدیث کے تئیں غیر ذمہ دارانہ موقف اختیار کیا ہے اس پر تنقید بھی کی جاسکتی ہے۔ تہذیب الاخلاق میں سرسید نے حدیث کی صحت وسقم پر مضامین تحریر کیے ہیں، جن سے محدثین کی غیر ذمہ داریوں کو سمجھا جاسکتا ہے۔(۲۱) اسی ضمن میں سرسید نے واقدی کی بے احتیاطیوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ اس کی انہی کوتاہیوں سے مستشرقین نے فائدہ اٹھایا ہے۔ ڈاکٹر اسپرنگر (Springer) اور ولیم میور دونوں نے واقدی سے استفادہ کیا۔ سرسید نے "مواہب لدنیہ" کی شرح کی روشنی میں بتایا کہ واقدی ایک غیر معتبر شخص ہے۔(۲۲) جیسا کہ شرح میں "میزان" کے حوالے سے کہا گیا:

"الواقدی محمد بن عمر بن الواقدی الاسلمی المدنی الذی استقراء
الاجماع علی وهنه"(۲۳)

(واقدی محمد بن عمر واقدی، اسلمی، مدنی کے ضعف پر اجماع کلی ہے۔)

سرسید نے اپنی کتاب میں بہت سے مستشرقین کا ذکر کیا ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہے کہ منجملہ کو

ہدفِ تنقید بنایا ہو، انصاف پسند مستشرقین کی مدح سرائی بھی ہے۔ ان کے یہاں تسوید و تحقیق کبھی بھی عدل و انصاف سے علاحدہ ہو کر نہیں چل سکتی۔ ایک طرف متعصّب مستشرقین کا خطبات احمدیہ میں ذکر کیا گیا تو دوسری طرف انصاف پسند مستشرقین کی بھی توصیف کی گئی مثلاً گرتھہ، اماری، تالدائک اور دواری کی تصانیف سے سیرت طیبہ کی حقیقی تصویر ابھرتی ہے۔ کواٹرلی ریویو کے ایک مقالہ کا ذکر کرتے ہوئے سرسید نے بتایا کہ:

''ان مؤرخوں نے بہت سی دنیا کو یہ بات سکھلا دی کہ مذہب اسلام ایک شگفتہ اور تروتازہ چیز ہے اور ہزاروں ثمر ور جوہروں سے بھرپور ہے اور محمد (ﷺ) کی خصلت کو کیسا ہی سمجھا جاوے، انسانیت کی سنہری کتاب میں اپنے لیے جگہ حاصل کی ہے۔''(۲۴)

اسلام اور اللہ کے رسول ﷺ کے تئیں جن متعصّبین نے طعنہ و تشنیع کا بیڑا اٹھا رکھا ہے اس میں ایک نمایاں نام ڈاکٹر اسپرنگر کا ہے جس کی انگریزی کتاب ۱۸۵۱ء میں الہ آباد سے چھپی۔ یہ کتاب بھی بغض و عناد کا پلندہ ہے۔ اس کی اصلیت اور مصنّف کی دریدہ دہنی کا ذکر سرسید نے مندرجہ ذیل لفظوں میں کیا ہے:

''مگر وہ کتاب بسبب غلطیوں کے جو اس کے مضمون کی صحت میں ہیں کچھ اعتبار کے لائق نہیں ہے، علاوہ اس کے ایک اور خرابی انھوں نے اس کتاب میں یہ کی ہے کہ اس کا طرزِ بیان نہایت مبالغہ آمیز اختیار کیا ہے۔ ان کی طبیعت پہلے ہی سے ایسے تعصّبات اور یک طرفہ رائے سے بھری ہوئی معلوم ہوتی ہے جو کسی قسم کے مصنّف کو اور بالتخصیص ایک مؤرخ کو کسی طرح زیبا نہیں ہے۔''(۲۵)

سرسیّد اپنی کتاب میں مذکورہ مستشرق کی اسلام دشمنی اور پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف ہرزہ سرائی کی مثال نقل کرتے ہیں جس سے مستشرقین کے متعصّب طبقے کے خبثِ باطن کا بآسانی اندازہ لگایا جا سکتا ہے:

''اسلام محمد ﷺ'' کا ایجاد نہیں ہے، وہ ایسے مکار کا نکالا ہوا مذہب نہیں ہو سکتا، مگر اس میں کچھ شک نہیں کہ اس مکار نے اپنی بداخلاقی اور طبیعت کی برائی سے اس کو بگاڑا اور جو بہت سے مسائل اس میں قابل اعتراض ہیں وہ اسی کی ایجاد ہیں' نعوذ باللّٰہ من هذه الاقاويل. كبرت كلمة تخرج من افواههم ان يقولون الا كذبا. (۲۶)

ڈاکٹر اسپرنگر کی ایک کتاب چھ جلدوں میں بزبان جرمن ہے۔ سرسید نے فرمایا کہ جرمن زبان سے ناواقفیت کی بناء پر میں استفادہ کرنے سے قاصر ہوں لیکن میرے ایک جرمن دوست نے بتایا کہ یہ کتاب ابن اسحٰق اور واقدی پر مبنی ہے اس لیے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ کس نوعیت کی کتاب ہے۔ یقیناً دیگر کتابوں کی طرح یہ کتاب بھی تعصّبات کا مجموعہ ہے۔ اس کا تحقیق و تجزیہ سے کوئی علاقہ نہیں ہے۔ یہ صحیح، غلط، مشتبہ اور لغو روایات کا ذخیرہ ہے۔ (۲۷)

مستشرقین کا اختصار سے جائزہ لیتے ہوئے سرسید نے بتایا کہ ولیم میور کی کتاب کی اصل بنیاد واقدی پر ہے جس کا مسلمانوں کے یہاں کوئی اعتبار نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضور ﷺ کی صاف

وشفاف تصویر کو بگاڑنے کی کوشش کی گئی ہے اور اسلام کی حقانیت کو توڑ مروڑ کر پیش کیا گیا ہے۔ پی فندر نے ولیم میور کو مستند مآخذ کی روشنی میں سیرت طیبہ کو ترتیب دینے کے لیے کہا تھا لیکن اس کے برعکس تعصّب کو بنیاد بنایا گیا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ پی فندر اور ولیم میور دونوں اسلام دشمنی کا شکار تھے۔ سر سید نے اس دشمنی کا ذکر یوں کیا ہے:

> ''لیکن میں نہایت افسوس سے یہ بات کہتا ہوں کہ باوجودیکہ سر ولیم میور صاحب نہایت نیک طبیعت ہیں اور بڑی قابل توصیف لیاقتیں رکھتے ہیں۔ اس پر ان کی طبیعت پر اس غرض اور منشاء کا جس سے وہ کتاب لکھنی شروع کی ایسا اثر پیدا ہوا جیسا کہ ایسی حالت میں اوروں کی طبیعت پر پیدا ہونا قیاس کا مقتضا ہے اور اس سبب سے اسلام کی دلچسپ اور سیدھی سادی عمدہ باتیں بھی ان کو بری اور بھونڈی اور نفرت انگیز معلوم ہوئیں اور یہ اثر ان کی طبیعت کا ایسا تھا کہ اس کے سبب سے ان کی کتاب پڑھنے والے اپنے ذہن میں ان کی تحریر کو ایک زیادتی سمجھتے تھے۔ لیکن جیسا اکثر ہوتا ہے۔ ویسا ہی اس میں بھی ہوا کہ اس حد اعتدال سے متجاوز تحریر نے سر ولیم میور صاحب سے اس کتاب کے لکھنے کی خواہش کی تھی بلکہ برعکس اس کے یہ نتیجہ ہوا کہ جس شخص کو پی فندر نے تاریکی کا فرشتہ بنانا چاہا تھا وہ روشنی کا فرشتہ نکل آیا۔''(۲۸)

خطباتِ احمدیہ کا ایک امتیازی پہلو یہ ہے کہ عربوں کے حسب ونسب اور ان کے عادات و اطوار کا نہایت مستند خاکہ پیش کیا ہے۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ عربوں کی رسومات کا جائزہ لینے کے لیے کلام عرب کو بنیاد بنایا گیا، کیوں کہ یہ سبھی کو معلوم ہے کہ ''الشعر دیوان العرب''، یعنی عربوں کی وضع قطع کی سچی تصویر ان کے اشعار میں دیکھی جا سکتی ہے۔ اسی لیے سر سید نے مختلف اشعار نقل کرتے ہوئے ان کی حرکات وسکنات کو پیش کیا ہے۔ جس کا اردو سیرت نگاروں کے یہاں فقدان ہے۔ عرب کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے محقق کا کردار ادا کیا ہے۔ سر سید اسلامیات کے بنیادی مآخذ سے واقف تھے۔ چنانچہ اس موضوع پر لکھتے ہوئے عبرانی مآخذ سے بھی استفادہ کیا ہے۔ احقر کا خیال ہے کہ اردو سیرت نگاروں میں ایک بھی ایسا سیرت نگار نہیں ہے جو عبرانی زبان سے واقف ہو۔ چنانچہ جزیرۃ العرب کے متعلّق سر سید نے تحریر کیا 'کتاب توریہ ثنی باب (۱)، ورس (۷)، اور باب (۲) ورس (۸) میں لفظ عربہ پایا جاتا ہے۔ وجہ تسمیہ کے موضوع پر طویل گفتگو کی گئی ہے۔ لفظ عربہ کے معنی وادی اور بیابان کے ہیں۔ چوں کہ عرب کا ایک بڑا حصہ وادیوں اور بیابان پر مشتمل ہے اس لیے اسے عرب کہا جاتا ہے۔ ہر قصبہ کے نام کے پہلے ''عربہ'' لگایا جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جزیرے کے ایک حصہ کو ''عربات'' کہا جاتا ہے۔ سر سید نے اپنی یہ توجیہہ ''کتاب توریہ'' کے حوالے سے پیش کی ہے۔ بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ تہامہ کے پاس ایک گاؤں کا نام ''عربہ'' تھا۔ اسی کی وجہ سے پورے جزیرے کو جزیرۃ العرب سے موسوم کیا گیا۔ جس سے سر سید کو اتفاق نہیں ہے۔ چوں کہ سر سید عبرانی اور عربی سے بخوبی واقف تھے اس لیے انہیں قیاس آرائیوں

پر یقین نہیں آتا تھا۔ خطبات احمدیہ میں اس تعلّق سے مزید مدلل گفتگو کی گئی ہے۔ لیکن خوف طوالت سے اسے یہاں قلم انداز کیا جارہا ہے۔ (۲۹)

سرسید نے عربوں پر بحث کرتے ہوئے قوم عاد کا ذکر کیا ہے اس کے متعلّق بہت سی روایات ایسی ہیں جنہیں میزان عقل وفہم میں نہیں رکھا جاسکتا، مثلاً بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ قوم عاد کے ہر شخص کا قد بارہ ارش لمبا تھا یعنی اس زمانہ کے جولوگ ہیں اگر اپنے دونوں ہاتھوں کو سیدھا پھیلا دیں تو ان کی لمبائی سے بارہ گنا زیادہ لمبا قد قوم عاد کا تھا۔ بعض کتابوں میں ان کے قد کا لمبان کا اس سے بھی زیادہ مبالغہ کیا گیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ ان کی قوت کا یہ حال تھا کہ چلنے میں ان کے پاؤں زانوں تک زمین میں دھنس جاتے تھے۔ (۳۰)

قوم عاد کی تاریخ کا ذکر کرتے ہوئے مؤرخین نے ''باغ ارم'' کا بھی ذکر کیا ہے اور اس کی تصویر کشی میں انتہائی مبالغہ آرائی کی گئی ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ اس کی سرزمین پر لعل اور یاقوت بچھے ہوئے تھے اور اس کی دیواریں سونے اور چاندی کی تھیں۔ درخت زمرد، یاقوت، نیلم اور قسم قسم کے جواہرات سے بنائے گئے تھے اور زعفران بجائے گھاس اور عنبر بجائے مٹی کے تھا۔ تاریخ میں یہ بھی پایا جاتا ہے کہ معاویہ ابن ابی سفیان کے زمانۂ خلافت میں ایک آدمی وہاں جا کر بے شمار جواہرات سے اپنی جھولی بھرلایا جب خلیفہ نے وہاں جانے کا قصد کیا تو ہزاروں جتن کے باوجود بھی وہاں تک رسائی نہ ہوسکی۔ حضرت علی کے حوالے سے یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ یہ باغ ارم آسمان پر اٹھالیا گیا اور قیامت کے دن دیگر بہشتوں کے ساتھ یہ باغ ارم بھی ایک بہشت کی حیثیت سے نمودار ہوگا۔ سرسید نے مذکورہ تمام خیالات کو بے بنیاد قرار دیا ہے۔ (۳۱) سرسید نے لفظ ''ارم'' پر بھی روشنی ڈالی ہے اور بتایا کہ قوم عاد کے اجداد میں کسی کا نام ''ارم'' تھا۔ جس کی طرف قوم عاد کا انتساب تھا۔ اسی کا ذکر قرآن کریم میں اس طرح کیا گیا ہے:

''أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ. إِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ. الَّتِيْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِيْ الْبِلَادِ'' (الفجر: ۸۹/ ۶۔۸)

(کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے عادیوں کے ساتھ کیا کیا، ستونوں والوں ارم کے ساتھ، جس کے مانند (کوئی قوم) ملکوں میں پیدا نہیں کی گئی۔)

اس آیت کریمہ میں ذات العماد سے قوم عاد کا قد آور اور قوی ہونا مراد ہے جس کا ذکر دوسری آیت کریمہ میں اس طرح کیا گیا ہے:

''وَأَمَّا عَادٌ فَأُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمَانِيَةَ اَيَّامٍ حُسُوْماً فَتَرَى الْقَوْمُ فِيْهَا صَرعىٰ كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ'' (الحاقہ: ۶۹/ ۷)

اور عاد بے حد تیز وتند ہوا سے غارت کر دیئے گئے جسے ان پر لگا تار سات رات آٹھ دن تک (اللہ نے) مسلّط رکھا پس تم دیکھتے ہو کہ یہ لوگ زمین پر اس طرح گر گئے جیسے کہ

کھجور کے کھوکھلے تنے ہوں۔)

اس آیت کریمہ میں انھیں ''کأنه أعجاز نخل خاويه'' سے تشبیہ دینا بھی علامت ہے کہ قد کے اعتبار سے قوم عاد ایک عدیم النظیر قوم تھی۔ان کے قد کی مثال دیگر اقوام میں نہیں ملتی ہے۔سرسید نے مزید فرمایا کہ ارم سے مراد بنی ارم ہے۔یہ بالکل اسی طرح ہے بنی ہاشم اپنے دادا ہاشم سے منسوب کیے جاتے تھے اب اگر کوئی انہیں عجب الخلقت قرار دے یا انسانوں سے علاحدہ کر کے انھیں نئے نئے امتیازات سے جوڑنا شروع کر دے تو مناسب نہیں۔[۳۲]

سرسید نے عربوں کے حسب ونسب اور تاریخی سلاسل کو موضوع بحث بناتے ہوئے بہت سے قیمتی مباحث پر بھی اظہار خیال کیا۔مثلاً قوم ثمود، عرب العاربہ اور عرب المستعمرۃ پر لکھتے ہوئے اہم نکات اٹھائے ہیں۔ان نکات کی تلاش میں صحف آسمانی، قرآن کریم، روایات اور مستشرقین کے خیالات سے معاونت حاصل کی ہے۔اسی طرح اس میں حضرت ابراہیم علیہم السّلام کے بیٹے کی قربانی کا مسئلہ بھی موضوع بحث بنایا گیا ہے اور اس اختلاف کی طرف اشارہ کیا گیا کہ یہ اشارہ حضرت اسماعیل علیہ السّلام کی طرف ہے یا حضرت اسحٰق علیہ السّلام کی طرف؟ سرسید نے توریت مقدس، قرآن کریم اور حدیث کا ذکر کرنے کے بعد بتایا کہ ان کی کوئی ایسی صراحت نہیں ہے جس سے معلوم ہو سکے کہ ذبیح اللّٰہ کون ہے؟ سرسید کا یہ نقطہ نظر بے بنیاد ہے۔[۳۳] اس مسئلے کو مولانا فراہی نے اپنی کتاب ''**الرای الصحیح فیمن هو الذبیح**'' میں تفصیل سے ذکر کیا ہے۔صحف آسمانی، قرآن کریم اور احادیث سے دلائل دیتے ہوئے یہ ثابت کیا کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السّلام ہیں۔یہ حقیقت ہے کہ کسی زبان میں اب تک ایسی مدلل کتاب نہیں لکھی گئی۔[۳۴] یہی بازگشت علامہ شبلی کی سیرۃ النبی میں بھی دیکھی جا سکتی ہے۔[۳۵] اپنے اس نقطہ نظر کو مدلل بنانے کے لیے علامہ نے اپنے شاگرد مولانا حمید الدین فراہی سے استفسار کیا، جس کی شہادت مکاتیبِ شبلی میں بھی ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔[۳۶]

اس کتاب میں سرسید نے عربوں کے مراسم اور عادات پر بھی روشنی ڈالی ہے عربوں کے عادات واطوار کی واضح تصویر دو چیزوں کلام عرب اور قرآن کریم میں دیکھی جا سکتی ہے۔یہی دونوں حقیقی مصادر و مراجع ہیں۔عربوں کے مراسم کا ذکر کرتے ہوئے ان کی تجارت کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ان کے دور دراز کے اسفار پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔عربوں کے یہاں کفایت شعاری ایک مستحسن عمل تھی جس کا ذکر باہلی نے اپنے بھائی کے مرثیہ میں اس طرح کیا ہے:

تكفيه فلذة لحم إن الم بها

من الشواء ويكفي شر به الغمر[۳۷]

معتدل نیند بھی ان کے یہاں ایک نعمت سے کم نہ تھی۔ہذلی نے اس کی تعریف ان لفظوں میں کی ہے:

قليل غرار النوم اكبر همه

دم الثار أويلقى كميا مسفعا[38]

علی الصباح اٹھنا بھی عربوں کے یہاں اچھی عادت میں شمار تھا جیسا کہ امرالقیس اسے ایک قابل ذکر چیز سمجھ کر یوں اظہار کرتا ہے:

وقد اغتدى والطير في وكناتها[39]

عربوں کے یہاں مہمان نوازی، سخاوت اور ایثار کا ذکر خاصہ ملتا ہے۔ مہمان نوازی ان کی خصوصیات کا جزءلاینفک تھی۔ ضیافت میں وہ کیا کیا کر بیٹھیں اور اپنے کتنے جانوروں کو ذبح کر دیں کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ اس طرح کی داستانوں سے ان کی تاریخ مملو ہے۔ سفراء کی تکریم کو اپنا فریضہ تصور کرتے۔ اس اکرام واعزاز سے کسی کے یہاں غفلت پائی جاتی تو اس پر اظہار نکیر کرتے۔ چنانچہ ہذلی شاعر نے خود کو اس وقت مطعون کرنا مناسب تصور کیا اگر وہ اکرام ضیوف میں کسی طرح کی تساہلی کا شکار ہو۔

لادر درى الا اطعمت نازلكم

قشر الحتى وعندى البر مكنوز [40]

عربوں کے یہاں غیر معمولی محبّت تھی، عزت نفس کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر دیا کرتے تھے اور اس کے لیے کچھ کر گزرنے کو تیار رہتے۔ اس طرح ایفائے عہد بھی ان کے یہاں غیر معمولی چیز تھی۔ اس کو بہرحال پورا کرتے تھے۔ جیسا کہ عمرو کہتا ہے:

ونوجد نحن امنعهم ذمارا

واوفاهم إذا عقدوا يمينا[41]

صاف ستھری پوشاک انھیں عزیز ہوتی، خوشبودار چیزوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اس طرح کے موضوعات سے ان کی شاعری لبریز ہے۔ عدوانی کی بیٹی اپنے شوہر کی تعریف اس طرح کرتی ہے:

حديث الشباب، طيب الثوب والعطر[42]

اسی طرح بالوں کو مشک سے معطّر کرنے اور خوشبودار چمڑے کی جوتیاں پہننے کو عرب خواتین ترجیح دیتی تھیں۔ ایک شاعر نے اپنی ممدوحہ کی یوں تعریف کی ہے:

اذا التاجر الدارى جاء بفارة

من المسک اراحت فى مفارقه تجرى

پرہیز گاری بھی ان کے یہاں اہمیت کی حامل شمار کی جاتی، حاتم طائی کے یہاں اس کا ذکر یوں ملتا ہے:

واغفر عوراء الكريم ادخارهٔ

واعرض عن شتم اللئيم تكرما[43]

عرب اپنی فصاحت وبلاغت اور لطافت وظرافت پر اس قدر نازاں تھے کہ دیگر تمام اقوام کو

گونگا تصور کرتے۔ تکمیل فضیلت اس کے بغیر نا قابل تصور ہوتی جیسا کہ حاتم طائی نے اس کی اہمیت کا احساس یوں دلایا ہے۔

وإن غراراً ان یکن غیر واضح
فانی احب الجون ذا المنطق الدمم(۴۴)

نابغہ اپنی کندزبانی کو لے کر اللہ کے حضور یوں حاضر ہوتا ہے:

اعذنی رب من حصروعی(۴۵)

بدکاری اور زناکاری ان کے یہاں شی مذموم نہ تھی، بلکہ بصد افتخار اس کا برسر عام چرچا کرتے، شراب نوشی ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ قمار بازی ان کا محبوب مشغلہ تھا، لونڈیوں کو گانا بجانا اور رقص کرنا سکھایا جاتا تھا۔ وہ حرام کاری کے لیے مجاز تھیں۔ اس کی آمدنی ان کے آقاؤں کو جاتی تھی۔ رہزنی، غارتگری اور قتل ان کے معمولات کا حصہ تھیں۔ انسانوں کا خون بلاخوف اور بلا تاسف بہاتے تھے۔ جنگ میں قید ہونے والی عورتوں کو فتح مند لونڈی بنالیا کرتے تھے۔ حارث شاعر کہتا ہے:

ثم ملنا علی تمیم فاحرمنا
وفینا بنات مراماء(۴۶)

ٹوٹکوں اور شگون لینے میں بھی انہیں نہایت اعتقاد تھا۔ جب کوئی مصیبت اور تباہی ان پر نازل ہوتی تھی تو پتھر کی چھوٹی چھوٹی کنکریوں پر کچھ پڑھ کر پھونکتے تھے تاکہ ان کے مصائب دور ہوجائیں، جانوروں کے اڑنے اور بولنے سے شگون لیتے تھے۔ اسی طرح جانور اگر کسی شخص کو بائیں طرف سے دائیں طرف کاٹتا تو نیک شگون لیتے تھے، اگر دائیں طرف سے بائیں طرف کاٹتا تو بدشگونی تصور کرتے، اور اسے ''جارح'' کا نام دیتے۔ اس طرح کے تفاءل کو ''طیرۃ'' کہا جاتا ہے:

لعمرک ماتدری الضوارب بالحصی
ولازاجرات الطیر ما الله صانع(۴۷)

عربوں کے یہاں منت ماننے کا تصور بھی عام تھا وہ کہتے کہ اگر یہ کام ہوگیا تو بھیڑ کی قربانی کریں گے۔ اس کو ''عتیرۃ'' کہا جاتا ہے۔ کعب اپنے خاندان کی تعریف میں کہتا ہے:

وماعتر الظباء بحی کعب(۴۸)

یہ دستور بھی تھا کہ جب کوئی مرجاتا تو اس کے اونٹ کو اس کی قبر پر باندھ دیا جاتا۔ یہاں تک بھوک پیاس کی شدت سے دم توڑ دیتا۔ لبید شاعر نے اپنے ممدوح کی سخاوت کی یوں تعریف کی ہے:

تاوی الی الاطناب کل ذریة
مثل البلیة قالص أهدامها(۴۹)

جب کوئی مرجاتا تھا تو دس روز تک اس کا سوگ رکھتے تھے اور اس کو رویا کرتے تھے۔ لبید نے اپنے وارثوں کو یوں وصیت کی ہے:

الی الحول ثم اسم السلام علیکما
ومن یبک حولاً کاملاً فقد اعتذر[۵۰]

مذکورہ اشعار کے علاوہ سرسید نے مزید اشعار نقل کرتے ہوئے عربوں کی خصوصیات کو منظر عام پر لانے کی کوشش کی ہے۔ ان اشعار کی روشنی میں عربوں کی رسم وریت کو بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔[۵۱] سرسید کی اس بحث سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ دورِ جاہلی کی شاعری کا سرسید نے گہرا مطالعہ کیا تھا۔ ان اشعار کے بغیر ان کی معاشرتی زندگی تک رسائی ناممکن ہے۔ اشعار عرب کو اپنی مختلف بحثوں میں بنیاد بناتے تھے۔ اپنے مقالات اور اپنی تفسیر میں بھی مفردات کی توضیح وتشریح کے لیے کلام عرب سے استشہاد کیا ہے۔[۵۲] اسی بنیاد پر لفظ ''جن'' پر نہایت عالمانہ بحث کی ہے۔[۵۳] ان کے نزدیک ایک مفسّر کی کلام عرب پر گہری نظر ہونی چاہیے تاکہ بہت سے قرآنی اسالیب اور حقائقِ مفردات کا ادراک ہو سکے۔ ہندوستان کے تین مفسّرین مہائمی، سرسید اور مولانا حمیدالدین فراہی نے کلام عرب سے استشہاد پر خاصا زور دیا ہے اور آخر الذکر مفسّر نے کلام عرب سے استشہاد کی بنیاد پر بعض اہم اور اچھوتے خیالات پیش کیے ہیں۔ سرسید نے تفسیر قرآن کے شرائط بیان کرتے ہوئے اپنے مقدمہ ''التحریر فی اصول التفسیر'' میں بھی کلام عرب سے استشہاد پر توجہ مرکوز کی ہے۔[۵۴]

بالعموم عربوں کے متعلّق یہ عام تاثر موجود ہے کہ ان کے یہاں لڑکیوں کی ناقدری تھی۔ لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے۔ یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ یہ عمومی تاثر غلط ہے۔ عربوں کے یہاں عورتوں کو قدر ومنزلت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ ان کے نازنخرے اٹھائے جاتے تھے۔ رہا لڑکیوں کے زندہ درگور کرنے کا مسئلہ تو یہ بدترین اور دل خراش روایت معدودے قبائل تک محدود تھی۔ اس میں تمام عربوں کو شامل نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی تردید عباس محمود العقاد نے اپنی کسی تحریر میں کیا ہے۔[۵۵] خطبات احمدیہ میں بھی عرب قوانین کی توقیر کا ذکر ملتا ہے۔ ایک تو جنگوں میں ان کی عورتیں ان کے ساتھ ہوتی تھیں تاکہ محاذ پر ان کے اندر قومی جذبہ ابھار سکیں۔ ان کے آباء واجداد کے بہادرانہ کارناموں کو یاد دلا سکیں اور ان کے عزم وارادے میں صلابت ڈال سکیں۔ یہ خواتین اپنے شوہروں سے بھی کہتی تھیں کہ اگر تم نے پشت دکھائی اور ہمیں دشمنوں سے نہ بچا سکے تو ہم تمہاری بیویاں نہ ہوں گی۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ عربوں میں عورتوں کو ایک نمایاں مقام حاصل تھا۔ عرب اپنی عورتوں سے کام لینا معیوب تصور کرتے تھے۔ اگر کوئی عورت دودھ دوہتی ہوئی نظر آجاتی تھی تو اس کا خاندان حقیر تصور کیا جاتا۔ خطبات احمدیہ میں منقولہ دونوں واقعات کے تناظر میں یہ کہنا ہرگز دشوار نہیں کہ عورتیں عربوں کے نزدیک محترم اور پروقار سمجھی جاتی تھیں۔[۵۶] عربوں کے رسوم میں ایک خاص چیز یہ تھی کہ مردوں کو قبر میں دفن کرنے کا بھی رواج تھا، جب اسے تدفین کے لیے لے جاتے تو راستے میں دیگر حضرات جنازہ کو دیکھ کر اس کی تعظیم میں کھڑے ہو کر اظہار تاسف کرتے۔[۵۷]

خانۂ کعبہ کے مقام ومرتبہ اوراحترام واکرام کا عہد رسالت سے قبل بھی تھا اور رسالت کے بعد بھی، سر سید نے اپنی اس کتاب میں دو نئے خانہ کعبوں کا ذکر کیا ہے۔ سر سید رقم طراز ہیں:

''خانۂ کعبہ کی ہمسری کے واسطے دو معبد اور یکے بعد دیگرے بنائے گئے تھے ایک تو قبیلہ غطفان نے اور دوسرا یمن میں قبائل خثام اور بجیلہ نے باشتراک بنایا تھا۔ ان دونوں معبدوں میں بت رکھے ہوئے تھے جن کو ان قبائل کے لوگ بطور معبود کے پوجتے تھے۔ ان نقلی کعبوں میں اول کو زہیر بادشاہ حجاز نے چھٹی صدی عیسوی میں بالکل غارت کر دیا تھا اور دوسرے کو جریر نے آنحضرت کے زمانہ میں یعنی ان کے پیدا ہونے کے بعد منہدم کر دیا تھا۔''(۵۸)

خطبات احمدیہ کے چوتھے خطبہ میں ولیم میور کے ان تاثرات کو نقل کیا گیا ہے جو اسلام کے متعلّق اس نے ظاہر کیے۔ اس کا کہنا ہے اس کی وجہ سے وحدانیت کا غلغلہ ہوا اور بت پرستی کا خاتمہ، اللہ پر کامل توکل کی تعلیم عام ہوئی، اسلام کی معاشرتی تعلیمات خوبیوں سے مملوء ہیں، باہمی برادرانہ تعلّقات اوج کمال پر تھے، یتیموں کے ساتھ حسن سلوک اور غلاموں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کیا جاتا۔ نشہ آور چیزوں پر قدغن لگائی گئی۔ یہ ایک طے شدہ حقیقت ہے کہ دین اسلام میں پرہیزگاری کا ایک ایسا اعلیٰ معیار ہے جس کا دیگر مذاہب میں اتا پتا نہیں ہے۔ لیکن ولیم میور کے نزدیک مذکورہ تمام تعلیمات اسلامی جنگوں سے عام ہوئیں۔(۵۹)

سر سید نے ولیم میور کے اس نقطۂ نظر سے عدم اتفاق کیا اور بتایا کہ قرآن کریم کی تعلیمات اور احکام میں ایسی تاثیر اور ایسا اعجاز ہے کہ کوئی بھی شخص اس کے سحر سے بچ نہیں سکتا، اس کی آواز کانوں میں پڑتے ہی انسان کی کایا ہی پلٹ جاتی، اس طرح کے واقعات سے تاریخ بھری پڑی ہے، خود اللہ کے رسول ﷺ کی شخصیت میں ایسی کشش اور رغبت تھی کہ لوگ آپ کے عاشق اور قدرداں ہو جاتے، انھیں اپنی اور اپنے اہل وعیال کی جان گنوانے میں ذرہ برابر ہچکچاہٹ نہ تھی، لیکن یہ ہرگز گوارا نہ تھا کہ آپ ﷺ کو ذرہ برابر کسی طرح کی گزند پہنچے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ ولیم میور اور بہت سے دیگر مستشرقین بڑے حکیمانہ انداز میں دین اسلام پر تیر چلاتے ہیں، جب کہ کچھ مستشرقین نے اسلام کی حقانیت اور ہمہ گیریت کو تسلیم کیا ہے۔ انھیں میں سے ایک مشہور نام مسٹر جان ڈیون پوٹ کا ہے جس کی رائے میں اشاعت اسلام کا شمشیر سے کوئی تعلّق نہیں ہے۔ اسلام نے حسن معاشرت اور شائستگی کی روح لوگوں میں پھونک دی۔ اس طرح اس نے یہ بھی وضاحت کی کہ فلسفہ اور علوم وفنون کے ارتقاء میں ایشیاء کے مسلمانوں اور اندلس کے خلفاء کا اہم رول رہا ہے۔ یورپ میں علم وحکمت کی بالادستی اہل اسلام کی دین ہے، اس نے تو یہاں تک تحریر کر دیا کہ سلطان صلاح الدین کی وجہ سے یورپ میں جاگیرداری کے نظام کا خاتمہ ہوا۔ مسٹر جان کے یہ تمام خیالات اس کی معروف کتاب "Apology for the Mohammad and Quran" میں موجود ہیں۔(۶۰)

اس سلسلے میں چیمبرز انسائیکلو پیڈیا کے ایک مقالے کا بھی سرسید نے ذکر کیا ہے جس میں قرآن کریم کے علم اخلاق کو سراہا گیا ہے اور مقالہ نگار نے یہ بھی بتایا کہ علوم وفنون کی ترقی میں یورپ دراصل اسلام کا رہین منت ہے۔ اس کے علاوہ بھی سرسید نے بہت سے دیگر مستشرقین کے مثبت خیالات کو نقل کیا ہے۔ طامس کارلائل (Thomas Carlyle) (۱۸۸۱ء۔۱۷۹۵ء) کے خیال کی بھی مدح سرائی کی گئی ہے۔ وہ ''لکچرز ان ہیروز'' میں لکھتا ہے:

> ''اسلام کا عرب کی قوم کے حق میں گویا تاریکی میں روشنی کا آنا تھا۔ عرب کا ملک پہلے ہی پہل اس کے ذریعہ سے زندہ ہوا۔ اہل عرب گلہ بانوں کی ایک غریب قوم تھے اور جب سے دنیا باقی تھی عرب کے چٹیل میدانوں میں بھی پھرا کرتے تھے اور کسی شخص کو ان کا کچھ خیال بھی نہ تھا۔ اس قوم میں ایک اولوالعزم پیغمبر ایسے کام کے ساتھ جس پر وہ یقین کرتے تھے بھیجا گیا۔ اب دیکھو کہ جس چیز سے کوئی واقف ہی نہ تھا وہ تمام دنیا میں مشہور ومعروف ہوگئی اور چھوٹی چیز نہایت ہی بڑی چیز بن گئی۔''(۶۱)

سرسید نے ولیم میور کے تین بڑے اعتراضات کا نہایت مدلل اور مستحکم جواب دیا ہے۔ ایک یہ کہ دین اسلام کے باب میں ولیم میور اپنی عداوت یا کم سنی کی بنیاد پر کہتا ہے کہ اسلام میں تعدد ازدواج، طلاق دینے اور غلام بنا لینے پر توجہ مرکوز کی گئی ہے۔ دوم یہ کہ لوگوں کو کسی مذہب کو اختیار کرنے کی اس میں آزادی نہیں ہے۔ اور سوم یہ کہ عیسائیت کی ترقی میں یہ دین اسلام مزاحم بن کر کھڑا ہے۔ ان تینوں اعتراضات کو سرسید نے بے بنیاد قرار دیا ہے۔ تعدد ازدواج کے تعلّق سے سرسید نے تحریر کیا:

> ''اس بات کا خیال کرنا ایک بڑی غلطی ہے کہ مذہب اسلام میں ایک سے زیادہ جورواں کرنی اسلام لانے والوں پر لازمی قرار دی گئی ہیں یا کچھ زیادہ ثواب کی بات ٹھہرائی ہے۔ بلکہ برخلاف اس کے کہ عموماً ایک سے زیادہ جورواں کرنے کی اجازت بھی نہیں دی گئی۔ صرف ان لوگوں کو اجازت دی ہے جن کو وجوہات طبعی سے ایسا کرنے کی ضرورت ہے۔ لیکن اگر یہ عذر نہ ہو تو ایک سے زیادہ جورواں کرنی ان نیکیوں اور اخلاق کے بالکل برخلاف ہے جن کی ہدایت اسلام نے فرمائی ہے۔''(۶۲)

تعدد ازدواج کے مسئلے پر سرسید نے طویل گفتگو کی ہے اور اس کے تعلّق سے توریت اور مستشرقین کی آراء کا بھی جائزہ لیا ہے اور بتایا ہے کہ یہودیت اور عیسائیت میں بھی تعدد ازدواج پر قدغن نہیں تھی بلکہ اسے باعث رحمت اور زنا سے احتراز کا ایک نسخہ تصور کیا جاتا۔ سرسید نے بالکل بجا تحریر کیا ہے کہ یہ حال تو تعدد ازدواج کی نسبت مذہب موسوی اور عیسوی میں تھا اب ہم کہتے ہیں کہ مذہب اسلام نے تمام مذہبوں سے بڑھ کر تعدد ازدواج کو نہایت خوبی سے روکا ہے اور صرف ایک ہی بیوی کو پسند کیا ہے۔ تعدد کو صرف ایک نہایت محدود وخاص حالت میں جائز رکھا گیا ہے۔(۶۳) اسی مخصوص اور محدود صورتِ حال کو قرآن کریم میں یوں بیان کیا گیا ہے:

"وَلَن تَسۡتَطِيعُوٓاْ أَن تَعۡدِلُواْ بَيۡنَ ٱلنِّسَآءِ وَلَوۡ حَرَصۡتُمۡ فَلَا تَمِيلُواْ كُلَّ ٱلۡمَيۡلِ فَتَذَرُوهَا كَٱلۡمُعَلَّقَةِۚ وَإِن تُصۡلِحُواْ وَتَتَّقُواْ فَإِنَّ ٱللَّهَ كَانَ غَفُورٗا رَّحِيمٗا. وَإِن يَتَفَرَّقَا يُغۡنِ ٱللَّهُ كُلّٗا مِّن سَعَتِهِۦۚ وَكَانَ ٱللَّهُ وَٰسِعًا حَكِيمٗا"
(النساء:۴/۲۹-۳۰)

(تم سے یہ تو کبھی نہ ہو سکے گا کہ اپنی تمام بیویوں میں ہر طرح عدل کرو، اگرتم اس کی کتنی ہی خواہش کرلو، اس لیے بالکل ہی ایک کی طرف مائل ہو کر دوسری کو ادھر لٹکتی ہوئی مت چھوڑ واور اگرتم اصلاح کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو بیشک اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت اور رحمت والا ہے۔)

مسئلہ طلاق کو لے کر مستشرقین نے اسلام پر خاصہ اعتراضات کیے ہیں، سرسید نے اس کا نہایت منطقی جواب دیا ہے، ان کا کہنا ہے کہ جس طرح نکاح انسان کی ایک اجتماعی اور دینی ضرورت ہے، اسے ایک ایسے ہم سفر کی ضرورت جو اس کی تنہائیوں کو آباد کرے، اس کے خلوت وجلوت کے تقاضوں کو پورا کر سکے، کبھی کبھی دونوں میں ایسی ناچاقی اور ناگواری پیدا ہو جاتی ہے کہ دونوں کو ایک دوسرے کی شکل دیکھنا گوارا نہیں۔ اب اسی بدسلوکی اور بے قراری کو دور کرنے کے لیے اللہ نے طلاق کا نظام رکھا ہے تاکہ اس بدسکونی اور اذیت سے دونوں کو نجات مل سکے۔ لیکن یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ اسلام میں یہ بھی تاکید کی گئی ہے کہ ہر ممکن یہ کوشش ہو کہ دونوں میں نباہ ہو سکے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کی نظر میں طلاق ''ابغض الحلال'' ہے۔ سرسید نے اسی تعلّق سے یہ تحریر کیا ہے:

''جب کہ ہم بہ لحاظ مذہب کے طلاق کے مسئلہ پر غور کرتے ہیں تو یہ پاتے ہیں کہ مذہب اسلام ہی صرف ایک ایسا مذہب ہے جس نے طلاق کے مسئلہ میں سب سے زیادہ حسن معاشرت کی حفاظت اور اصلاح پر نظر رکھی ہے۔ یہودی مذہب میں طلاق دینا بغیر کسی قید وشرط وحالت کے مرد کے اختیار میں تھا کہ جب وہ چاہے طلاق نامہ لکھ کر جورو کے حوالہ کردے اور ایسا کرنے سے کسی حالت میں وہ کسی گناہ کا گنہگار متصور نہیں ہوتا تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام نے اس حکم کو منسوخ کیا اور جیسا کہ حال کے زمانہ کے عیسائی سمجھتے ہیں (اگر وہ صحیح ہو) تو بجز ایک خاص وجہ کے آڈر کسی حالت میں طلاق کا دینا جائز نہیں رکھا اور فرمایا کہ ''میں تمھیں کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنی جورو کو سوائے زنا کے کسی سبب سے طلاق دے اور دوسری سے بیاہ کرے وہ زنا کرتا ہے اور جو کوئی اس چھوڑی ہوئی عورت سے بیاہ کرے وہ بھی زنا کرتا ہے'' اگر اس فقرہ سے جواز طلاق سمجھا جاوے جیسا کہ حال کے زمانہ کے عیسائی سمجھتے ہیں (اور شاید وہ سمجھ صحیح نہیں ہے) تو یہ ایک ایسا سخت حکم تھا جس کی برداشت انسانوں سے قریب ناممکن تھی۔''(۶۴)

سرسید نے تعدد ازدواج پر نہایت حکیمانہ گفتگو کی ہے اور بلاوجہ تعدد پر ٹوٹ پڑنا اسلامی مزاج کے برعکس ہے۔ ایک طرف سرسید نے تعدد ازدواج کی حکمتوں کو بیان کیا ہے۔ دوسری طرف متعہ پر بھی

سخت اظہار نکیر کیا ہے۔ یہ دونوں ایسی چیزیں ہیں جس کی وجہ سے اوباشی بڑھتی اور پاکیزگی زنگ آلود ہوتی ہے ان دونوں مسئلوں پر سرسید نے اپنی برہمی کا اظہار مندرجہ لفظوں میں کیا ہے۔

''ان تمام باتوں کے سمجھنے کے بعد ہمارے اس خطبہ کے پڑھنے والے یقین کریں گے کہ یہ جو تعدد ازواج اس زمانہ میں رائج ہے کہ جہاں ذرا دولت ہوئی اور دو دو اور تین تین اور چار چار جوروان کرنے لگے اور ایک بازار کی عورت کو داؤں پر چڑھایا اور نکاح کر مارا۔ جہاں مقدس بزرگ مولوی ہوئے اللہ میاں کے ساتھ بنے اس مریدنی کو لے ڈالا وہاں وعظ کہنے گئے اور مفت نکاح ثانی کو جاری کیا۔ قرآن پڑھاتے پڑھاتے دوسرا سبق خطبہ نکاح پڑھانے لگے۔ اور ہمارے دوسرے بھائیوں نے ایک حیلہ متعہ کا جو جاہلیت میں تھا اسلام میں پیدا کر کے عورتوں کو ٹھگنا شروع کر دیا۔ ان سب باتوں کو مذہب اسلام سے کچھ تعلّق نہیں ہے۔ یہ سب ایک قسم کی اوباشی کے ڈھنگ ہیں جن سے اسلام نفرت کرتا ہے اور وہ سب ہوا پرست اوباش ہیں جن سے اسلام کا نام بدنام ہوتا ہے۔ پس ایسے شخص کے افعال پر اسلام کی خوبی وحقیقت سے چشم پوشی کرنا چمگادڑوں کے لئے آفتاب کا سیاہ کرنا ہے۔''(۶۵)

اسلام کو جن جن حوالوں سے بدنام کیا جا رہا ہے اس میں ایک بڑا مسئلہ رقیت یعنی غلامی کا ہے اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ اسلامی مفکّرین کا سواد اعظم آج بھی اس کے جواز کا قائل ہے۔ سرسید نے اپنے رسالہ تہذیب الاخلاق میں تردید رقیت پر قسط وار مضمون تحریر کیا۔(۶۶) غلامی کی تاریخ کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ رقیت پر اسلام نے ہمیشہ کے لیے پابندی عائد کر دی ہے۔ آگے چل کر یہ قسط وار مقالہ کتابی صورت میں شائع کیا گیا۔(۶۷) خاکسار نے اس کی افادیت واہمیت پر ایک مقالہ تحریر کیا۔(۶۸) سرسید نے اپنے انھیں خیالات کو یہاں بھی پیش کیا ہے اور مخالفین اسلام کے اس اعتراض کا مدلل جواب دیتے ہوئے بتایا کہ رقیت اسلام میں ہمیشہ کے لیے حرام قرار دی گئی ہے۔ جب کہ توریت اور انجیل میں غلامی کے جواز کی مثالیں موجود ہیں۔ فرنگستان میں غلاموں کی تجارت عام تھی اور اس کے خلاف مذہبی اور قانونی کوئی آواز بلند نہیں کی گئی۔ سرسید رقم طراز ہیں:

''میں اس بات سے واقف ہوں کہ وہ یہ ظاہری عذر کریں گے کہ وہ کسی شخص کو اس وجہ سے غلاموں کا مالک ہے قوم سے خارج نہیں کر سکتے تھے۔ کیونکہ انجیل اور حواریوں کے ناموں کے ہر صفحہ میں غلاموں کا جواز تسلیم کیا گیا ہے مثلا جہاں کہیں لفظ ''سروس'' یا ''دولوس'' پایا جاتا ہے اور اس کا ترجمہ خدمت گار کیا گیا ہے۔ وہاں اس کا ترجمہ غلام ہونا چاہے۔ لفظ ''سروس'' کے لغوی معنی اس شخص کے ہیں جو بازار میں خریدا گیا ہو یا فروخت کیا گیا ہو اور ''فریدیدیئین'' ہمارے اجورہ دار اور خدمت گار کے نیم معنی ہیں۔ لیکن اگر بدقسمتی سے عیسائیوں کو خانگی غلامی کی اجازت دی جاوے تو اس سے کسی طرح پر یہ بات ثابت نہیں ہوتی ہے کہ افریقہ کی بردہ فروشی جائز ہے جس کی زیادتی کا زمانہ اگلے

لوگوں کے گمان میں بھی نہ تھا اور جو ہر طرح پر ان کی خانگی غلامی سے مختلف ہے۔"(۶۹)

سرسید نے مختلف دلائل دیتے ہوئے اپنے رسالہ "ابطال غلامی" میں صراحت کر دی ہے کہ اسلام میں اس کا کسی طرح جواز نہیں، خطباتِ احمدیہ میں اس بحث کو مختصراً بیان کیا گیا ہے۔ اپنی اس بحث کو درج ذیل لفظوں پر ختم کیا ہے۔

> "حسن نالائق اور خراب اور قابل افسوس حالت سے غلامی کا رواج مسلمان ریاستوں میں (بعض عیسائی ملکوں میں بھی) ہوتا ہے، اس کو دیکھ کر ہم کو کچھ کم رنج نہیں ہوتا مگر ہم اس خطبہ کو پڑھنے والوں کو یقین دلاتے ہیں کہ جو شخص خود اس کا برتاؤ کرتا ہے یا اوروں کو کرنے دیتا ہے وہ ٹھیٹ اسلام کے حکم اور اس کے عالی اصولوں کے برخلاف عمل کرتا ہے اور وہ ضرور ایک دن اس حقیقی شہنشاہ کی ہیبت ناک عدالت میں بطور ایک گنہگار کے حاضر ہوگا۔ خواہ مکہ میں جا کر یہ کام کرے یا مدینہ میں۔(۷۰)

اسلام پر ایک بہت بڑا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ وہ تلوار کے زور سے پھیلا ہے۔ مخالفین اسلام اور مستشرقین نے اس تعلق سے لٹریچر کا ڈھیر لگا دیا ہے اس ڈھیر کا صداقت سے کوئی سروکار نہیں، یہاں الزامات اور اتہامات کا طویل سلسلہ ہے۔ اسلامی محققین نے اپنے اپنے لحاظ سے اس کا جواب دیا ہے۔ مولا مودودی نے "الجہاد فی الاسلام" میں اس کا مدلل جواب فراہم کیا ہے۔ اسی طرح سرسید نے بھی اس کا مسکت جواب تحریر کیا ہے۔ سیرۃ النبی میں علامہ سید سلیمان ندوی نے بھی اس کا قابل قدر جواب ترتیب دیا ہے۔ اس حقیقت سے وہی انکار کر سکتا ہے جسے اسلام سے چڑھ ہو اور تعصّب کی بنیاد پر اسلام کو جابر وظالم قرار دیتا ہو، سرسید بڑے اہتمام سے اس کی تردید کرتے ہیں:

> "جس اصول پر کہ حضرت موسیٰ نے کافروں پر تلوار کھینچی تھی اور یہودیوں اور عیسائیوں کے نزدیک خدا کے حکم سے وہ تلوار کھینچی گئی تھی کہ تمام کافروں اور بت پرستوں کو بغیر کسی استثناء کے قتل وغارت ونیست ونابود کر دیں۔ اس اصول پر مذہب اسلام نے کبھی تلوار کو میان سے نہیں نکالا۔ اس نے کبھی تمام کافروں اور بت پرستوں کے نیست ونابود کرنے کا یا کسی کو تلوار کی دھار سے مجبور کر کے اسلام قبلوانے کا ارادہ نہیں کیا۔ ہاں بلاشبہ اسلام نے بھی تلوار کو نکالا مگر دوسرے مقصد سے یعنی خدا پرستوں کے امن اور ان کی جان ومال کی حفاظت اور ان کو خدا پرستی کا موقع ملنے کو اور یہ ایک ایسا منصفانہ اصول ہے جس پر کوئی شخص کسی قسم کا الزام نہیں لگا سکتا۔"(۷۱)

سرسید نے اپنی بات کو مستند بنانے کے لیے قرآن وحدیث سے دلائل پیش کیے ہیں لیکن ان تمام چیزوں کا احاطہ یہاں ممکن نہیں ہے۔ مذکورہ دونوں مآخذ کے علاوہ مستشرقین کے خیالات سے ثابت کیا ہے کہ دین اسلام ایک حریت پسند دین ہے۔ وہ لوگوں کی شخصی اور فکری آزادی پر پہرہ بٹھانے کا ہرگز قائل نہیں ہے۔ چیمبرز انسائیکلوپیڈیا کے ایک مضمون اندلس کے خلفاء کے متعلّق بتایا گیا کہ انھوں نے دیگر

مذاہب کے متبعین کو مذہبی امور میں آزادی دے رکھی تھی۔اس طرح گادفری ہگنز نے عیسائی پادریوں سے اختلاف کرتے ہوئے بتایا کہ اسلام تعصّب اور ریاکاری سے پاک ہے۔اسپین میں رہنے والے عیسائیوں کو اس نے تنگ نہیں کیا، وہ اپنی ملکیت پر قابض رہے ان کے پادریوں، ان کے بشپ، بزرگوں اور گرجاؤں کے ساتھ کسی طرح کی زیادتی نہیں کی گئی۔(۷۲)اس تناظر میں سرسید نے ایک فلسطینی عیسائی شاعر لا مارتین اور ایک انگریز سیاح کے خیالات نقل کیے ہیں:

''صرف مسلمان ہی تمام روئے زمین پر ایک قوم ہے جو دوسرے مذہب کو آزادی سے رکھتے ہیں'' اور ایک انگریز سیاح سلیدن نے مسلمانوں پر یہ طعنہ کیا ہے کہ ''وہ حد سے زیادہ دوسرے مذہب کو آزادی دیتے ہیں'' اب دیکھو کہ یہ سب رائیں بہت سی بے طرفدار اور فیاض طبع عیسائی مصنّفین کی سر ولیم میور کے اس بے سند دعوے کہ اسلام میں دوسرے مذہب کو آزاد رکھنے کا نام بھی نہیں ہے کیسی برخلاف ہیں۔''(۷۳)

سرسید نے نزول قرآن اور ترتیب قرآن کے متعلّق بھی اس کتاب میں بحث کی ہے۔تدوین قرآن اور ترتیب قرآن پر بے شمار مباحث ملتے ہیں۔ان میں بہت سے ایسے مباحث ہیں جنھیں پڑھ کر افسوس ہوتا ہے۔انھوں نے قرآن کریم کی تدوین وترتیب کے متعلّق شکوک پیدا کیے ہیں۔اس تعلّق سے سرسید، مولانا حمید الدین فراہی اور خالد مسعود کی آراء حددرجہ لائق ستائش ہیں ان کے نزدیک قرآن کریم کل کا کل بالفاظ خداوندی ہے، اسی طرح اس کی تدوین وترتیب بھی توقیفی ہے۔اس کا ایک حرف بھی ادھر کا ادھر نہیں ہوا ہے۔اللہ کے رسولﷺ نے اپنے ہی عہد میں باشارہ اللہ قرآن کریم کو مدون کردیا تھا اور اسے بین الدفتین مدون کر کے مسجد نبوی میں ایک ستون کے پاس رکھ دیا اس مصحف کو ''**اسطوانۃ المصحف**'' کہا جاتا ہے۔صحابہ کرام کو دورانِ تلاوت جب کہیں شبہہ ہوتا تو شکوک وشبہات کو دور کرنے کے لیے اس سے رجوع کرتے۔اس کی تفصیل یوں ہے:

''یہ بات روایت سے ثابت ہے کہ حضورﷺ کی حیات مبارکہ ہی میں لوگوں نے مصحف کی نقول اپنے استعمال کے لیے تیار کر لی تھیں۔ایک روایت کے مطابق حضورﷺ نے مصحف میں دیکھ کر تلاوت کرنے والے کے لیے بن دیکھے تلاوت کرنے والے کی نسبت دوہرا اجر کی بشارت دی، ظاہر ہے کہ یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب حضور کی حیاتِ مبارکہ میں مصاحف میسر آچکے ہوں۔ایک روایت کے مطابق حضورﷺ نے سفر میں قرآن کو ساتھ لے جانے کی ممانعت کی تاکہ اس کے ہاتھ کفار کے ہاتھ نہ لگیں۔ اور وہ ان کو ضائع نہ کردیں۔''(۷۴)

اس حدیث کے تناظر میں کہا جاسکتا ہے کہ اس کے اصل جامع رسول اللہﷺ ہیں، لیکن جامع القرآن نے اپنا تمام فریضہ بحکم الٰہی ادا کیا ہے۔آیات کریمہ کا Adjusment توقیفی ہے۔قرآن کی موجودہ ترتیب کے مطابق دوبار ماہ رمضان المبارک میں حضرت جبرئیل علیہ السّلام کو آپﷺ نے پورا

قرآن کریم پڑھ کرسنایا۔اللہ تعالیٰ نے ترتیب توقیفی کواس طرح بیان کیا ہے:

''لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ.إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ.فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ.ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ''(القیامۃ: ۷۵/۱۶۔۱۹)

(اے نبیؐ) آپ قرآن کو جلدی (یاد کرنے) کے لیے اپنی زبان کو حرکت نہ دیں اس کا جمع کرنا اور (آپ کی زبان سے) پڑھنا ہمارے ذمہ ہے۔ہم جب اسے پڑھ لیں تو آپ اس کو پڑھنے کی پیروی کریں۔پھر اس کا واضح کردینا ہمارے ذمہ ہے۔)

مولانا فراہی نے اپنی تفسیر نظام القرآن میں اس کی نہایت جامع ومانع تفسیر کی ہے اور مدلل انداز میں جمع القرآن پر گفتگو کی ہے۔(۷۵) بالخصوص مولانا عبداللطیف علی گڑھی نے اپنی کتاب ''تاریخ تدوین قرآن'' میں ترتیبِ قرآن پر نہایت مدلل گفتگو کی ہے۔آپ کے استاذ گرامی علامہ شبلی نے بھی ترتیب القرآن کے باب میں مبہم گفتگو کی ہے۔(۷۶) اس طرح مشہور شیعی عالم مولانا سید علی نقی نقوی بھی اپنی تفسیر ''فصل الخطاب'' کے مقدمہ میں ترتیب قرآن پر لکھتے ہوئے اصل راہ سے دور جا پڑے ہیں اور ان کا یہ کہنا ہے کہ ترتیب قرآن کے وقت آیات کریمہ ادھر ادھر چلی گئی ہیں۔(۷۷) لیکن سرسید نے نزول قرآن، کتابت قرآن اور تدوین قرآن پر قابلِ قدر گفتگو کی ہے۔کتابت کا سلسلہ بالکل اوائل نزول سے تھا۔یہ چمڑوں، ہڈیوں اور کھجور کی چھال پر لکھی جاتیں۔سرسید نے مختلف احادیث سے استدلال کرتے ہوئے بتایا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے عہد میں قرآن کریم کو ترتیب دے دیا تھا۔سرسید لکھتے ہیں:

''ایک اور روایت میں بخاری ان لوگوں کے نام بیان کرتا ہے جنھوں نے قرآن کریم کو حفظ کرلیا تھا اور ان کے نام یہ ہیں: عبداللہ بن مسعود، معاذ بن جبل، ابی ابن کعب اور ایک اور روایت میں آیا ہے کہ منجملہ مقتولین جنگ یمامہ کے جو پیغمبر خدا کی وفات کے تھوڑے ہی دن بعد ہوئی تھی، ستر شخص ایسے شہید ہوئے تھے جن کو قرآن مجید بالکل حفظ تھا۔ان تمام روایتوں سے دو امر بخوبی ثابت ہوتے ہیں: اول یہ کہ گو جناب پیغمبر خدا کی حیات میں قرآن مجید چمڑے وغیرہ پر کیسی ہی بے ترتیبی سے لکھا ہوا موجود ہو مگر جن لوگوں نے کی کہ پوری سورتیں یاد کرلی تھیں ان میں آیتوں کی بالکل ترتیب تھی۔اور وہ ترتیب آنحضرت ﷺ کے ہدایت اور حکم کے موافق تھی۔دوسرے یہ کہ جن لوگوں نے قرآن مجید کو ترتیب وار حفظ کرلیا تھا، اس سے یہ دلیل مستنبط ہوتی ہے کہ قرآن مجید کی سورتوں کی ترتیب بھی آنحضرت ﷺ کے فرمانے سے لوگوں کو معلوم ہوگئی تھی۔''(۷۸)

مستشرقین نے ''انزل القرآن علی سبعة احرف'' کی بنیاد پر قرآن کریم کو ایک مبہم اور مشکوک کتاب بنا کر پیش کرنے کی کوشش کی ہے اور اسے عہد عتیق اور عہد جدید سے جوڑنے کی کوشش کی ہے جب کہ ان دونوں میں اختلاف قرات کا مطلب ہے تحریف، ناقلوں کی چوک اور غلطیاں، منقول عنہ سے سقم اور غلطیوں کا موجود ہونا اور کاتبین کا متون میں اصلاح کی کوشش کرنا، لیکن قرآن کریم کی قرأت

سبعہ کا ان مندرجہ چیزوں سے کوئی تعلق نہیں۔ قرأت سبعہ کا مطلب یہ ہے کہ ابتداء میں آیات کریمہ مختلف چیزوں پر ادھر ادھر لکھی ہوئی تھیں اس لیے کبھی کبھی آیات کریمہ کو ملا کر پڑھنے میں دقت ہوتی تھی، ابتداء میں چوں کہ آیات کریمہ غیر منقوطہ تھیں اس لیے کچھ مقامات پر تلفّظ کی ادائیگی میں فرق ہوتا تھا اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مختلف علاقوں میں رہنے کی وجہ سے عرب قبائل کے لہجوں میں فروق آ گئے تھے جس کی وجہ سے ''سبعہ احرف'' کا اطلاق قرآن کریم پر ہوا، اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ الفاظ پر اعراب دینے کا رواج نہیں تھا جس کی وجہ سے کبھی کبھی قرأت میں فرق واقع ہو جاتا تھا، عربی زبان میں ایک ہی مادہ سے مختلف ابواب ہوتے ہیں جس کے ایک ہی لفظ کو مختلف قارئین مختلف ابواب سے سمجھتے ہیں جس کی وجہ سے اعراب میں تبدیلی آجاتی ہے۔ (۷۹) لیکن ان تمام چیزوں کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ قرآن کریم میں کسی طریقے کی تحریف ہوئی ہے۔ سرسید نے اس بحث پر گفتگو کرتے ہوئے نتیجہ یوں پیش کیا ہے:

> ''تلفّظ کا اختلاف قریب قریب معلوم ہو گیا ہے کیوں کہ قریش کے تلفّظ کو سند قرار دینے میں کوشش کامیاب ہوئی ہیں۔ قریش ہی کے لہجہ اور زبان میں قرآن مجید نازل ہوا تھا اور اس لہجہ اور زبان میں جناب پیغمبر خدا اس کو پڑھا کرتے تھے لیکن چوں کہ اس زبان میں بعض حروف ایسے ہیں جن کا تلفّظ اور قوموں سے ادا نہیں ہو سکتا، اس سبب سے اس اختلاف سے بالکل پیچھا نہیں چھوٹا۔ مثلاً اگر ہم کسی ایک عجمی اور کسی بدو اور کسی تربیت یافتہ عرب کو قرآن پڑھتے ہوئے سنیں تو فوراً پہچان لیں گے کہ یہ اختلاف اب بھی موجود ہے۔ مگر یہ اختلاف صرف قرآن مجید کے پڑھنے میں محسوس ہوگا۔ نہ اس کے املاء میں اور اسی لیے یہ اختلاف ضبط تحریر میں نہیں آسکتا، اس کا اندازہ کرنے کو ان لوگوں سے قرآن مجید کے سننے کی ضرورت ہے۔'' (۸۰)

ناسخ اور منسوخ کی بحث بھی خاصی طویل ہے اس پر علماء اسلام کے یہاں مختلف آراء پائی جاتی ہیں، مختلف لوگوں کے یہاں منسوخ آیات کی مختلف تعداد ہیں اور بہت سے مفسّرین اور ماہرین قرآنیات کے نزدیک ایک آیت بھی منسوخ نہیں ہے۔ ناسخ و منسوخ کا ایک مفہوم یہ لیا گیا ہے کہ پہلا حکم اس لیے منسوخ ہوا ہے کہ اس میں کوئی نقص تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خود اللہ تعالیٰ ماضی، حال اور مستقبل سے واقف نہیں ہے، علماء کرام کے اسی خیال کو مستشرقین بھی لے اڑے، سرسید نے دوسرے مقامات پر مسئلہ نسخ پر مستند بحث کی ہے۔ سرسید نے آیات کریمہ پیش کرتے ہوئے اس کا نتیجہ اس طرح پیش کیا ہے:

> ''مذکورہ بالا آیتوں سے کوئی ذی فہم شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ ان سے قرآن مجید کی ایک آیت کے قرآن مجید کی دوسری آیت سے منسوخ ہونا پایا جاتا ہے بلکہ صاف اس میں اہل کتاب کا ذکر ہے اور اہل کتاب جو اس بات کے مخالف تھے کہ ان کی شریعت کے برخلاف کوئی حکم نہ ہو اس کی نسبت خدا نے کہا کہ ہم جس آیت یعنی حکم شریعت اہل کتاب کو منسوخ کرتے یا بھلاتے ہیں تو اس سے بہتر یا اسی کی مانند بھیج دیتے ہیں۔

ہمارے نزدیک اس آیت سے کسی طرح یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ قرآن مجید کی ایک آیت دوسری آیت کومنسوخ کرتی ہے، بلکہ اس کوصریح شریعت اہل کتاب یارسوم مشرکین سے علاقہ ہے،جن کی طرف خاص اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے جن کی شریعت کے احکام میں شریعت محمدی سے کسی قدر کمی وبیشی ہوگئی ہے۔(۸۱) سرسید نے مسئلہ نسخ کے حوالے سے متعدد آیات اوراحادیث نقل کی ہیں اور یہ ثابت کیا ہے کہ کوئی آیت منسوخ نہیں ہے اس تعلّق سے سرسید نے ایک حدیث نقل کی ہے:

عن عمرو بن شعیب عن أبیه عن جده قال سمع النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قوماً یتدارؤن فی القرآن فقال انما ھلک من کان قبلکم بھذا ضربوا کتاب اللّٰه بعضه ببعض وانما نزل کتاب اللّٰه یصدق بعضه بعضاً فلاتکذبوا بعضه ببعض مماعلمتم منه فقولوا به وما جھلتم فوکلوه الی عالمه'' (رواه احمد وابن ماجه)

(رسول اللہ ﷺ نے ایک قوم کوسنا کہ قرآن میں جھگڑا کرتے ہیں۔پس فرمایا کہ تم سے پہلے جولوگ ہلاک ہوئے وہ اسی سے ہوئے، خدا کی کتاب کے ایک حصہ کو دوسرے حصہ سے لڑایا (یعنی رد کیا) اور خدا کی کتاب تو اس لیے اتری ہے کہ بعض سے بعض کی تصدیق ہو۔پس بعض کی بعض سے تکذیب مت کرو۔اس میں سے جو جانو وہ کہواور جو نہ جانواس کواس کے واقف کار پر چھوڑ دو۔)

اس حدیث سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی آیتوں میں کوئی آیت بھی کسی آیت کی ناسخ ہے نہ کوئی آیت منسوخ ہے۔(۸۲) اس طرح ولیم میور کا یہ کہنا کہ قرآن کریم میں دوسو پچاس آیتیں منسوخ ہیں یہ ایک عبث اور بے بنیاد نقطۂ نظر ہے۔(۸۳) قرآن مجید اپنے طرزِ بیان کے اعتبار سے الہامی اور آسمانی کتاب ہے اس کے علاوہ اپنے معانی اور بے شمار دیگر مباحث کی نوعیت سے بھی اس کا الہامی الاصل ہونا ظاہر وباہر ہے جیسا کہ قرآن کریم نے خود اپنے متعلّق بتایا کہ:

''قُل لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الإِنسُ وَالْجِنُّ عَلَى أَن يَأْتُواْ بِمِثْلِ هَـذَا الْقُرْآنِ لاَ يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا''(بنی اسرائیل:۱۷/ ۸۸)

(کہہ دیجیے کہ اگر تمام انسان اورکل جنات مل کر اس قرآن کے مثل لانا چاہیں تو ان سب سے اس کے مثل لانا ناممکن ہے گو وہ (آپس میں) ایک دوسرے کے مددگار بھی بن جائیں۔)

سرسید نے قرآن کریم کے چار اوصاف بیان کرتے ہوئے اس کی الہامیت کوثابت کیا ہے (۱) دل پر اثر کرنے والی اس کی فصاحت وبلاغت۔(۲) اس کے شرعی احکام۔(۳) اس کے اخلاقی اصول۔(۴) اوراس کے معاشرتی اصول کو پیش نظر رکھا جائے تو کوئی شخص اسے کتاب اللہ کہنے سے انکار نہیں کرسکتا۔سرسید نے اس میں مشہور مستشرق مسٹر گبن (Gibbon) کے متعدد خیالات نقل کرتے

ہوئے اس کی نادانی پر اظہار تاسف کیا ہے کیوں کہ اس نے ہومر کی ایلیڈ اور موستھنیز کی فلیکس کو قرآن کریم کے شانہ بشانہ لا کھڑا کیا ہے۔(۸۴) سر سید نے مسٹر کارلائل کے تاثرات کو بھی قلم بند کیا ہے:

> ''میرے نزدیک قرآن مجید میں سچائی کا جوہر اس کے تمام معانی میں موجود ہے جس نے کہ اس کو وحشی عربوں کی نظر میں بیش بہا کر دیا تھا سب سے اخیر یہ کہا جا سکتا ہے: یہ کتاب یعنی قرآن سب سے اول اور سب سے آخیر جو عمدگیاں ہیں وہ اپنے میں رکھتا ہے اور ہر قسم کے اوصاف کا بانی ہے۔ بلکہ در اصل ہر قسم کے وصف کی بناء صرف اسی سے ہو سکتی ہے۔''(۸۵)

سر سید نے ولیم میور اور دیگر مستشرقین کے بہت سے قرآنی خیالات کو لغو اور بیہودہ قرار دیا ہے۔(۸۶) لیکن اس پر اظہارِ افسوس کیا کہ یورپین زبانوں میں موجود قرآن کریم کے تراجم مستشرقین کے ہی کیے ہوئے ہیں۔ سر سید نے اس پر انتہائی قلق کا اظہار کیا ہے کہ کاش دنیا کی بے شمار زبانوں میں امت مسلمہ کے ہاتھوں سے یہ فریضہ انجام دیا جاتا۔ یہی رنج و غم مقدمہ ''تبیین الکلام'' میں بھی دیکھا جا سکتا ہے جہاں سر سید نے یہ تحریر کیا کہ انجیل کے تراجم اور تفاسیر کی جو کتابیات تیار کی گئی ہیں کاش اسی طرح کی کتابیات تراجم و تفاسیر قرآن کی ترتیب دی جاتیں۔(۸۷) سر سید عالمی سطح پر امت مسلمہ کی علمی کارکردگی کو دیکھنے کے خواست گار تھے۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ ادارہ سر سید کے استاذ پروفیسر عبدالرحیم قدوائی نے انگریزی میں موجود قرآن کریم کے تراجم کا جائزہ لیتے ہوئے ان کے محاسن اور معائب دونوں پر مدلل انداز میں گفتگو کی ہے۔(۸۸) انگریزی اور اردو دونوں زبانوں میں مستشرقین کی صداقتوں اور علمی کذب بیانیوں کا تحلیل و تجزیہ کیا ہے۔ پروفیسر عبدالرحیم قدوائی کی ذات گرامی اس پہلو سے لائق ستائش ہے کہ دنیا کی مختلف جامعات میں اس موضوع پر محاضرات دیتے ہوئے اپنے علمی مقام کو منوایا، انگریزی تراجم قرآن سے متعلّق آپ کی کتاب غیر معمولی اہمیت کی حامل ہے۔(۸۹) انگریزی تراجم پر ''علوم القرآن'' میں آپ کا مقالہ گراں قدر نوعیت کا حامل ہے۔(۹۰) یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ آپ نے تفسیر ماجدی کو انگریزی میں منتقل کیا ہے۔(۹۱) اس وقت انگریزی میں اسلامیات اور قرآنیات کے حوالے سے قدوائی صاحب کا ایک بڑا نام ہے۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی میں واقع ذاکر حسین انسٹی ٹیوٹ کا ترجمان مجلّہ ''اسلام اور عصر جدید'' (اس شمارے میں تراجم مستشرقین کے قادیانی تراجم، اولین مسلم تراجم ممتاز مسلم تراجم، دیگر مسلم تراجم اور شیعہ تراجم پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کے علاوہ سیرت طیبہ پر مستشرقین کی تصانیف کا جائزہ بھی لیا گیا ہے۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: اسلام اور عصر جدید، (مدیر اختر الواسع)، ذاکر حسین انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ملیہ اسلامیہ، جامعہ نگر، نئی دہلی، جلد نمبر ۴۵، جنوری ۲۰۱۳ء، شمارہ ۱، ص: ۱۱۔۱۲۸) کا ایک پورا شمارہ آپ کے مقالہ انگریزی تراجم قرآن پر مشتمل ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ پروفیسر قدوائی نے سر سید کے علمی منصوبہ کو ایک حد تک منزل مقصود تک پہنچایا ہے تو شاید مبالغہ نہ ہو کیوں کہ یہ

سلسلہ سرسید کے تقابل ادیان سے متّصل ہے۔

سرسید نے خطبات احمدیہ میں ولیم میور کی متعدد ہرزہ سرائیوں اور نادانیوں کا ذکر کیا ہے۔ جس نے مارکسی اور وینس سے مختلف روایات نقل کرتے ہوئے اسلام اور قرآن کو ہیٹا دکھانے کی کوشش کی ہے۔ ایک روایت کے مطابق عبداللہ ابن مسعود نے آنحضورﷺ کی زبانی ایک آیت کو لکھ لیا اور صبح کو کاغذ سے اسے اڑا ہوا پایا۔ اللہ کے رسولﷺ نے فرمایا کہ وہ آسمان پر اڑ گئی۔ اس کے بعد یہ معجزنما خیال بھی سننے میں آیا کہ مسلمانوں کو قرآنوں میں سے اس کا اڑ جانا آنِ واحد میں ہوا۔ (۹۲)

مذکورہ روایت کے متعلّق سرسید کا خیال ہے کہ یہ روایت ولیم میور کی ایجاد کردہ ہے۔ اس کی کوئی حقیقت اور کوئی سند نہیں ہے۔ اسی طرح اس نے آیات محکمات کے لیے ''وحی کامل'' کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اس سے اس کے مبلغ علم کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اسی طرح اس نے ترتیب قرآن کے متعلّق بھی بے تکی باتیں کہی ہیں۔ اس کے نزدیک احوال کے مطابق اس کی معقول ترتیب نہیں ہے اور اسی تسلسل کے ساتھ اللہ کے رسولﷺ نے اسے پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ مکی اور مدنی آیات کریمہ کے نزول میں خاصا طویل وقفہ رہا ہے۔ یہ وقفہ خود اس کی بے ربطی پر دال ہے۔ (۹۳) یہ تمام چیزیں ولیم میور کی کم علمی پر دلالت کرتی ہیں۔ (۹۴) قرآن کریم میں جس طرح کا تناسب وترابط پایا جاتا ہے اس کی مثال ملنی دشوار ہے۔ سرسید نے مقدمۂ تفسیر میں ربط قرآن پر گفتگو کی ہے۔ (۹۵) اس کے علاوہ قدیم و جدید کے بہت سے مفسّرین نے نظم قرآن کو موضوع بحث بنایا ہے۔ لیکن نظم قرآن کو ایک نظریہ کی شکل دینے اور اسے مدلل صورت میں پیش کرنے کا سہرا مولانا حمیدالدین فراہی کے سر ہے اس نقطۂ نظر سے دنیا کے تمام مفسّرین میں آپ سرخیل کی مانند ہیں۔ قرآنیات کے حوالے سے تیس سے زائد آپ کی تصانیف ہیں۔ ان تمام تصانیف میں نظم قرآن کی رعایت رکھی گئی ہے۔ اور ایک تصنیف بعنوان ''دلائل النظام'' صرف نظم قرآن ہی کے موضوع پر ہے۔ نظم قرآن کیا ہے۔ مولانا فراہی نے اس کی توضیح اس طرح کی ہے:

''نظم سے ہماری مراد سورہ کے اجزاء کی وہ باہمی مناسبت ہے جس کے معلوم ہونے پر پوری سورہ ایک جدت میں ڈھل جائے۔ اس صورت میں کلام کا مفہوم اس قدر مربوط اور ایک ہی مرکزی مضمون کا حامل نظر آتا ہے کہ پوری سورہ مشخص ہو کر سامنے آتی ہے اور کلام میں ایک جمال، ایک پختگی اور وضاحت کا ادراک ہوتا ہے، نظم ایک سورہ تک ہی محدود نہیں ہوتا بلکہ یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ اس سورہ کی مناسبت ان سورتوں کے ساتھ معلوم ہو جائے جو اس کے ساتھ متّصل ہیں اگر ان کے ساتھ ان کی مناسبت واضح نہ ہو تو ان سورتوں کے ساتھ اس کا تعلّق معلوم ہو جائے جو اس سے پہلے یا بعد میں کچھ فاصلے پر واقع ہیں کیوں کہ عین ممکن ہے کہ جس طرح بعض آیات جملۂ معترضہ کے طور پر کلام میں آجاتی ہیں اسی طرح بعض سورتیں بھی معترضہ سورتیں بن کر آئی ہوں۔ نظم معلوم ہو جانے کے بعد اول سے آخر تک پورا قرآن مناسبت اور ترتیب رکھنے والا اور کامل وحدت سے متّصف نظر آئے گا۔ (۹۶) اپنے اس نظریہ کو عملی جامہ آپ

نے اپنی تفسیر ''نظام القرآن وتاویل الفرقان بالفرقان'' میں پہنایا ہے۔(۹۷) اس سلسلے کو مولانا امین احسن اصلاحی نے اپنی تفسیر ''تدبر قرآن'' میں برتا ہے۔''(۹۸)

ولیم میور نے قرآن کریم کے متن کے باب میں بہت سے شکوک پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ اسی طرح اس نے یہ بھی کہا ہے اگر حضرت ابوبکرؓ کا جمع کردہ قرآن اپنے متن کے لحاظ سے خالص ہوتا تو اس قدر جلد خراب کیوں کر ہو جاتا اس کا یہ دعویٰ کہ کچھ آیات کریمہ کی تلاوت صرف کچھ مدت کے لیے رہی۔ نیز بہت سی آیات اندراج ہونے سے رہ گئیں۔ سرسید نے اس کے اس طرح کے مزعومات کی مکمّل تردید کی ہے۔(۹۹)

خطبات احمدیہ میں حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السّلام، حجاز، خانہ کعبہ اور حجر اسود کے حوالے سے نہایت مفید گفتگو کی گئی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے جس مسجد کو بنایا تھا وہی خانہ کعبہ ہے، اسی کو مسجد حرام بھی کہا جاتا ہے۔ جو علاقہ حجاز ہے، خانہ کعبہ کے پاس اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السّلام کو لا کر بسایا، مقام سکونت پر مستشرقین نے اعتراضات اٹھائے ہیں سرسید نے ان اعتراضات کا مدلل جواب دیا ہے۔(۱۰۰) حجر اسود کے متعلّق سرسید نے تحریر کیا کہ:

> ''خود حضرت ابراہیم اور تمام ان کی اولاد میں یہ رواج تھا کہ خدا کی عبادت کی جگہ پر بطور ایک نشان کے لمبا بن گھڑا پتھر کھڑا کر لیا کرتے تھے اس کو مذبح یعنی قربان گاہ اور بیت اللّٰہ قرار دیتے تھے۔ اور وہاں خدا کی عبادت بجالاتے تھے اور اس کے نام پر قربانی کرتے تھے۔ پس کعبہ میں اسی رسم کا برابر جاری چلا آنا اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ اس معبد کی اصل ابراہیم سے ہے۔''(۱۰۱)

توریت مقدس میں یہ شہادت موجود ہے کہ پتھر، قربانی اور بیت اللّٰہ نام رکھنے کی رسم حضرت ابراہیم سے چلی آرہی ہے۔ اس کی قدامت کے متعلّق شبہ کرنا دلیل عبث ہے۔ توریت سے کئی شہادتیں سرسید نے نقل کی ہیں:

> ''کتاب خرج ۲۵ میں لکھا ہے کہ اگر میرے لیے پتھر کا مذبح بنادے تو تراشے ہوئے پتھر کا مت بنائیو، کیوں کہ تو اگر اسے اوزار لگا دے گا تو اسے ناپاک کردے گا۔''

ایک دوسری دلیل یوں ہے:

> ''اور کتاب پیدائش، باب ۲۸، ورس ۱۸، ۱۹، ۲۲ میں لکھا ہے کہ ''یعقوب صبح سویرے اٹھا اور اس پتھر کو جسے اس نے اپنا تکیہ کیا تھا، لیکے ستون کی مانند کھڑا کیا خدا کا گھر اور اس نے سر پر تیل ڈالا۔ اور اس مقام کا نام بیت ایل (یعنی بیت اللّٰہ، خدا کا گھر) رکھا اور کہا کہ یہ پتھر جو میں نے ستون کی مانند کھڑا کیا، خدا کا گھر یعنی بیت اللّٰہ ہوگا۔''

سرسید نے اس طرح کی آیات پر یوں تبصرہ کیا ہے:

> ''ان آیتوں سے بخوبی ثابت ہے کہ ابراہیم اور اس کی اولاد کا یہ طریقہ تھا کہ خدا کی

عبادت کے لیے مذبح، ایک بن گھڑا پتھر کھڑا کرکے بناتے تھے، کبھی اس کے ساتھ کوئی مکان بھی بنا دیتے اور کبھی پتھر کھڑا کرنے کے بعد بناتے تھے اور اس کو بیت اللہ کہتے تھے، بالکل یہی حالت کعبہ کی اور حجر اسود کی ہے جو ایک بن گھڑا لمبا پتھر ہے، پہلے صرف حجر اسود کھڑا کیا تھا پھر جب وہاں کعبہ بنایا تو اس کے کونا میں اس کو لگا دیا۔"(۱۰۲)

خطبات احمدیہ کے محاسن بے شمار ہیں اس تصنیف کے بعد سیرت نگاری نے ایک نیا رخ اختیار کیا۔ عقیدت کے ساتھ ساتھ علمی اور تحقیقی رنگ اپنایا۔ یہ حقیقت ہے کہ سرسید نے سیرت نگاری میں ایک نئی تاریخ رقم کی، اس نئی تاریخ کے لیے بڑے پاپڑ بیلے، قرض لیے، کتب خانہ فروخت کیا، گھر کے برتن بیچے اور اپنی بیگم کے زیورات تک فروخت کیے انھوں نے اردو دنیا میں استشراق کا تعارف کرایا، مستشرقین کی گستاخیوں کا جواب دیا، بالخصوص سیرت نگاری کے میدان میں ان کی سازشوں اور عداوتوں کو بے نقاب کیا۔ یقیناً یہ مبالغہ نہیں کہ استشراقی مآخذ ومصادر پر جو دسترس سرسید کی تھی اس کی مثال عالم اسلام میں مفقود ہے۔ خطبات احمدیہ میں ولیم میور کی علمی خباثتوں کا مدلل جواب دیتے ہوئے بہت سے دیگر معروف مستشرقین کی غلطیوں کی گرفت بھی کی گئی۔

مآخذ کے اعتبار سے خطباتِ احمدیہ کا جائزہ لیا جائے تو اندازہ ہوگا کہ اس میں قرآن کریم کو اولین ماخذ کی حیثیت دی گئی ہے۔ سرسید قرآنیات کا وسیع مطالعہ رکھتے تھے۔ مفسّرین کی آراء سے واقف تھے۔ یہی وجہ ہے کہ عربوں کی تاریخ، ذبیح اور بیت عتیق وغیرہ کے سلسلے میں قرآن کریم کو بنیاد بنایا گیا ہے۔ خطبات احمدیہ کی ایک خاص بات یہ ہے کہ اس میں جگہ جگہ صحف آسمانی سے استفادہ کیا گیا ہے۔ چوں کہ سرسید عبرانی زبان سے بخوبی واقف تھے اس لیے انھوں نے مترجم توریت، زبور اور انجیل سے استفادہ کرنے کے بجائے براہ راست اصلی صحف آسمانی سے استفادہ کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جا بجا خطباتِ احمدیہ میں عبرانی اقتباسات نقل کیے گئے ہیں۔ بالخصوص توریت اور انجیل میں آپ ﷺ کی آمد سے متعلّقہ بشارتیں براہِ راست عبرانی زبان میں نقل کی گئی ہیں۔ یہ امتیاز کسی اور سیرتی تصنیف کو حاصل نہیں۔ یہاں یہ نکتہ بیان کرنا مناسب ہوگا کہ ایک مدلل سیرت رسول ﷺ لکھنے کے لیے عبرانی زبان سے بھی واقفیت ضروری ہے۔

حوالہ جات وحواشی

۱۔ مجلّہ ''السیرۃ'' اور مجلّہ ''تعمیر افکار'' کراچی کے ایڈیٹر مولانا عزیز الرحمٰن نے اپنی سیرت سے متعلّق کتاب میں جلاء القلوب بذکر المحبوب اور خطبات کی اہمیت وافادیت پر روشنی ڈالی ہے اور سیرت نگاری کے میدان میں ان کے قائدانہ اور مجددانہ کردار کا اعتراف کیا ہے۔

۲۔ سیرت سے متعلّق سرسید کے چند مقالات: (ا) کیا اسلام زبردستی اور جبر سے پھیلا اور کیا آنحضرتؐ نے

دین حق کی اشاعت تلوار سے کی؟ (مقالات سرسید، گیارہویں جلد)، حضرت ابراہیم اور کعبہ کی تعبیر (مقالات سرسید، جلد چہاردہم)، ازواج مطہّرات رسول خداﷺ (مقالات سرسید، حصہ چہارم)، ان کے علاوہ بھی مقالات سرسید میں سیرت طیبہ سے متعلق متعدد مقالات موجود ہیں۔

۳۔ ولیم میور کی حیات وخدمات کے لیے دیکھیے: انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا
۴۔ سرسید احمد خاں اور ان کا عہد، ثریا حسین، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، ۱۹۹۳ء، ص: ۱۳۸
۵۔ الخطبات الاحمدیہ فی العرب والسیرۃ المحمدیہ، سرسید احمد خاں، سرسید اکیڈمی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، ۲۰۰۳ء، ص: ۸
۶۔ سرسید احمد خاں اور ان کا عہد، ثریا حسین، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، ۱۹۹۳ء، ص: ۱۱۳
۷۔ حیاتِ جاوید: مولانا الطاف حسین حالی مرحوم، اکادمی پنجاب لاہور، فروری ۱۹۵۷ء، ص: ۴۹۲، مکتوبات سرسید، ص: ۴۳۔۴۴
۸۔ خطبات احمدیہ، (مقدمہ از جناب شیخ اسماعیل پانی پتی)، ص: ۱۱
۹۔ مکتوبات سرسید، ص: ۶۲
۱۰۔ مکتوبات سرسید، (مرتبہ شیخ اسماعیل پانی پتی، زیر نگرانی سید عابد علی عابد) مجلس ترقی ادب، لاہور، ص: ۶۲
۱۱۔ مکتوبات سرسید، ص: ۷۴۔۷۵ ۱۲۔ مکتوباتِ سرسید، ص: ۶۷
۱۳۔ خطوط سرسید، نظامی پریس، بدایوں، ص: ۲۷
۱۴۔ خطباتِ احمدیہ (مقدمہ از جناب شیخ محمد اسماعیل پانی پتی)، ص: ۹۔۱۰
۱۵۔ سرسید احمد خاں کے خطوط (مرتبہ وحیدالدین سلیم)، حالی پریس پانی پت، ص، ۶۴۔۶۵
۱۶۔ مکتوبات سرسید، ص: ۶۷۔۶۸ ۱۷۔ الخطبات الاحمدیہ، ص: ۱۱۔۱۲
۱۸۔ خودنوشت، ص: ۲۸۵
۱۹۔ تبیین الکلام، سرسید احمد، سرسید اکیڈمی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ ۲۰۰۴ء، (مقدمہ)
20. The life and work if Syed Ahmad Khan G.F.I. Graham Idrah-i-sdaliyat-i-Delhi, Delhi1974, p.106
۲۱۔ ماہنامہ تہذیب الاخلاق (مئی ۲۰۱۴ء، ۳۳/ ۵) میں حدیث کے تعلّق سے سرسید کی تین تحریریں ہیں جن سے ان کے حدیث کے تئیں نقطہ نظر سمجھا جا سکتا ہے۔
۲۲۔ الخطبات الاحمدیہ، ص: ۱۰ ۲۳۔ المیزان بحوالہ الخطبات الأحمدیہ، ص: ۱۰
۲۴۔ الخطبات الاحمدیہ، ص: ۱۱ ۲۵۔ ایضاً، ص: ۱۲
۲۶۔ الخطبات الاحمدیہ، ص: ۱۲ ۲۷۔ الخطبات الاحمدیہ، ص: ۱۲
۲۸۔ ایضاً، ص: ۱۴ ۲۹۔ ایضاً، ص: ۱۹۔۲۰
۳۰۔ ایضاً، ص: ۳۷۔۳۷۸ ۳۱۔ ایضاً، ص: ۳۸
۳۲۔ خطبات احمدیہ، ص: ۳۸۔۳۹ ۳۳۔ ایضاً، ص: ۹۱۔۹۲
۳۴۔ مولانا فراہی کی کتاب ''الرای الصحیح فی من ہوالذبیح ۱۶۴ صفحات پر مشتمل ہے اس میں توریت، قرآن مجید

اور بہت سی روایات اور اقوال علماء کرام کی روشنی میں بتایا گیا کہ ذبیح اسماعیل علیہ السّلام ہیں یہ کتاب ۱۹۹۹ء میں ''دارالعلم'' دمشق سے شائع ہوئی ہے۔

۳۵۔ شبلی نعمانی، علامہ، سیرۃ النبی، دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، یوپی، طبع جدید، ۱/ ۱۹۔۱۰۰

۳۶۔ مولانا فراہی مکاتیب شبلی کے آئینہ میں، ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی (علامہ حمیدالدین فراہی: حیات وافکار، مقالات فراہی سمینار)، دائرہ حمیدیہ، مدرسۃ الفلاح، سرائے میر، اعظم گڑھ، ۱۹۹۲ء، ص: ۴۴۲۔۴۵۲

۳۷۔ کتاب الامالی، اسماعیل بن القاسم القالی، مطبعۃ دارالکتب المصریۃ، القاہرۃ، الطبعۃ الثانیہ، ۱۳۴۴ھ۔ ۱۹۲۶ء، الجزء الاول، ص: ۱۶

۳۸۔ دیوان ابط شرا، اعتنی بہ، عبدالرحمٰن المصطاوی دارالمعرفۃ بیروت، لبنان، الطبعۃ الثانیہ، ۱۴۲۷ھ/ ۲۰۰۶ء، ص: ۳۷

۳۹۔ دیوان امراؤالقیس، عبدالرحمٰن المصطاوی دارالمعروف، بیروت، لبنان، الطبعۃ الثالثۃ، ۱۴۲۷ھ/ ۲۰۰۶ء، ص: ۵۳

۴۰۔ دیوان االہذلیین، الدارالقومیۃ، للطباعۃ والنشر، القاہرۃ، ۱۳۸۵۔۱۹۶۵ء، القسم الثانی ص: ۱۵

۴۱۔ شرح القصائدالعشر، ابوزکریا یحیی بن علی التبریزی، المطبعۃ السلفیۃ، بمصر، ۱۳۴۳ھ۔ص: ۲۲۹

۴۲۔ الخطبات الأحمدیۃ، ص: ۱۲۳

۴۳۔ دیوان حاتم الطائی، شرح غریبہ، وقدم لہ عبدالرحمٰن المصطاوی، دارالمعروفۃ بیروت، لبنان، الطبعۃ الاولی، ۱۴۲۶ھ۔۲۰۰۵ء، ص: ۸۱

۴۴۔ یہ شعر دیوان حاتم طائی میں موجود نہیں ہے۔

۴۵۔ البیان والتبیین، عمروبن بحرالجاحظ، داراحیاء التراث العربی، دارالفکر للجمیع، ۱۹۶۸ء، ص: ۵

۴۶۔ شرح القصائدالعشر، ابوزکریا یحیی بن علی التبریزی، المطبعۃ السلفیۃ، بمصر، ۱۳۴۳ھ۔ص: ۲۵۳

۴۷۔ دیوان لبید بن ربیعہ، اعتنی بہ حمد وطماش، دارالمعرفۃ بیروت، لبنان، الطبعۃ الثانیۃ ۱۴۲۸ھ۔۲۰۰۷ء، ص: ۵۷

۴۸۔ شرح دیوان کعب بن زہیر، الحسن بن الحسین بن عبیداللہ السکری، الدارالقومیۃ للطباعۃ والنشر، القاہرۃ، ۱۳۶۹ھ۔۱۹۵۰م، ص: ۲۱۲

۴۹۔ دیوان لبید بن ربیعہ، ص: ۱۱۵

۵۰۔ دیوان لبید بن ربیعہ، ص: ۵۱

۵۱۔ الخطبات الاحمدیۃ، ص: ۱۲۱۔۱۳۴

۵۲۔ تفسیر سرسید میں کلام عرب (مطالعات سرسید، ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی، شعبہ عربی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، اکتوبر ۲۰۱۳ء، ص: ۵۹۔۵۷

۵۳۔ تفسیر القرآن: ہوالہدی والفرقان، سرسید احمد خاں، نولکشور، لاہور، ۵

۵۴۔ تحریر فی اصول التفسیر، سرسید احمد خاں، خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۹۵ء، ص: ۵۸۔۵۹

۵۵۔ سیرت عائشہ اور عباس محمود العقاد: سرت نگار، ابوسفیان اصلاحی، فکرونظر، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، اکتوبر ۱۹۹۲ء، ۲۹/ ۵۳۔۷۳

۵۶۔ الخطبات الاحمدیۃ، ص: ۱۲۶

۵۷۔ ایضاً، ص: ۱۳۳

۵۸۔ الخطبات الاحمدیۃ،ص: ۱۳۰۔۱۳۱ ۵۹۔ الخطبات الاحمدیۃ،ص: ۱۵۳
۶۰۔ ایضاً،ص: ۱۵۷۔۱۵۹ ۶۱۔ ایضاً،ص: ۱۵۹
۶۲۔ ایضاً،ص: ۱۶۰ ۶۳۔ ایضاً،ص: ۱۶۴
۶۴۔ الخطبات الاحمدیۃ،ص: ۱۶۷ ۶۵۔ خطبات احمدیہ،ص: ۱۶۷
۶۶۔ سرسید کا رسالہ ''ابطال غلامی، سب سے پہلے قسط وار تہذیب الاخلاق کی جلد دوم میں شائع ہوا۔ دیکھیے تہذیب الاخلاق (مدیر ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی) مئی ۲۰۱۴ء، ۳۳/۵، ص: ۱۳۔۸۰
۶۷۔ جامعہ کراچی کی استاذہ ڈاکٹر حمیرہ ناز نے مولانا سعید اکبر آبادی کے تاریخی شعور سے متعلق اپنے تحقیقی مقالہ میں اس رسالہ پر اظہار خیال کیا ہے۔
۶۸۔ الرق فی الاسلام: ایک جائزہ، ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی (مولانا سعید اکبر آبادی: احوال و آثار، مرتبہ ڈاکٹر محمد سعود عالم قاسمی، شعبۂ سنی دینیات، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ ۲۰۰۵ء، ص: ۱۳۷۔۱۵۱
۶۹۔ الخطبات الاحمدیۃ،ص: ۱۷۷ ۷۰۔ ایضاً،ص: ۱۸۳
۷۱۔ ایضاً،ص: ۱۹۲ ۷۲۔ ایضاً،ص: ۱۹۴ ۷۳۔ ایضاً،ص: ۱۹۸
۷۴۔ حیات رسول امی، خالد مسعود (تلمیذ مولانا امین احسن اصلاحی)، قرآن وسنت اکیڈمی نئی دہلی، طبع اول مارچ ۲۰۰۴ء، ص: ۵۳۴۔۵۳۵
۷۵۔ تفسیر نظام القرآن، علامہ حمید الدین فراہی، امین احسن اصلاحی، دائرہ حمیدیہ، مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر اعظم گڑھ، ۱۹۹۰ء، ۱۴۱۱ھ، ص: ۲۰۷۔۲۱۳
۷۶۔ مقالات شبلی (باہتمام مولانا مسعود علی ندوی)، مطبع معارف، اعظم گڑھ، ۱۳۷۳ھ، ۱۹۵۴ء، ۱/۱۔۲۲، علامہ کے اس مضمون کا جائزہ لینے کے لیے مقالہ ''تاریخ ترتیب قرآن از علامہ شبلی نعمانی۔ ایک جائزہ'' تحریر کیا گیا ہے، دیکھیے شبلی نمبر (شبلی اکیڈمی، ۲۰۰۸ء۔ ۲۰۰۷ء) شبلی نیشنل کالج، اعظم گڑھ، ص: ۱۱۴۔۱۲۲
۷۷۔ تفسیر فصل الخطاب الحاج سید العلماء مولانا السیّد علی نقی النقوی، مجتہد اللکھنوی، ادارہ ترویج علوم اسلامیہ کراچی، پاکستان، باراول، جمادی الثانی، ۱۴۰۶ھ/ مارچ ۱۹۸۷ء، ا
۷۸۔ الخطبات الاحمدیۃ،ص: ۲۷۱۔۲۷۶ ۷۹۔ الخطبات الاحمدیۃ،ص: صم ۲۷۵، ۲۷۶
۸۰۔ ایضاً،ص: ۲۷۹ ۸۱۔ ایضاً،ص ۲۸۱ ۸۲۔ ایضاً، ۲۸۳
۸۳۔ ایضاً،ص: ۲۸۵۔۲۸۶ ۸۴۔ ایضاً،ص ۲۹۸۔۲۹۹
۸۵۔ ایضاً،ص: ۲۹۲۔۲۹۴ ۸۶۔ ایضاً،ص: ۲۹۴
۸۷۔ ایضاً،ص: ۲۹۶ ۸۸۔ ایضاً،ص: ۲۷۱۔۲۷۲

89. Bibliography of Translations of the meanings of the Glorious Quran into English 1649-2002, Abdurrahim Kidwai, King Fahad Quran Lerning Comples, 2005, pp.1-469

۹۰۔ ایضاً، ۹۱۔ ایضاً

92. The Gloarious Quran: Text translation and commintary Abdul Majid Daryabadi, The Islamic Foundation, 2001/1422 H, pp1-1146

۹۳۔ الخطبات الاحمدیہ، ص: ۲۹۹

۹۴۔ الخطبات الاحمدیۃ، ص: ۲۹۹۔۳۰۱

۹۵۔ ایضاً، ص: ۳۰۴ ۹۶۔ ایضاً

۹۷۔ تفسیر قرآن کے اصول، علامہ حمید الدین فراہی (ترتیب وترجمہ خالد مسعود)، قرآن وسنت اکیڈمی، نئی دہلی، طبع اول اکتوبر ۲۰۰۳ء، ص: ۱۰۵

۹۸۔ مولانا فراہی نے قرآن کریم کی چودہ مختصر سورتوں کی تفسیر لکھتے ہوئے یہ ثابت کیا کہ قرآن کریم میں نظم و مناسبت کے ربانی نظام کو جسے نظر انداز کر کے فہم قرآن کے حقوق ادا کرنا مشکل ہے۔ یہ مجموعہ ہائے تفسیر اولاً دائرۂ حمیدیہ، مدرسۃ الاصلاح سے شائع ہوئے، اس کے بعد ان کے تراجم میں مولانا امین احسن اصلاحی کی سعی مشکور شامل ہے۔ اب یہی مجموعے دمشق سے شائع ہو چکے ہیں۔ سورہ بقرہ، سورہ آل عمران اور سورہ الحج وغیرہ کی نامکمّل تفسیر بھی دمشق سے شائع ہو چکی ہیں۔ اور دو جلدوں میں مولانا فراہی کے حواشی بھی ''تعلیقات'' کے نام سے آچکے ہیں۔ ان تمام چیزوں میں نظم قرآن کی رعایت ملحوظ رکھی گئی ہے۔

۹۹۔ تدبر قرآن میں کلام عرب سے استدلال، (قرآنیات کے چند اہم مباحث، ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی، شعبہ عربی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، اشاعت اول، مارچ ۲۰۰۲ء، ص: ۱۰۳۔۱۳۰

۱۰۰۔ الخطبات الاحمدیۃ، ص: ۳۰۲۔۳۰۷ ۱۰۱۔ الخطبات الاحمدیۃ، ص: ۳۱۴۔۳۱۶

۱۰۲۔ ایضاً، ص: ۳۱۶

شخصية الرسول ﷺ في شعر حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ

عمرانہ شہزادی☆

Abstract:

"History of Islam proves a large number of believers who defended Islam and Prophet (PBUH) through their swords and other served Muhammad (PBUH) through their tongue. In present scenario of blasphemy and defamation of Holy prophet (PBUH) by some so called champions of freedom of opinion, it is first and foremost duty of Muslim Ummah to high light sacred work in praise of Holy prophet (PBUH). In this article poetry of Hazrat Hassan-Bin-Sabit (R.A) has been discussed, as Hazrat Hassan-bin-Sabit "poet of prophet" praised Rasool- Ullah (PBUH) through many attributes like beauty, grace, pleasant and good moral qualities Hazrat Hassan-bin-Sabit (R.A) undoubtedly instilled the glory of Hazrat Muhammad (PBUH) in the heart and soul through his powerful poetic talent."

نحن نعرف أن فن الشعر من بين الكلام كان شريفاً عند العرب ولذلك جعلوه ديوان علومهم واخبارهم. وايضاً كان التعبير الإبداعى عن تجربة العرب الانفعالية والفكرية والثقافية قبل الإسلام. وبعد الإسلام اصبح اوّل الفنون الإسلامية الّذى لعب دوراً هاماً فى بدايات الدعوة الإسلامية وفى نشر لغة الإسلام والثقافة العربية الاسلامية فى العصور اللاحقة. تعود بدايات المدح النبوى إلى الجدال التاريخى الّذى نشأ بين شعراء من قريش الّذين تجنّدوا للدفاع عن دعوة الإسلام من جهة والنبى ﷺ وصحابته من جهة ثانية فالرّسول ما كان شاعراً وما قال الشعر ولكن الحملات العدائية الشعرية و تأثير الشعر والشعراء فى المجتمع الجاهلى

☆ الاستاذة المساعدة جامعة الكليّة الحكوميّة للنساء ، بفيصل آباد

جعلت الرسول يستعين بشعراء المسلمين للردّ على حملات اعدائه بسلاح الشعر نفسه نحن نقرء ان الرسول كان يتعهّد هولاء الشعراء بالعناية والرعاية[۱] في هذا السياق شكلت شخصية النبی ﷺ منذ بدايات الدعوة الإسلامية وصارت محوراً هامّاً وموضوعها أساسياً وأهم الانواع الشعرية العربيّة أى الشعر الدينی الّذی يتناول موضوعات مثل الوحدانية والعشق الإلهی ومدح النبی ﷺ وآل بيته، عملت شخصيّة الرسول وتعاليمه وتوجيهاته للشعراء على تثبيت القيم الدينية فی شعرهم، والمثل الأخلاقية المألوفة من العصر الجاهلی الّتی اقرّها الإسلام فی القرآن وسنة النبی ﷺ وخفت لهجة الهجاء والمديح والفخر القبلی فی الشعر الإسلامی إلی حد كبير[۲] يبدؤ ان الشعراء وجدوا فی شخصية النبی ﷺ وفی تسامحه وهدايته الروحية متنفساً جديداً وكان منهم حسان بن ثابت فلمّا دخل الإسلام بدء ينشد شعراً يمدح فيه الرسول ويهجو اعداء ه لذلک يسمّى " شاعر الرسول ﷺ " وبعد دخوله فی الاسلام كان يتقيد بحدود الدين ويتجنب التعبير عن أیّ نزعة تتعارض مع العقيدة الإسلامية .كان رسول الله ﷺ كان ينصب له منبرا فی المسجد يقوم عليه قائماً ، يفاخر عن رسول الله ﷺ[۳] ورسول الله ﷺ يقول : " إن الله يؤيد حسان بروح القدس "[۴]

قبل ان اذكر ما قال حسان بن ثابت فی شعره عن شخصية الرسول ﷺ يستحسن به ان اوضح العوامل الّتی تتكون منها الشخصية مثل تحتوی شخصية الرجل خَلْقه وخُلقه ، الخَلق يتعلق بالصفات الخَلقية الشكليّة والخُلق بالصفات الخلقية المعنوية. قد ذكر المحدثين واصحاب السيرة شخصية الرسول ﷺ بوضوح ساطعٍ ولم يتخلف الشعراء بهذه السعادة الجليلة قد اهتم شعراء صدر الإسلام عن شخصية الرسول ﷺ الخلقية والخلقية ، اهتماماً واضحاً وبعد دراسة عميقة نلاحظ ان الصورة الخلقيّة لرسول ﷺ اكثر سطوعا وتألقا من الصورة الخلقية بعد دراسة عميقة لديوان حسان بن ثابت نجد ذكرالخلق والخلق لنبی ﷺ قد ذكر صورة النبی ﷺ بوصف النور والمراد بالنور نوراً محسوساً شاهداً لديه لذلک يقول :

وافٍ وماضٍ ، شهاب يستضاء به بدر أنار على كلّ الأماجيد[۵]

فقد استطاع الشاعر حسان بن ثابت ان يصور بكلمة الجميلة شخصية الرسول ﷺ الخلقية (الجسدية) وهوبين اصحابه الكرام فی معركة بدر بأنّه ،

كشهاب يستضيئون به كالبدر المنير على جميع السادة والأشراف .

وقال أيضاً :

مبارك ، كضياء البدر صورته ما قال كان قضاء غير مردود(٦)

ففى هذا البيت تتضح لنا صورة وجهه عليه الصلاة والسّلام واضحة جليّة منيرة كالبدر فى ظلام الليل .

وقال حسان بن ثابت رضى الله عنه واصفاً ومادحاً لون وجه الرسول الله ﷺ :

أغرّ عليه للنبوة خاتم من الله شهود يلوح ويشهد

وضمّ الإله اسم النّبى إلى اسمه إذا قال فى الخمس المؤذن أشهد(٧)

فى البيت الأوّل بيّن لون وجهه صلوات الله وسلامه عليه بأنّه أغرّ أبيض

وقال حسان بن ثابت مادحاً النبى ﷺ :

فأمسى سراجاً مستنيراً وهادياً يلوح كما لاح الصّقيل المهنّد(٨)

قوله سراجاً مستنيراً مستوحى من قوله تعالى :

وداعياً إلى الله بإذنه وسراجاً منيراً(٩)

ويقول حسان بن ثابت رضى الله عنه مشبهاً رسول الله بنور القمر :

غداةً أتاهم يهوى إليهم رسول الله كالقمر المنير(١٠)

وذكر فى أسد الغابة أن عائشة رضى الله عنه وصفت رسول الله ﷺ ، فقالت : كان والله كما قال حسان(١١)

متى يبد فى الدّاجى البهيم جبينه يلح مثل مصباح الدّجى المتوقّد

فمن كان أو من يكون كأحمد نظام لحقٍ أو تكأل لملحدٍ(١٢)

وفى البيتين الآتيين قد رسم لنا حسان بن ثابت الصورة النبوية الظاهرة بشكلها العام بحلاوةٍ وطراوةٍ إذ يقول :

وأحسن منك لم ترقط عينى وأجمل منك لم تلد النساء

خلقت مبرّء اً من كل عيب كأنك قد خلقت كما تشاء(١٣)

قد شبّه حسان بن ثابت الرسول ﷺ فى حياته بالنور والكواكب والشمس والقمر والشهاب والبدر ، والسراج والمصباح ووصف به وجه النبى ﷺ بأنّه أغرّ ، وأزهر وأبلج .وجميع هذه الالفاظ تدل على حسنه صلوات الله وسلامه عليه ، والمقصود بهذا النور بالنور نوراً مشاهداً محسوساً لديه. وعند ما نأتى إلى رثائه للنبى

ﷺ نجد ان النور قد وجد فی اشعاره إلی معان أخری غیر مشاهدة عیاناً والمقصود بذلک النور ، نور الدعوة والرسالة ونور الوحی الّذی انقطع حیث انتقلت روحه ﷺ إلی الرفیق الأعلی لذلک یقول حسان بن ثابت رضی الله عنه .

نوراً أضاء علی البرّیة کلّها   من یهد للنّور المبارک یهتدی
یاربّ فاجمعنا معاً ونبیّاً   فی جنّة تثنی عیون الحسّد[14]

وقال یرثی النبی ﷺ :

بطیبة رسم للرسول ومعهد   منیر وقد تعفوا لرّسوم وتهمد
ولا تنمحی الآیات من دار حرمة   بها منبر الهادی الّذی کان یصعد
وواضح وآیات وباقی معالم   وربع له فیه مصلیّ ومسجد
بها حجرات کان ینزل وسطها   من الله نور یستضاء ویوقد[15]

وقال حسان بن ثابت فی قصیدته کان امراً مقدراً :

کان الضیاء وکان النّور نتبعه   بعد الإله وکان السّمع والبصرا
فلیتنا یوم وأزوه بملحده   وغیّبوه والقوا فوقه المدرا
لم یترک الله منّا بعده أحداً   ولم یعش بعده أنثی ولا ذکرا[16]

وقال حسان رضی الله عنه :

تقطّع فیه منزل الوحی عنهم   وقد کان ذا نور یعور وینجد[17]

أنعم الله سبحانه وتعالی علی النبی ﷺ بالأخلاق الحمیدة والفضائل المجیدة لا یمکن حصرها ، فکانت سیرته ، المثل الاعلی لجمیع المسلمین تجلّت فی شخصیته کل صفة من الصفات الخلقیة بأسمی صورته .کصدقه ورحمته وشجاعته وکرمه وهدیه وحلمه و علمه ...کما قال الله سبحانه وتعالی فی قوله :

﴿ وإنّک لعلی خلقٍ عظیم ﴾[18] فی هذا البحث قد رکزت علی جملةٍ من صفاته ﷺ الّتی وردت فی شعر حسان بن ثابت .

الشجاعة :

إن الشجاعة تعد من الصفات الحمیدة الّتی طالما افتخر بها العرب وتغنوا بشجاعة رؤسائهم ، والاستشهادات لا یمکن حصرها الّتی بیّن شخصیة الرسول ﷺ الشجاعة القیادیة وقد استلهم الشعراء من شجاعته معانی رائعة .فهذا حسان بن ثابت یصوّر جیش المسلمین والرسول ﷺ فی مقدمة الجیش قویّاً شجاعاً فی اصعب الاوقات یقول :

مستشعر حلق الماذیّ یقدمهم جلد النّحیزة ماض غیر رغدید
ماض على الهول رکّاب لما قطعوا إذا الكماة تحاکموا فی الصنادید(۱۹)

وقال حسان مادحاً الرسول ﷺ ، ومبیّناً اقدامه على العدو بصدقٍ:

وذکرت منّا ماجداً ذا همّة سمح الخلائق صادق الأقدام
أعنى النبیّ أخا التکرّم والنّدى وأبرّ من یؤلی على الأقسام(۲۰)

الصدق :

الصدق صفة مرتبطة بالأنبیاء جمیعاً فما أرسل الله من نبی إلّا صادقاً والنبی محمد ﷺ خاتم لهؤلاء الانبیاء نجد أن الله سبحانه وتعالى قد نزل ایات بیّنات تدل على صدقه ، یقول حسان بن ثابت مطالبا المشرکین بتصدیق النبی ﷺ :

وقال الله قد أرسلت عبداً یقول الحق إن نفع البلاء
شهدت به فقوموا صدّقوه فقلتم لا نقوم ولا نشاء(۲۱)

ویؤکد حسان بن ثابت رضی الله عنه فی أغلب قصائده بصدق النبی ﷺ وبصدق کل ما یأتی به یقول :

رسول نصدّق ما جاءه من الوحی کان سراجاً منیراً(۲۲)

ولهذا الایمان الصادق للنبی الصادق علیه السلام یدعو حسان للهجرة إلى المدینة :

وقلنا صدقت رسول الملیک هلمّ إلینا وفینا أقم
فنشهد أنّک عند الملیک ارسلت حقّاً بدین قیم(۲۳)

الهدى :

قال رسول الله ﷺ " إنّ مثل ما بعثنی الله به من الهدى والعلم "(۲۴)

وأشار حسان رضی الله عنه إلى تأثیر الرسول ﷺ على القوم الّذی یحل بهم :

ترحلّ عن قوم فضّلت عقولهم وحلّ على قومٍ بنورٍ مجدّد
هداهم به بعد الضلالة ربّهم وأرشدهم من یتبع الحق یرشد(۲۵)

وفی قصیدة اخرى نجده یقسم بأفضلیة الرسول الهادى ﷺ على بقیة الخلق ، فیقول :

تالله ما حملت انثى ولا وضعت مثل الرسول نبیّ الامّة الهادی(۲۶)

الوفاء :

الوفاء من الاخلاق الکریمة والصفات الحمیدة واعتبر من صفات النفوس الشریفة ، عند ما نحن نبحث فی دیوان حسان بن ثابت نجد انّه قد ذکر هذه الخصلة

الطيّبة التى تحلى بها عليه الصلاة والسلام ، يقول عن وفاء النبى ﷺ :

وافٍ وماضٍ شهاب يستضاء به بدر أنار على كلّ الأماجيد[٢٧]

وأيضاً يقول فى قصيدة يهجو فيها ابا سفيان بن الحارث قبل إسلامه ويذكر عدداً مناقب النبى ﷺ ومنها الوفاء :

أتهجوه ولست له بكف فشرّ كما لخير كما الفداء

هجوت مباركاً برّاً حنيفاً أمين الله شيمته الوفاء[٢٨]

وبعد وفاة النبى ﷺ وضّح حسان بن ثابت خلال شعره وفاء المصطفى عليه الصلاة والسلام ويؤمن لن يصل لدرجة وفاء الرسول ﷺ أحد من العالمين ، فيقول :

تالله ما حملت أنثى ولا وضعت مثل الرسول نبّى الأمّة الهادى

ولا برا الله خلقاً من بريّته أو فى بذمّة جارٍ أو بميعاد[٢٩]

ومن مرثيته أخرى يشير حسان بن ثابت إلى وفاء الرسول ﷺ :

وما فقد الماضون مثل محمد ولا مثله حتّى القيامة يفقد

أعفّ و أوفى ذمّة بعد ذمّة واقرب منه نائلاً لا ينكدّ[٣٠]

الحلم :

يعدّ الحلم من الصفات ذات الشأن الرفيع قبل مجي الإسلام وشعراء تلك الفترة يعترف اهميّة هذه الفضيلة عند ما يمدحون ملوكهم وبعد إشراق شمس الإسلام ظهر ذلک واضحا جلياً فى شخصية أحلم الناس الصلاة والسلام وكان حلم النبى ﷺ سببا فى قبول اسلام كثير من اعداء ه .وعند حسان بن ثابت يغيب الحلم مع غياب الحبيب عليه الصلاة والسلام فقال بهذه المناسبة :

لقد غيّبوا حلماً وعلماً ورحمةً عشيّة علّوه الثرى لا يوسد[٣١]

العفّة :

تعدّ العفّة إحدى الفضائل النفسية كان رسول الله ﷺ تتصف بهذه الصفة الجليلة ولم تصل اليه احد من الدنيا فقال عنه حسان بن ثابت رضى الله عنه فى مرثية للرسول ﷺ :

أعفّ وأوفى ذمّةً بعد ذمة وأقرب منه نائلاً لا ينكد

وأبذل منه للطّريف وتالد إذا ضنّ معطاء بما كان يتلد[٣٢]

العدل :

العدل من المثل العليا الّتى أمر الله جميع انبيائه . وقال سيد قطب عن عدل

النبی ﷺ : کان عدله شاملاً جمیع مجالات الحیاة کافة ولا یغیره حسب ولا نسب ولا مال ولا جاه کما تتمتع به الأقوام الأخری .(۳۳)

وبیّن حسان بن ثابت رضی الله عنه عدل المصطفی ﷺ حیث یقول :

فمن کان أو من یکون کأحمد　　نظام لحقّ أو نکال لملحد(۳۴)

یقول حسان بن ثابت رضی الله عنه عن سماحة النبی ﷺ وعدله :

وذکرت منّا ماجداً ذا همّة　　سمح الخلائق ماجد الإقدام

أعنی النبی أخا التکرّم والندی　　وأبرّ من یولّی علی الأقسام(۳۵)

الرحمة :

قد ارسل الله تعالی سیدنا محمدا علیه الصلاة والسلام رحمة للعالمین إن الرحمة کانت صورة وعلامة واضحة فی حیاته علیه الصلاة والسلام ورحمته لم تقصر علی المومنین بل شملت المشرک والکبیر والصغیر والحرّ والعبد بل حتی الحیوان .إذ یصف حسان بن ثابت بعدّة مناقب منها الرحمة فیقول :

مثل الهلال مبارکاً ذا رحمة　　سمح الخلیقة طیب الأعواد(۳۶)

عند ما توفی النبی علیه الصلاة والسلام یخیل حسان بن ثابت أنّ الرحمة قد غابت من الدنیا بغیابه فیقول :

لقد غیّبوا حلماً وعلماً ورحمة　　عشیة علّوه الثّری لا یوسد(۳۷)

الکرم :

تعدّ فضیلة الکرم من الفضائل العربیّة المحمودة قبل مجئ الإسلام ولم تکن جدیدة لدی شعراء صدر الإسلام .إنّ کرم النبی ﷺ وجوده علیه الصلاة والسلام یضرب به المثل بل هو المثل الاعلی کتب السیرة ملیئة بالشواهد المبنیّة لکرم رسول الله ﷺ .ویقول حسان بن ثابت عن جود النبی ﷺ یوم بدر :

أعنی الرّسول فإن الله فضّله　　علی البریّة بالتقوی وبالجود(۳۸)

ویؤکد حسان بن ثابت علی کرم الرسول ﷺ قائلاً :

وأبذل معه للّطریف وتالد　　إذا ضنّ معطاء بما کان یتلد

وأکرم حیّاً فی البیوت إذا انتمی　　وأکرم جدّاً أبطحیّاً یسوّد(۳۹)

الممیزات النبویة :

قد ذکر الشعراء صفات النبی ﷺ خَلقاً وخُلقاً هکذا ایضاً ذکر ممیزات النبی صلی اللّٰه علیه وسلم فی ابیاتهم والمراد بالممیزات النبویة الّتی انفرد بها علیه

الصلاۃ والسلام عن بقیة الخلق اختصه الله بها لتكون اية ودليلاً على صدق نبوته ورسالته .والصفات الّتى فضّل الله بها عليه الصلاۃ والسلام عديدة لكن اكتفى هنا على بعض ما وجدت فى شعر حسان بن ثابت رضى الله عنه من ذلك .

الشفاعة :

حسان بن ثابت رضى الله عنه لم يَنْسَ هذه الميزة الّتى شرف بها نبيّه ﷺ وسبب مدح النبى عند حسان بن ثابت ان قلبه قد ملأت بالايمان العميق ورسالته ويوم البعث ، فشعر بأهمية الشفاعة يوم الحساب ولذلك كان يتمنى له اثناء مدحه ﷺ ، فهذا حسان بن ثابت يشير إلى هذه المكرمة فى المؤمنين المقاتلين يوم بدرٍ .

لأنهم يرجون منه شفاعة إذا لم يكن إلّا النبيّن شافع[۴۰]

خاتم النبيين :

قال الله سبحانه وتعالى : " ما كان محمد أبا احد من رجالكم ولكن رسول الله وخاتم النبيّن "[۴۱]

هذا الشرف الرّبانى الّذى اختاره الله سبحانه وتعالى لنبيّه محمد ﷺ .ومن بين الشعراء الّذين حاولوا أن يمتدحوا نبيّهم عليه الصلاۃ والسلام ويعلون من شأن هذه المنزله حسان بن ثابت رضى الله عنه ، يمدح الرسول ﷺ :

أغرّ عليه للنبوة خاتم من الله مشهود يلوح ويشهد[۴۲]

نصرة الملائكة :

ومن رعاية الله وسبحانه للرسول ﷺ أن أمدّه بنصر من الملائكة .وهذا ما بيّنه الله تعالى فى قوله : "وأيّده بجنود لم تروها ... "[۴۳]

وان الشعراء فقد عبروا عن هذه المكرمة الإلهية الّتى اختص به الله تعالى نبيه لأجل هذا يقول حسان بن ثابت رضى الله عنه :

فانزل ربّى للنبى جنوده وأيّده بالنصر فى كل مشهد[۴۴]

وفى غزوة الخندق قد أيّد الله بالملائكة نبيّه ولا يمكن للمشركين أن يهزموا المسلمين وحسان بن ثابت يصور هذه الصورة فى أشعاره:

حتّى إذا وردوا المدينة وارتجوا قتل النبى ومغنم الأسلاب
وغدوا علينا قادرين بأيدهم ردّوا بغيظهم على الأعقاب
بهبوبٍ معصفة تفرق جمعهم وجنود ربّك سيّد الأرباب
وكفى الإله المومنين قتالهم وأثابهم فى الأجر خير ثواب[۴۵]

ويقول حسان بن ثابت ايضاً :

بسقم كنانة جهلاً من عداوتكم — إلى الرسول فجند الله مخزيها
هلّا اعتبرتم بخيل الله إذ لقيت — أهل القليب ومن اردينه فيها[۴۶]

الرويا ء الصادقة واطلاعه على الغيب :

لقد تكرّم الله سبحانه وتعالى على رسوله ﷺ بفضائل ومميزات عديدة تميزّبها عن الآخرين ومن ذلك اطلاعه على الغيب والرويا ء الصادقة كما قال الله تعالى فى القرآن الحكيم :

﴿ تلك من أنباء الغيب نوحيها ما كنت تعلمها ولا قومك من قبل هذا﴾[۴۷]

وقال عليه الصلاة والسلام : إنّى أرى ما لا ترون وأسمع مالا تسمعون[۴۸]

وقد عبّر الشعراء عن هذه المعجزة فقال حسان بن ثابت رضى الله عنه هكذا

نبّى يرى ما لا يرى الناس حوله — ويتلو كتاب الله فى كلّ مسجد
وإن قال فى يوم مقالة غائب — فتصديقها فى اليوم أوفى ضحى الغد[۴۹]

ويقول :

محمد والعزيز الله يخبره — بما تكن سريرات الأقاويل[۵۰]

الطّاعة :

قد أشار الله سبحانه وتعالى إلى فضيلة النبى ﷺ إلى درجة أنه ارتبط طاعته برضاء ه ومن التزام بها فيكون له الجزاء والرحمة والفوز بالجنّة ، يقول الله سبحانه وتعالى : ﴿من يطع الله ورسوله يدخله جنّات تجرى من تحتها الانهار ﴾[۵۱]

وهكذا قال رسول الله ﷺ ...."من أطاعنى دخل الجنّة من عصانى فقد أبى"[۵۲]

ولهذا السبب نجد حسان بن ثابت يفتخر بطاعة الرسول ﷺ فيقول :

فينا الرسول وفينا الحق نتبعه — حتّى الممات ونصر غير محدود[۵۳]

فى قصيدته الّذى أنشد يوم بدر ويشير إلى طاعة الصحابة لأومر قائدهم عليه الصلاة والسلام فيقول :

وفوا يوم بدرٍ للرّسول وفوقهم — ظلال المنايا والسّيوف اللّوامع
دعا فأجابوه بحقّ وكلّهم — مطيع له فى كلّ أمرٍ وسامع[۵۴]

البركة :

تفضل الله سبحانه وتعالى على رسوله محمد ﷺ بصفة البركة حتى

اصبحت هذه الصفة من معجزاته قد ظهرت برکته فی امورٍ کثیرة لا یمکن الإحاطة وحسان بن ثابت یشیر إلی برکة رسول الله ﷺ وعند ما هجا ابو سفیان النبی ﷺ فاجابه معترفاً ببرکة رسول الله ﷺ :

أتهجوه ولست له بکفء فشرّ کما لخیر کما الفداء
هجوت مبارکاً برّاً حنیفاً أمین الله شیمته الوفاء(۵۵)

ویقول کذلک :

مبارک کضیاء البدر صورته ما قال کان قضاء غیر مردود(۵۶)

وقال یرثیه علیه الصلاة والسلام :

من الّذی کان فینا یستضاء به مبارک الأمر ذا عدل وإرشاد(۵۷)

النّبوة والرسالة :

قد شرف الله سبحانه وتعالی رسول الله ﷺ بهاتین الصفتین تمیّز بها عن غیره من الرسل علیهم السلام خلال دراسة القرآن الکریم نجد ان الله سبحانه وتعالی یخاطب بقیة الرسل بأسماء هم المجردة ، والآیات الکثیرة تدل علی مخاطبته إیاه علیه الصلاة والسلام بصفتی الرسالة والنبوة .مثل :﴿ یا ایها الرسول بلّغ ما انزل الیک من ربّک﴾(۵۸)

أمّا شعراء صدر الإسلام قد ساروا علی نهج الإلهی وحرصوا علی وصفه علیه الصلاة والسلام بالرسالة والنبوة .ویؤکد حسان بهذه الصفة علیه الصلاة والسلام فی ابیاته یقول :

نبیّ أتانا بعد یاس وفترة من الرسل والاوثان فی الأرض
وأنذرنا ناراً وبشّر جنّة وعلّمنا الإسلام فالله نحمد وتعبد(۶۰)

وفی موضع آخر یذکر عبودیة الرسول الله ﷺ ، فهو عبد ورسول من الله ولا یقول إلا ما یوحی إلیه یقو ل:

وقال الله تعالی أرسلت عبداً یقول الحق إن نفع البلاء
شهدت به فقوموا واصدقوا فقلتم لا نقوم ولا نشاء
وجبریل رسول الله فینا وروح القدس لیس له کفاء
هجوت محمدا فأجبت عنه وعندالله فی ذاک الجزاء(۶۱)

وفی البیت الآتی یؤکد حسان رضی الله عنه نبوته ورسالته علیه الصلاة والسلام:

تالله ما حملت انثی ولا وضعت مثل الرسول نبیّ الامة الهادی(۶۲)

ويقول ايضاً :

أمير علينا رسول المليك	أحبب بذالک إلينا أمير
رسول نصدق ما جاءه	من الوحى كان سراجاً منيرا[٦٣]

العالمية :

كانت الرسالات قبل الإسلام رسالات قومية محليّة محدودة بفترة بين رسولين وكانت البشرية تخطو على هدى تلک الرسالات خطوات محدودة .يقول ﷺ : " كان النبى يبعث فى قومه خاصة وبعثت فى الناس عامة "[٦٤]

وقال الله تعالى ﴿ قل يا ايها النّاس انّى رسول الله إليكم جميعاً ﴾[٦٥]

كلمات النبى ﷺ وآية من كلام الله تدل على عالمية الرسالة وعموميتها واكبر دليل على أنه عليه الصلاة والسلام أرسل إلى الخلق كافة القرآن والحديث فى هذا الضمن تاثر افكار شعراء صدر الإسلام كما يوضّح حسان بن ثابت عالمية الرسول ﷺ فى اشعاره :

نوراً أضاء على البرية كلّها	من يهد للنّور المبارک يهتدى[٦٦]

ويقول كذلک :

يدل على الرّحمن من يقتدى به	وينقذ من هول الخزايا ويرشد[٦٧]

ولهذا معنى يشير حسان بن ثابت رضى الله عنه فى اشعاره فى رثاء الرسول عليه الصلاة والسلام :

لقد خاب قوم غاب عنهم نبيّهم	وقدس من يسرى إليهم ويغتدى
ترحّل عن قوم فضّلت عقولهم	وحلّ على قومٍ بنور مجدد
هداهم به بعد الضلالة ربّهم	وارشدهم من يتبع الحق يرشد[٦٨]

الكمال :

خلال دراسة سيرة الرسول ﷺ يوضح لنا ان النبى ﷺ قد بلغ درجة الكمال ظاهرة وباطنة لم يصل اليها احد من بشر ولن يصل اليها احد بعده وجمعت فى شخصيته الفضائل العظيمة والاخلاق الرفيعة وعرف بها فى حياته وبعد مماته وقد عبّر شعر صدر الإسلام عن كمال النبى ﷺ بأنّه سيد الناس واميرهم يقول حسان بن ثابت مبيناً أفضلية الرسول عليه الصلاة والسلام على بقيه الخلق :

أعنى الرّسول فإنّ الله فضّله	على البريّة بالتقوى وبالجود[٦٩]

كما يذكر هذه الفضيلة الّتى خصّها الله تعالى للرسول ﷺ من بين خلقه ، فيقول:

منهم رسول الهدى والله فضّله ما فى الأنام له عدل ولا كثب[۴۰]

ومن قصيدة اخرى نجد حساناً يتباهى فضيلة الرسول ﷺ :

أكست خير معد كلّها نفراً ومعشراً إن هم عمّوا وإن حصلوا[۴۱]

وقال حسان قصيدة يفخر فيها بقومه ويذكر كمال النبى ﷺ على الخلق فيقول :

نصرنا بها خير البرية كلّها إماماً ووقرنا الكتاب المنزّلا[۴۲]

ونختم ما قال حسان بن ثابت بهذه الفضيلة ومحاولته المتعددة الصادقة لاظهار صفة الكمالية على الرسول ﷺ بهذا البيت ، الّذى يقول فيه حسان بن ثابت رضى الله عنه :

خلقت مبرأ من كل عيب كأنک قد خلقت كما تشاء[۴۳]

الهوامش والمصادر

۱. ابن خلدون، عبدالرحمن، المقدمة، المطبعة الازهرية ، مصر ، ص۶

۲. المصدر السابق،ص۷

۳. انظر للتفصيل، احمد حسن زيات، تاريخ الادب العربى ، مترجم محمد نعيم صديقى ناشر : شيخ محمد بشير اينڈ سنز ، ص۲۲۳

۴. البخارى: محمد بن اسماعيل، صحيح البخارى، تحقيق مصطفى ديب البغاء دارابن كثير ، اليمامة بيروت ط۳ ،۹۹/۴

۵. حسان بن ثابت، الديوان، تحقيق عبدالرحمن البرقوقى، دارالكتب العربى، بيروت، لبنان، ص ۸۷

۶. المصدر السابق، ص ۴۰

۷. المصدر السابق، ص ۸۵

۸. المصدر السابق، ص۸۵

۹. سورة الأحزاب، آية ۴۶

۱۰. حسان بن ثابت، الديوان، ص۱۷۳

۱۱. ابن الاثير: عزالدين ابى الحسن على بن محمد الجوزى، اسد الغابة فى معرفة الصحابة، تحقيق وتعليق: محمد معوض، دارالكتب العلمية، بيروت، لبنان ط۱ ، ج۲، ص۶

۱۲. حسان بن ثابت، الديوان، ص۸۶

۱۳. المصدر السابق، ص ۴۲

۱۴. المصدر السابق، ص۹۶

۱۵. المصدر السابق، ص ۹۱، الآيات: العلامات، الحجرات: المساكن)

۱۶. المصدر السابق، ص۱۰۲ ، (راووة: أخفوه، المدر: البطن)

۱۷. المصدر السابق، ص۹۳ (یغور: یبلغ، ینجد، یبلغ)
۱۸. سورة القلم، الآیة ٦
۱۹. حسان بن ثابت، الدیوان، ص۸٦، العنادید: الشجعان، زعدید: الجبان، الجلد: القوی، النخیرة: الطبیعة
۲۰. المصدر السابق، ص۳۷۴
۲۱. المصدر السابق، ص۴۰
۲۲. المصدر السابق، ص۷۴
۲۳. المصدر السابق، ص۱٦٦
۲۴. الشنقیطی، محمد الأمین بن محمد المختار بن عبدالقادر الحنکی، اضواء البیان فی إیضاح القرآن، دارالفکر للطباعة والنشر والتوزیع بیروت، لبنان ۱۴۱۵ھ۔ ۱۹۹۰، ج ۱، ص۱۴
۲۵. حسان بن ثابت، الدیوان، ص۹۰
۲٦. المصدر السابق، ص۷۹
۲۷. المصدر السابق، ص۸۷
۲۸. المصدر السابق، ص ۴۱
۲۹. المصدر السابق، ص۷۹ (برّا:خلق)
۳۰. المصدر السابق ، ص ۹۵ (النائل : العطاء ، ولا ینکد : لا یکدر عیشه)
۳۱. المصدر السابق ، ص ۹۲
۳۲. المصدر السابق ، ص ۹۵
۳۳. قطب ، سید ، العدالة الاجتماعیة فی الإسلام ، دارالشروق ، القاهرة ، الطبعة ۷ ، ۱۹۸۰ ، ص ۱۰۵
۳۴. حسان بن ثابت ، الدیوان ، ص ۹۸
۳۵. المصدر السابق، ص ۳۷۴
۳٦. المصدر السابق ، ص ۸۷
۳۷. المصدر السابق ، ص ۹۲
۳۸. المصدر السابق ، ص ۸٦
۳۹. المصدر السابق ، ص ۹۵
۴۰. المصدر السابق ، ص ۱۴۲
۴۱. سورة الأحزاب : ۴۰
۴۲. حسان بن ثابت ، الدیوان ، ص ۸۵
۴۳. سورة التوبة ، الآیة ۴۰
۴۴. حسان بن ثابت ، الدیوان ، ص ۱۲۷
۴۵. المصدر السابق ، ص ۴۴
۴٦. المصدر السابق ، ص ۲۹۷
۴۷. سورة الهود ، الآیة ۴۹
۴۸. النیسابوری ، محمد بن عبدالحکیم ، المستدرک علی الصحیحین ، تحقیق ، مصطفی عبدالقادر عطا دارالکتب العلمیة ، بیروت ، ط ۱ ، ۱۹۹۰/۱۴۱۱ ج ۴ ص ۵۸۷
۴۹. حسان بن ثابت ، الدیوان ، ص ۹۱
۵۰. المصدر السابق ، ص ۲۳۲
۵۱. سورة النساء ، الآیة ۱۳
۵۲. البخاری ، محمد بن اسماعیل ، صحیح البخاری ، تحقیق مصطفی دیب البغاء دارابن کثیر الیمامة ، بیروت ، ط ۳ ج ٦ ح ۲٦۵۵
۵۳. حسان بن ثابت ، الدیوان ، ص ۸٦
۵۴. المصدر السابق، ص ۱۹۲

۵۵. المصدر السابق ، ص ۵۵
۵۶. المصدر السابق ، ص ۸۷
۵۷. المصدر السابق ، ص ۹۷
۵۸. سورة المائدة ، الآية ۶۷
۵۹. سورة الانفال ، الآية ۶۴
۶۰. حسان بن ثابت، الديوان، ص ۸۵
۶۱. المصدر السابق ، ص ۴۰ . ۴۱
۶۲. المصدر السابق ، ص ۹۷
۶۳. المصدر السابق ، ص ۱۶۶
۶۴. البخاری،صحیح البخاری، ۱/۴۴۸
۶۵. سورة الاعراف ، الآية ۱۵۸
۶۶. حسان بن ثابت،الديوان،ص ۹۶
۶۷. المصدر السابق ، ص ۹۳
۶۸. المصدر السابق ، ص ۹۰
۶۹. المصدر السابق ، ص ۸۶
۷۰. المصدر السابق ، ص ۱۲۱
۷۱. المصدر السابق ، ص ۳۹۴
۷۲. المصدر السابق ، ص ۲۵۴
۷۳. المصدر السابق ، ص ۴۲

مباحث السيرة النبوية فى شعر عصر النبى ﷺ

افتخار احمد خان☆

Abstract:

"The Seerah of the last Holy Prophet (ﷺ) is actually the role model to be followed, authenticated by the Qur'an: so the study of Seerah is very much important to reform and reshape the life of human generationis to come. It is why, there is so much literature has been produced on the Seerah of the Prophet (ﷺ) in every known language of world, which has no example. This great collection is found not only in prose but also in poetry. This article addresses the Seerah discussion found in poetic literature in Prophetic time period."

السيرة ميزة كبرى يتميز بها الانسان من بين أبناء جنسه، والمراد بها تلك الصفات أوالشمائل التى يتصف بها الانسان، وهكذا السيرة كلمة جامعة تشمل جميع جوانب حياة الانسان. وعندما نلقى نظر نا الى أبرز أبطال العالم و نجيل فكرنا فى سيرتهم وأحوالهم لانجد شخصية ماتتصف بأعلى الصفات وأجل الشمائل مااتصف بها سيد الانبياء والمرسلين صلى اللّٰه عليه وسلم. ان حياته كالكتاب المفتوح امام انظارنا و محلاة بأعظم الصفات وأجل الشمائل وأحسن الخصال، لاتعد ولا تحصىٰ، ونجد ذكر هذه الصفات والشمائل و الخصال فى القرآن الكريم و فى الأحاديث النبوية، والمصادر الشعرية و فى المصادر الادبيّة الأخرى، وفى هذا المقال الموجز نطالع مباحث السيرة النبوية فى شعر عصر النبى صلى اللّٰه عليه وسلم.

يقال: "الشعر ديوان العرب، والشعر مرآة الحياة العربية" وهكذا الشعر ديوان السيرة النبوية ايضاً. أنعم اللّٰه سبحانه و تعالىٰ على نبيه صلى اللّٰه عليه وسلم

☆ الأستاذ المساعد، بجامعة الكلية الحكومية بفيصل آباد

وجعل خلقه خلقاً عظيماً حيث قال اللّٰه تعالیٰ فی القرآن الكريم:

"وانک لعلی خلق عظیم"[1]

وهكذا زين اللّٰه سبحانه و تعالیٰ نبيه الخاتم صلی اللّٰه عليه وسلم بالأخلاق الحميدة والفضائل المجيدة لايمكن حصرها وإلى هذا أشار الامام البوصيری صاحب البردة رحمة اللّٰه عليه:

فمبلغ العلم فيه أنه بشر___ وأنه خير خلق اللّٰه كلهم

وقال شاعر آخر فی مدح النبی صلی اللّٰه عليه وسلم:

لايمكن الثناء كما كان حقه___ بعد از خدا بزرگ توئی قصه مختصر

وعندما نطالع الشعر العربی نجد أن كثيرا من الشعراء مدحوا النبی صلی اللّٰه عليه وسلم و ذكروا أوصاف النبی صلی اللّٰه عليه وسلم والجوانب المختلفة للسيرة النبوية فی شعرهم وهكذا نجد أن بعض شعراء ذكروا مباحث السيره النبوية فی حياة النبی صل اللّٰه عليه وسلم وهم كثيرون لايمكن إحصاؤهم ومن هؤلاء الشعرا: سيدنا حسان بن ثابتؓ، وكعب بن مالکؓ، عباس بن عبدالمطلب، وابوطالب بن عبدالمطلب، وحمزة بن عبدالمطلب، وسيدنا ابوبكر صديقؓ، وزهير بن صرد، ومالک بن نمط، ونابغة الجعدی، و عمرو بن عبداللّٰه الجمحی، وعمر بن الخطابؓ، وسعد بن ابی وقاصؓ، والعباس بن مرداسؓ، وعبدالرحمن بن عوفؓ، وحمزة بن عبدالمطلبؓ، وذباب بن الحارث، وعمرو بن الجموح، ومازن بن العضوبة، ونوفل بن الحارث، وقرة بن هبيرة، وظبيان بن كدارة الايادی، وعاتكة بنت عبدالمطلب، وكعب بن زهير، وعلی بن ابی طالبؓ، وبشير بن عرفطة، وعمر و بن سالم الخزاعی، وأروی بنت عبدالمطلب، وصفية بنت عبدالمطلب، وطالب بن ابی طالب، والاعشی الكبير، وطفيل الغنوی، وانس بن زنيم، وعبداللّٰه بن الرواحةؓ، وعبداللّٰه بن الزبعری وغيرهم.

ومن الموضوعات للسيرة النبوية التی تناولها شعراء صدر الاسلام: الشجاعة، والصدق، والهدی، والوفاء، والحلم، والصبر، والعفة، والعدل، والعفو، والرحمة، والكرم،والشفاعة و خاتم النبيين، والاسراء، ونصرة الملائكة، واطلاعه علی الغيب، والرؤيا الصادقة، والطاعة، والبركة، والعالمية، والكمال، والُخَلْقُ والخُلُق، والجهاد والمعجزات والفضل و غيرها وفيمايلی ندرس هذه المباحث بالتفصيل ونبدأ بذكر الشجاعة:

الشجاعة: هی صفة مهمة وحميدة عندالعرب. وكان النبی صلی اللّٰه

متصفاً بصفة الشجاعة القيادية. ومن الشعراء الذين ذكروا صفة نبينا هذه، هم كثيرون ومن أشهرهم: حسانؓ بن ثابت، وكعب وبن مالک، و ابن الزبعری، ومالک بن عوف، وابوعزة الجمحی ومالک بن النمط، وزهير بن صرد وغيرهم.

ومن أبيات حسانؓ فی شجاعة النبی صلی اللّٰه عليه وسلم قوله:

مُسْتَشْعِرِی حَلَقِ الماذیّ بَقْدُمُهُمْ   جَلْدُ النخيزة ماضٍ غيرُ رِعْوِيْدِ
ماضٍ علی الهول رکاب لما قطعوا   اذا الکماة تحاموا فی الصّناديد[۲]

ومن دلائل شجاعة النبی صلی اللّٰه واقدامه قول كعب بن مالک، ذکر فيه صفة صلابة النبی صلی اللّٰه عليه وسلم وهو يقول:

رئيسهم النبیُّ وكان صُلبًا
نقی القلب مصطيرا عزوفا[۳]

ويقول مالک بن النمط واصفاً صفة شجاعة النبی صلی اللّٰه عليه وسلم:

فَمَا حملتْ مِن ناقةٍ فوق رَحْلها
أشدَّ علی أعدائِه من محمدِ[۴]

وقال زهير بن صرد اذا قامت المعركة وحمی الوطيس:

ياخير مَن مَرَحَتْ كُمْتُ الجيادِبه
عند الهِيَاجِ اذا ما اسْتَوْقَدَ الشررُ[۵]

العفو: كان النبی صلی اللّٰه علی وسلم أعفو الناسِ. ويتضح موقفه هذا من قصة إسلام كعب بن زهير رضی اللّٰه عنه. انه عفا عنه بل منحه بردته. وتقبل قصيدة كعب بن زهير رضی اللّٰه عنه ذكر فيها عفو النبی صلی اللّٰه عليه وسلم وهو يقول:

اُنبِئْتُ أن رسول اللّٰه أوعدنی
والعفو عند رسول اللّٰه مأمول[۶]

الصدق: الصدق صفة من الصفات الحميدة وهذه الصفة مرتبطة بالانبياء عليهم السلام. وكان النبی صلی اللّٰه عليه وسلم أصدق الناس. وقد عرف واشتهر النبی صلی اللّٰه عليه وسلم بصدقه منذ صغر سنّه. وذكر الشعراء هذه الصفة فی كلامهم. ومن اشهرهم سيدنا حسان بن ثابت رضی اللّٰه عنه، وكعب بن مالک، وابوبكر الصديقؓ، و عمر بن الخطابؓ، وابوطالب، وهرب بن الزبعری، ومالک بن النمط، والعباس بن مرداس وغيرهم. وفی الصدق قال كعب بن مالک مبيناً و توضيحاً صدق النبی صلی اللّٰه عليه وسلم:

نبیٌّ له فی قومه ارث عزّةٍ
وأعراق صدقٍ هذّبَتُهَا أَرُوُمُهَا(۷)

ومن قوله:

وکان لنا النبی وَزَیر صدق به نعلو البریّة أجمعینَاٍ
لِنَنُصُرَ احمدا واللّٰه حتیٰ نکون عبادَ صِدُقٍ مخلصینا(۸)

ویقول حسان بن ثابت مطالبا بتصدیق النبی صلی اللّٰه علیه وسلم:

وقال اللّٰه قدر ارسلت عبدا یقول الحق إن نفع البلاء
شهدت به فقوموا صدقوه فقلتم لانقوم ولا نشاء(۹)

ومن أبیات ابی بکر الصدیق قوله:

أتاهم رسولٌ صادقٌ فَتَکَذَّبُوا علیه وقالوا لستَ فینا بِمَاکثِ
بأن رسول اللّٰه احمد صادقٌ لَأَرُسَلَهُ الرحمن أکرمُ وارِثِ(۱۰)

وهکذا شهد عم النبی صلی اللّٰه علیه وسلم ابوطالب بالصدق فقال:

لقد علموا وأن ابننا لا مکذب
لَدَیُنَا وَلا یعنی بقول الأباطل(۱۱)

الوفاء: الوفاء من الشمائل والأخلاق الکریمة وعندما نطالع دواوین الشعراء فنجد أن عددًا من الشعراء قد وصفوا النبی صلی اللّٰه علیه وسلم بهذه الصفة الطیبة والخصلة الحمیدة والشیمة العظیمة ومن هؤلاء الشعراء الکبار حسانؓ بن ثابت وقرة بن هبیرة، وظبیان بن کدارة الایادی ومالک بن عوف وغیرهم کثیرون.

ویقول مالک بن عوف مادحاً النبی ویفضل علی الناس جمیعا وفاءً لأن النبی کان أوفی الناس جمیعاً:

ما ان رأیتُ ولا سمعت بمثال فی الناس کلهم بمثل محمد
أَوُفَی وأَعُطَی للجزیل اذا اجتدی ومتی تشا یخبرک عما فی غد(۱۲)

ویقول قرة بن هبیرة واصفا و مشیدا بوفاء ذمته علیه الصلاة والسلام:

فما حَمَلَت مِن ناقة فوق رَحُلِها
أبر و أوفی ذمّةً مِنُ محمد(۱۳)

وقال حسانؓ بن ثابت فی قصیدة همزیة:

أتهجوه ولست له بکف ءٍ فشرکما لخیر کما الفداء
هجوت مبارکًا برًا حنیفًا أمین اللّٰه شیمته الوفاء(۱۴)

العدل: كان عدل النبى صلى اللّٰه عليه وسلم شاملا لمجالات الحياة جميعها. وكان مثلاً عالياً فى العدل. والى هذا أشار كعب بن مالک رضى اللّٰه عنه:

الحق منطقه والعدل سيرته
فمن يجبه اليه ينج من تبب(۱۵)

ويقول على بن ابى طالب عن عدل النبى صلى اللّٰه عليه وسلم:

وأمسى رسول اللّٰه قد عز نصره
وكان رسول اللّٰه أرسل بالعدل(۱۶)

وقال عمه ابوطالب:

حليم رشيد عادل غير طائش
يوالى الهاً ليس عنه بغافل(۱۷)

الحلم:

ان كثيرا من الشعراء الذين ذكروا صفة حلم النبى صلى اللّٰه عليه وسلم وكانت هذه الصفة من الصفات الرفيعة عندالعرب. وكان النبى صلى اللّٰه عليه وسلم شهيراً فى حلمه مع السفهاء لأنه كان أحلم الناس وهكذا لم. ينتقم ممن أساء اليه.

ومن أبيات حسانؓ قوله:

لقد غَيَّبُوا حلمًا وعلمًا ورحمةً
عشية علوه الثرى لا يوسد(۱۸)

ويقول زهير بن صرد الجشمى:

ان لم تداركهم نعماء تنشرها
يا أرجع الناس حلمًا حين يختبر(۱۹)

وقال كعب بن مالک رضى اللّٰه عنه وهو من اوائل الانصار فى المدينة الذين انشرحت صدورهم للايمان:

رشيد الأمر ذوحكم و علم
وحلم لم يكن نزقاً خفيفا(۲۰)

الرحمة: كان النبى صلى اللّٰه عليه وسلم رحمة فى الدنيا والآخرة لأنه بعث رحمةً والى هذا قال النبى صلى اللّٰه عليه وسلم

"... وانما بعثت رحمة"(۲۱)

وقال اللّٰه سبحانه و تعالىٰ فى القرآن الكريم:

"وما أرسلنک الا رحمة للعالمین"[۲۲]

وهکذا ذکر شعراء صدر الاسلام وبعده هذه الصفة العظیمة والخصلة الحمیدة فی أبیاتهم والی هذا قالت عمة النبی صفیة بنت عبدالمطلب رضی اللّٰہ عنها:

فلقد کان بالعباد رؤوفا
ولهم رحمة و خیر رشید[۲۳]

ویقول سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللّٰہ عنه:

فکان سراجا للاله ورحمة
یخلد فی تلک الجنان المواکث[۲۴]

وقال کعب بن مالک:

فأنقذنا اللّٰہ فی نوره
ونجی برحمته من لظی[۲۵]

وقال سید الشعراء المادحین حسان بن ثابت رضی اللّٰہ عنه:

مثل الهلال مبارکا ذا رحمة
سمح الخلیقة طیب الأعواد[۲۶]

الصبر:

وعندما تصفحنا دواوین شعراء عصر النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم فاننا نجد عددا کبیرا من الشعراء الذین وصفوا النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم بهذه الصفة. ومن هؤلاء الشعراء الکبار کعب بن مالک رضی اللّٰہ عنه، وحسان بن ثابت رضی اللّٰہ عنه، وعاتکه بنت عبدالمطلب وغیرها.

یبین کعب بن مالک رضی اللّٰہ عنه أوصاف النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم فیقول عن المسلمین ورئیسهم فی احدی الغزوات:

نجد المقدم ، ما ضی الهم معتزم
حین القلوب علی رجف من الرعب[۲۷]

وانا قد أتیناهم بزحف — یحیط یسور حصنهم صفوفا
رئیسهم النبی وکان صلبا — تقی القلب مصطبراً عزوفاً

ومن أبیات عاتکة بنت عبدالمطلب قولها بعد غزوة بدرٍ:

فهلا صبرتم للنبی محمد
ببدرٍ و من بغش الوعی حق صابر[۲۸]

ومن أحسن أبيات كعب بن مالک بهذه النسبة قوله:

رسول اللّٰه مصطبر كريم
بأمر اللّٰه ينطق اذ يقول(٢٩)

ومن مباحث السيرة الخلقية قول عباس بن عبدالمطلب وهو يقول:

من قبلها طبت فى الظلال و فى — مستودع حيث بخصف الورق
ثم هبطت البلاد ولابشر — انت ولا مضغة ولاعلق
بل نطفة تركب السفين وقد — الجم نسرا وأهله الغرق
تنقل من صالب الى رحم — اذا مضى عالم بداطبق
وردت نار الخليل مكتتما — فى صلبه انت كيف يحترق
حتى احتوى بيک المهيمن من — خندق عليا تحتها النطق
وانت لما ولدت أشرقت الا — رض وضائت بنورک الأفق
فخن فى ذلک الضياء والذ — ور و سبيل الرشاد نخترق(٣٠)

الجود و الكرم:

كان النبى صلى اللّٰه عليه وسلم أجود الناس وأكرمهم. والشواهد لكرم النبى صلى اللّٰه عليه وسلم وجوده كثيرة فى كتب السيرة وفى دواوين الشعراء. ومن الشعراء الذين ذكروا كرم النبى صلى اللّٰه عليه وسلم وجوده هم حسان بن ثابتؓ، وابوبكر الصديق، و الأعشى الكبير، وطفيل الغنوى، ومالک بن عوف، وعبداللّٰه بن الرواحة، وطالب بن ابى طالب وغيرهم كثيرون.

وقال مالک بن عوف يوم حنين:

ما ان رأيت ولاسمعت بمثله — فى الناس كلهم بمثل محمد
أوفى وأعطى للجزيل اذا اجتدى — ومتى تشأ يخبرک عما فى غد(٣١)

ويقول حسان بن ثابت رضى اللّٰه عنه يوم بدر:

أعنى الرسول فان اللّٰه فضله
على البرية بالتقوى وبالجود(٣٢)

وقال الاعشى فى الجود والكرم:

متى ماتنا فى عندباب ابن هاشم — تريحى وتلقى من فواضله يدا
له صدقات ماتغب ونائل — وليس عطاء اليوم ماتعه غدا(٣٣)

الاسراء والمعراج:

الاسراء والمعراج من المباحث التى ذكرها الشعراء فى كلامهم ومن

الفضائل التی اختص اللّٰہ بھا رسولہ محمدا صلی اللّٰہ علیہ وسلم فیقول العباس بن مرداس:

تعالی علوا فوق عرش الھنا
وکان مکان اللّٰہ أعلی وأعظما[۳۴]

وقال کعب بن مالک رضی اللّٰہ بھذہ النسبة:

فان یک موسی کلم اللّٰہ جھرة   علی جبل الطور المنیف المعظم
فقد کلم اللّٰہ النبی محمدا   علی الموضع الأعلی الرفیع المسوم[۳۵]

وھکذا لم یکتف مادحو النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم بالوقوف عند المباحث الخلقیة والخلقیة للسیرة بل ذکروا تلک المباحث والصفات التی انفرد بھا علیہ الصلاة والسلام عن بقیة الناس اجمعین وھی تلک المباحث والصفات التی اختصہ اللّٰہ بھا لتکون لہ آیة ودلیلاً علی صدق نبوتہ ورسالتہ. ومن اھم تلک المباحث: الشفاعة، وخاتم النبیین، ونصرة الملائکة واطلاعہ علی الغیب، والرؤیا الصادقة، والفضل، والطاعة، والبرکة، والکمال، والعالمیةو غیرھا.

وبعد دراسة عمیقة لھذہ المباحت للسیرة النبویة یتضح لنا أن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم أحدث تغیراً فکریا لدی الشعراء فتغیرت معتقدالھم الجاھلیة وتأثروا بالسیرة النبویة تأثرا بالغاً والی ھذا أشار کعب بن مالک:

فأنقذنا اللّٰہ فی نورہ
ونجی برحمتہ من لظی[۳۶]

ویقول حسان بن ثابت رضی اللّٰہ عنہ:

نبی اتانا بعد یأس وفترة   من الرسل والأرثان فی الأرض تعبد
فأمسی سراجا مستنیرا وھادیا   یلوح کما لاح الصقیل المھند
وأنذرنا ناراً وبشرجنة   وعلمنا الاسلام فاللّٰہ نحمد[۳۷]

وقال کعب بن مالک رضی اللّٰہ عنہ:

وکان بشیرا لنا منذراً
ونوراً لنا ضوئہ قد أضا[۳۸]

الهوامش والمصادر

١. سورة القلم:۴

٢. ديوان حسان بن ثابت، تحقيق: البرقوقی، ص٨٦۔٨٧، دارالكتب العلمية، بيروت، لبنان: طبعة أولى ١٩٨٦م

٣. ديوان كعب بن مالک، تحقيق عبدالرحمن المصطاوی، ص۴٨، دارالمعرفة، بيروت، لبنان: طبعة أولى، ٢٠٠٧م

۴. السيرة النبوية لابن هشام ٢٠٠/٦، تحقيق طه عبدالرؤف، دارالجيل بيروت، لبنان: ١۴١١ھ

٥. معرفة الصحابة للاصفهانی، تحقيق عادل بن يوسف، ١٢٢٢/٣، دارالوطن للنشر، الرياض، طبعة أولى ١٩٩٨م

٦. ديوان كعب بن زهير، قصيدة لامية العرب الشهيرة

٧. ديوان كعب بن مالک، تحقيق المصطاوی، ص٦٢

٨. المصدر السابق ايضاً، ص۴٧

٩. ديوان حسان بن ثابت، تحقيق، البرقوقی، ص۴٠

١٠. ديوان ابی بكر الصديق، شرح محمد شراد حسانی، حيدر كمال فرحان الزرقانی، دارمكتبة الهلال، بيروت: طبعة أولى، ٢٠٠٦ء، ص٧٣

١١. دلائل النبوة للبيهقی، دارالكتب العلمية، بيروت: طبعة أولى ١٩٨٨ء، ١٨٨/٢، تخريج: عبدالمعطی قلعجی

١٢. السيرة النبوية لابن هشام، ١٦٧/٥

١٣. منح المدح لا بن سيد الناس، تحقيق عفت وصال حمزة، دارالفكر للطباعة والنشر، دمشق: طبعة أولی، ١٩٨٧ء، ص ١۴١

١۴. ديوان حسان، قصيدة همزية، تحقيق البرقوقی، ص ۴١

١٥. ديوان كعب بن مالک، ص ١٢

١٦. ديوان علی ابن ابی طالب، تحقيق عبدالرحمن المصطاوی، دارالمعرفة، بيروت، لبنان: طبعة ثالث، ٢٠٠٥م

١٧. السيرة النبوية لابن هشام، ١١٥/٢

١٨. ديوان حسان بن ثابت، تحقيق البرقوقی، ص٩٢

١٩. دلائل النبوة للبيهقی، ١٩۴/٥، تخريج عبدالمعطی، دارالكتب العلمية، بيروت: طبعة أولى ١٩٨٨ء

۲۰. دیوان کعب بن مالک، تحقیق المصطاوی، ص۴۸
۲۱. اضواء البیان، فی ایضاح القرآن بالقرآن، للتسنقیطی، دارالفکر، للطباعة والنشر، بیروت: ۱۹۹۵م، ۴/۲۵۱
۲۲. سورة الانبیاء:۱۰۷
۲۳. الطبقات الکبری لابن سعد، تحقیق احسان عباس، دارصادر بیروت: طبعة أولی ۱۹۶۸ء، ۲/۳۳۰
۲۴. دیوان ابی بکرالصدیق، ص ۱۷، تحقیق محمد شراد حسانی والزرقانی، مکتبة الهلال، بیروت: طبعة أولی ۲۰۰۶ء
۲۵. دیوان کعب بن مالک، ص ۹۷
۲۶. دیوان حسان بن ثابت، ص۸۷
۲۷. دیوان کعب بن مالک، دراسة و تحقیق دکتور سامی مکی، مطبعة المعارف، بغداد ۱۹۶۶ء، ص ۱۷۴. ۱۷۵
۲۸. معرفة الصحابة لا بن سید الناس، ۶/۳۳۹۸، ومنح المدح، ص ۳۴۹
۲۹. دیوان کعب بن مالک، ص۵۷
۳۰. کشف العرفان فی طراوة الایمان وازدیادة الایقان، البیت پبلشرز، کراشی: ۱۴۱۱ھ، ص ۳۴
۳۱. السیرة النبویة لابن هشام، ۵/۱۶۷
۳۲. دیوان حسان بن ثابت، ص ۸۶
۳۳. دیوان الاعشی الکبیر، شرحه مهدی محمد ناصر الدین، دارالکتب العلمیة، بیروت: طبعة أولی، ۱۹۸۷ء، ص ۵۰. ۵۱
۳۴. دیوان عباس بن مرداس، تحقیق یحي الجبوری، مؤسسة الرسالة، بیروت: طبعة أولی ۱۹۹۱م، ص ۱۴۵
۳۵. دیوان کعب بن مالک، تحقیق المصطاوی، ص۶۷
۳۶. دیوان کعب بن مالک، ص ۹۷
۳۷. دیوان حسان بن ثابت، شرح البرقوقی، ص ۸۶
۳۸. دیوان کعب بن مالک، المصطاوی، ص ۹۷

☆ الملحوظة:قداستفدت لاعداد هذا المقال من الرسالة العلمیة للماجستیر عنوانها: ''شخصیة الرسول صلی اللّٰه علیه وسلم فی شعر صدر الاسلام'' أعدها منور بن محمد بن صالح الحربی، بجامعة موته، سنة ۲۰۰۹ء

قطوف من السيرة النبوية ﷺ وتطبيقاتها في حياتنا المعاصرة

غلام محمد قمر الازہری☆

Abstract:

" The search has dealt with the subject "Some extracts from the Prophetic biography and its applications in our contemporary life."

I have clarified in it that the Prophetic biography is a lamp for anyone who wants light in life and the hereafter anytime and anywhere. This comes after a brief statement about the importance of the biography in which I clarified the meaning of the word "biography" lexically and terminologically, the concept and the characteristics of the word "the Prophetic biography", its applications in the field of the Islamic call today, its stages and that it's the source of the legitimate sciences. I also discussed the social applications of the Prophetic biography in our contemporary life and how to face and the social and economic problems and solve them using wise practical ways seeking guidance from the biography of the Prophet, Peace be upon him."

مقدمة

الحمد لله الذي أرسل رسوله بالهدى و دين الحق، ليظهره على الدين كله، و كفى بالله شهيداً، و الصلاة و السلام على أشرف المرسلين و رحمة الله للعالمين سيدنا و حبيبنا ونبينا محمد ﷺ الذي جعل الله حياته الطيبة وسيرته المطهرة أسوة حسنة.. و نورا. للإنسانية كلها, في كل زمان و مكان, و طريقا لحل مشكلاتها السياسية و التعليمية و الاجتماعية و الاقتصادية و الصحية، و غيرها.

☆ جامعہ الازہر مصر

فسيرته ﷺ لا تخلو من خُلقٍ كريم، أو أدب رفيع، بلغ فيه ذروة الكمال البشري، حتى في المواقف التي يصعب فيها تصوّر الأخلاق كعاملٍ مؤثّرٍ، كأمور الحرب والسياسة، والتعامل مع الظالمين والفاسقين والأعداء وكذلك في تواضعه، وقيادته، وإعطائه الحقوق لأصحابها، وفي حلّهِ للمشكلات التي يواجهها الانسان في حياته.

لذلك معرفة سيرة النبي ﷺ يجب على كل مسلم، كما أن معرفة سنة النبي القولية يجب على كل مسلم، الدليل هي قوله تعالى: وَمَآ ءَاتَاكُمُ ٱلرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُم عَنهُ فَانتَهُوا۟ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ العِقَابِ [الحشر، آية٧].

وقال سبحانه وتعالى: لَّقَد كَانَ لَكُم فِي رَسُولِ ٱللَّهِ أُسوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرجُوا ٱللَّهَ وَٱليَومَ ٱلأَخِرَ [الأحزاب، آية: ٢١]. بل وحَذّر الله من مخالفته، فقال عز من قائل: فَليَحذَرِ ٱلَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَن أَمرِهِۦٓ أَن تُصِيبَهُم فِتنَةٌ أَو يُصِيبَهُم عَذَابٌ أَلِيمٌ ٦٣ [النور، آية: ٦٣].

وقال النبى ﷺ: ((من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو ردّ)).(١)

وقد اشتملت سيرته ﷺ على أقواله وأفعاله وتقريراته، فهي التجسيد الحيّ لتعاليم الإسلام، والصورة المشرقة لأخلاقه ومعاملاته صلى الله عليه وسلم.

ونحن الآن فى حاجة ملحّة للعودة إلى كتاب الله وسنة رسوله ﷺ وسيرته ﷺ الطيبة، فالكثير من أمور الدين والدنيا، لا تعرف إلا من خلال دراسة السيرة النبوية دراسة واعية متأنية، لتطبيقها فى حياتنا اليومية, فهي النبراس لكل من أراد النور في الدنيا والآخرة فى كل زمان ومكان.

السيرة لغة واصطلاحاً

السيرة لغة: السُنَّة، والطريقة، يُقال: سار بهم سيرة حسنةً.(٢)

واصطلاحاً: هي الترجمة المأثورة لحياة النبي ﷺ.(٣) أو هي: ما أثر عن النبي ﷺ من قول أو فعل أو تقرير أو صفة خَلْقية أو خُلُقية سواء كان قبل البعثة منذ ولادته ﷺ أو بعدها.(٤)

فإذا قيـل "السيرة النبوية" فإنما يراد بها سيرة نبي الله ورسوله محمد ﷺ بن عبدالله ، والتي تشتمل على ذكر أدق التفاصيل عن حياته ﷺ في المرحلة المكية والمدنية، وعلى هذا دَرَج المؤلفون عن حياة النبي ﷺ بتسمية مؤلفاتهم بالسيرة النبوية.(٥)

مميزات السيرة النبوية

تمتاز السيرة النبوية بخصائص كثيرة لا يمكن حصرها من أهمها:

- كون السيرة ربانية المصدر، بمعنى أنّ صاحبها وهو نبينا محمد مرسل من ربه إلى جميع الناس قُلۡ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ إِنِّي رَسُولُ ٱللَّهِ إِلَيۡكُمۡ جَمِيعًا ويتلقى تعاليمه من الله سبحانه وتعالى: وَمَا يَنطِقُ عَنِ ٱلۡهَوَىٰٓ إِنۡ هُوَ إِلَّا وَحۡيٞ يُوحَىٰ٤ [النجم: ۳، ۴]،

وهذه الميزة وإن كان يشاركه الأنبياء والرسل في بعضها إلا أن نبينا انفرد وتميز بكونه ﷺ مرسلاً إلى البشرية كلها، فأوامره ﷺ ونواهيه ﷺ ملزمة للناس جميعاً.

- ثبوت السيرة وصحة ما جاء فيها: فقد أورد القرآن الكريم صوراً من سيرة النبي على سبيل الإجمال، فأشار إلى نشأته ﷺ فقال تعالى: أَلَمۡ يَجِدۡكَ يَتِيمٗا فَـَٔاوَىٰ٦ وَوَجَدَكَ ضَآلّٗا فَهَدَىٰ٧ وَوَجَدَكَ عَآئِلٗا فَأَغۡنَىٰ٨ [الضحى: ٦-٨]، ثم أشار إلى نزول الوحي عليه، فقال تعالى: ٱقۡرَأۡ بِٱسۡمِ رَبِّكَ ٱلَّذِي خَلَقَ١ خَلَقَ ٱلۡإِنسَٰنَ مِنۡ عَلَقٍ٢ ٱقۡرَأۡ وَرَبُّكَ ٱلۡأَكۡرَمُ٣ ٱلَّذِي عَلَّمَ بِٱلۡقَلَمِ٤ عَلَّمَ ٱلۡإِنسَٰنَ مَا لَمۡ يَعۡلَمۡ٥ [العلق: ۱-۵].

وإلى بداية دعوته، فقال تعالى: وَأَنذِرۡ عَشِيرَتَكَ ٱلۡأَقۡرَبِينَ٢١٤ [الشعراء: ۲۱۴]، ثم إلى بعض أخلاقه وشمائله، فقال تعالى: وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٖ٤ [القلم: ۴]، وقال سبحانه: فَبِمَا رَحۡمَةٖ مِّنَ ٱللَّهِ لِنتَ لَهُمۡۖ وَلَوۡ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ ٱلۡقَلۡبِ لَٱنفَضُّواْ مِنۡ حَوۡلِكَۖ فَٱعۡفُ عَنۡهُمۡ وَٱسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ وَشَاوِرۡهُمۡ فِي ٱلۡأَمۡرِۖ فَإِذَا عَزَمۡتَ فَتَوَكَّلۡ عَلَى ٱللَّهِۚ إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلۡمُتَوَكِّلِينَ١٥٩ [آل عمران: ۱۵۹]، وأشار كذلك إلى هجرته ﷺ ومعاملاته ﷺ وجهاده ﷺ وغزواته ﷺ.

فالقرآن الكريم مليء بمثل هذه الإشارات المقتضبة، وعلى هذا فالقرآن الكريم يعدُّ المصدر الأول لسيرة النبي ﷺ، وكفاك به صدقاً وعدلاً لَّا يَأۡتِيهِ ٱلۡبَٰطِلُ مِنۢ بَيۡنِ يَدَيۡهِ وَلَا مِنۡ خَلۡفِهِۦۖ تَنزِيلٞ مِّنۡ حَكِيمٍ حَمِيدٖ٤٢ [فصلت: ۴۲].

كما أنّ كتب السنة قد نقلت لنا معظم سيرة الرسول ﷺ وبأصح ما جاء فيها، حيث أورد البخاري ومسلم في صحيحيهما جملة كبيرة من السيرة النبوية، وكذا بقية كتب السنة.

- شمولية السيرة وكمالها: فلا تكاد تجد سيرة لنبي من أنبياء الله السابقين وصفت وصفاً دقيقاً ابتداء من ولادته حتى وفاته وبقيت بعده، فضلاً عن غيرهم من البشر، لكن سيرة نبينا ﷺ - شملت جميع مراحل حياته ﷺ، بل وقبل ولادته ﷺ حتى لحوقه ﷺ بالرفيق الاعلى، بل وفي بعض أحداثها ذكر اليوم والشهر والسنة، وشاملة لجميع مناحي الحياة الإنسانية، فتجد فيها الوسطية، والعدل والمساواة

والحرية، والرفق بالإنسان والحيوان وغير ذلك.

- وسطيتها ويسرها: فدين الإسلام عموماً جاء بالوسطية وَكَذَٰلِكَ جَعَلۡنَٰكُمۡ أُمَّةٗ وَسَطٗا لِّتَكُونُواْ شُهَدَآءَ عَلَى ٱلنَّاسِ وَيَكُونَ ٱلرَّسُولُ عَلَيۡكُمۡ شَهِيدٗا [البقرة: ١٤٣].

وهذه الوسطية واليسر لايمكن معرفتهما إلا بأقوال الرسول ﷺ وأفعاله ﷺ وهي السيرة النبوية المشرفة.

وقال ﷺ: ((يسروا ولا تعسروا، بشروا ولا تنفروا)).[٦]

وقال ﷺ لمعاذ عندما بلغه ﷺ إطالة صلاته بالناس: ((يا معاذ أفتّان أنت، أو أفاتن أنت؟ ثلاث مرات، فلولا صليت بسبح اسم ربك الأعلى، والشمس وضحاها، والليل إذا يغشى)).[٧] إلى غير ذلك من خصائص السيرة النبوية.

تطبيقات السيرة النبوية في عصرنا الحاضر

أولا: في مجال الدعوة وفيه أمران:

الأمر الأول: المراحل الدعوية

السيرة النبوية لب الإسلام وروحه، وتجسيداً حيًّا لجميع تعاليم الإسلام، فلا يستغني عن النظر فيها أي عالم أو طالب علم، في أي زمان، فهي دوحة عظيمة فيها كل الثمار اليانعة، كلٌّ يقطف منها ما يناسبه، وكيف لا تكون كذلك وهي ربانية المصدر يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ قَدۡ جَآءَكُم بُرۡهَٰنٞ مِّن رَّبِّكُمۡ وَأَنزَلۡنَآ إِلَيۡكُمۡ نُورٗا مُّبِينٗا ١٧٤ [النساء: ١٧٤].

فلو تأمل الإنسان السيرة النبوية لوجدها من الناحية الدينية كاملة المنهج، فقد وضع النبي ﷺ أسساً للمنهج يتمثل في الآتي:

أولا: دعوة الأقارب من زوجة وأبناء، ومن وضعهم الله تحت يده بادئ ذي بدء؛ ولذلك نجد أن الرسول ﷺ عندما نزل عليه الوحي وأُمر بتبليغه في قوله تعالى: يَٰٓأَيُّهَا ٱلۡمُدَّثِّرُ قُمۡ فَأَنذِرۡ ٢ [المدثر: ١، ٢].

بدأ بأهل بيته، فأسلمت خديجة رضوان الله عليها، بل كانت أول النساء إسلاماً على الإطلاق. ثم أسلم من الصبيان عليّ رضي الله عنه، ثم من الموالي زيد بن حارثة رضي الله عنه. وهذا هو المنهج السليم؛ لأنّ الله سبحانه وتعالى يقول: أَتَأۡمُرُونَ ٱلنَّاسَ بِٱلۡبِرِّ وَتَنسَوۡنَ أَنفُسَكُمۡ [البقرة: ٤٤]، وقوله سبحانه: يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ قُوٓاْ أَنفُسَكُمۡ وَأَهۡلِيكُمۡ نَارٗا: [التحريم: ٦]. وقوله ﷺ: ((كلكم راع وكلكم مسؤول عن رعيته)).[٨]

يوضّح هذا الحديث أن كل إنسان مسئول عن رعيته ورعيته الأولى هي أهل بيته

فإذا أصلح الإنسان من نفسه ونجح في دعوته لأهل بيته, انتقل إلى المراحل التالية وهي دعوته للأقارب وعامة الناس إلى الحق.

فهذا التدرج في مراحل الدعوة الاسلامية أمر طبعي, يجب الوقوف عنده، والعمل به, أسوة وقدوة للسيرة النبوية.

ثانيا: بذل الجهد وتحمل الأذى والصبر عليه.

خرج النبي ﷺ إلى ثقيف بالطائف بعد أن مكث في أهل مكة عشر سنين يدعوهم إلى الله عز وجل إلا أنهم رفضوا دعوته عليه الصلاة والسلام رفضا شديدا، فأصابه ﷺ من الهم والغم ما لا يعلمه إلا الله جراء رفضهم لدعوته ﷺ .ولكنه تحمل الاذى بالصبر. عن عروة عن عائشة رضي الله عنها زوج النبي ﷺ حدثته أنها قالت للنبي ﷺ: ((هل أتى عليك يوم كان أشدّ من يوم أحد؟ قال: ((لقد لقيت من قومك ما لقيت، وكان أشد ما لقيت منهم يوم العقبة إذ عرضت نفسي على ابن عبد ياليل بن عبد كُلال، فلم يُجبني إلى ما أردت، فانطلقتُ، وأنا مهموم على وجهي[٩]، فلم أستفق إلا وأنا بقرن الثعالب[١٠]، فرفعت رأسي، فإذا أنا بسحابة قد أظلتني، فنظرت فإذا فيها جبريل، فنادى فقال: ((إن الله قد سمع قول قومك لك، وما ردّوا عليك، وقد بعث الله إليك مَلَك الجبال لتأمره بما شئت فيهم، فناداني ملك الجبال فسلم علي ثم قال: ((يا محمد، فقال: ذلك فيما شئت، إن شئت أن أطبق عليهم الأخشبين[١١]، فقال النبي ﷺ: ((بل أرجو أن يخرج الله مِن أصلابهم مَن يعبده وحده لا يشرك به شيئاً)).[١٢]

فانظر إلى صبر النبي ﷺ وعفوه ﷺ وحلمه ﷺ وتحمله ﷺ الأذى، الدم يسيل من عقبيه ﷺ الشريفين، ويسأله ﷺ ملَك الجبال إن كان يريد أن يطبق عليهم الأخشبين يفعل، ومع ذلك يتضرع إلى الله سبحانه، ويدعوه أن يخرج مِنْ أصلابهم مَنْ يعبده وحده، لا يشرك به شيئاً! سبحان الله! ما أعظمها من دروس، أين دعاة اليوم من هذه الدروس العظيمة في الصبر والحلم والعفو والصفح؟

ثالثا: لما استقر النبي ﷺ في المدينة وبعد أن فرض الجهاد بدأ ﷺ يرسل السرايا والبعوث إلى القبائل العربية لنشر الإسلام تارة، ويخرج هو بنفسه الشريفة ﷺ تارة أخرى، فلم ينتقل إلى الرفيق الأعلى ﷺ حتى عمَ الإسلام الجزيرة العربية كافة، بل وكان قد جهز جيشاً لغزو أطراف الشام قبيل انتقاله بالرفيق الأعلى بقيادة أسامة بن زيد رضي الله عنه تمهيداً لفتح الشام والعراق، لكنه انتقل ﷺ إلى الرفيق الأعلى قبل إنفاذ هذا الجيش.

فكان يجب استمرار هذه الدعوة لأن الإسلام دين عالمي ولا بد أن يَعُمَ نفعه في جميع أنحاء العالم، قال جل شأنه: يَٰٓأَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُم جَمِيعًا [الأعراف :١٥٨]. ولأنّه ﷺ خاتم النبيين، قال جل شأنه: مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَآ أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُم وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ [الأحزاب:٤٠] و هكذا استمر الرسول ﷺ فيها والخلفاء الراشدون بعد انتقاله ﷺ الى الرفيق الأعلى.

وهكذا وضعت السيرة النبوية منهجاً متكاملاً للمراحل الدعوية التي مرّ بها الرسول ﷺ، وانطلقت الجحافل الإسلامية تنشر الدين في ربوع المعمورة حتى بلغ أقاصي الدنيا شرقاً وغرباً، مما يؤكد عالمية هذا الدين الحنيف.

وعلينا تطبيقها اليوم وهذا لا يمكن إلا بالدعوة الحكيمة والموعظة الحسنة كما فعل الرسول ﷺ. فالعاملون في مجال الدعوة في عصرنا يجب عليهم الاقتداء بالنبي ﷺ في هذا المجال وفى العقيدة, والعبادات, والمعاملات والسلوكيات ,حسب مقتضيات الظروف والبيئة المعاصرة.

وأما تنفيذ الجهاد حربا فى عصرنا الراهن، فهذه مسئولية الحاكم, وليست مسئولية الداعى, فعليه تنبيه الحاكم اذا كانت هناك ضرورة ملحة. فلو رآه مناسبا يأخذ قرار الجهاد وينفذه بحكمه.

الأمر الثانى: السيرة النبوية مصدر للعلوم الشرعية

فعن طريق مواقف السيرة نعرف قضية الناسخ والمنسوخ من الآيات والأحاديث، وهي ناحية مهمة جدّاً يترتب عليها كثير من الأحكام الشرعية.(١٣)

كما أن من معرفة نزول الآيات وأسبابها من الأمور المهمة التي بمعرفتها تعرف أحداث السيرة النبوية كتلك التي نزلت في غزوات النبي ﷺ.

أيضاً هناك بعض الأمور التي لا يستغني عن معرفتها أي طالب علم فضلاً عن العلماء، وذلك مثل المعجزات التي أجراها الله على يدي النبي الكريم فمعرفتها تزيد - ولا شك - في الإيمان، وكذا معرفة ما كابده من مشاق في سبيل تبليغ هذا الدين وصبره على ذلك.

تطبيق السيرة النبوية على الناحية الاجتماعية اليوم

التعامل مع المخالفين

سلك النبي ﷺ طريقة عجيبة في كيفية دعوة الناس إلى الإسلام، وستظل هذه

الطريقة نبراساً الى يوم الساعة لكل من أراد الاهتداء بهديه ﷺ إنّها طريقة الصابرين فَٱصۡبِرۡ إِنَّ وَعۡدَ ٱللَّهِ حَقّٞۖ وَلَا يَسۡتَخِفَّنَّكَ ٱلَّذِينَ لَا يُوقِنُونَ [الروم: ٦٠].

فسيرته النبي ﷺ مليئة بالمواقف العجيبة التي تَجَلّى فيها حلمه ﷺ وصبره ﷺ على الأذى من أجل المحافظة على العلاقة الاجتماعية.

- فلما نزلت الآية الكريمة وَأَنذِرۡ عَشِيرَتَكَ ٱلۡأَقۡرَبِينَ ٢١٤ [الشعراء: ٢١٤].

صعد النبي ﷺ على الصفا، فجعل ينادي: يا بني فهر، يا بني عدي — لبطون قريش — حتى اجتمعوا، فجعل الرَّجُل إذا لم يستطع أن يخرج أرسل رسولاً لينظر ما هو، فجاء أبو لهب، وقريش، فقال ﷺ: ((أرأيتكم لو أخبرتكم أنّ خيلاً بالوادي تريد أن تُغير عليكم أكنتم مصدِّقيَ؟ قالوا: نعم، ما جربنا عليك إلا صدقاً، قال: فإنّي نذير لكم بين يدي عذاب شديد، فقال ﷺ أبو لهب: تباً لك سائر اليوم، ألهذا جمعتنا؟ فنزلت: تَبَّتۡ يَدَآ أَبِي لَهَبٖ وَتَبَّ ١ مَآ أَغۡنَىٰ عَنۡهُ مَالُهُۥ وَمَا كَسَبَ ٢.(١٤)[المسد: ١-٢].

فانظر إلى موقف أبي لهب العجيب من النبي ﷺ يصدقه ﷺ أولاً، ثم يكذبه ﷺ ويسخر منه ومن مقولته، بل إن مجيئه ابتداء وتلبيته لنداء النبي ﷺ يدل على تصديقه، لكنه ما تمالك نفسه حتى نال من النبي الكريم ﷺ وهو الصادق المصدوق ﷺ.

والحق أن الأعجب من ذلك هو موقف النبي ﷺ من أبي لهب، فلم يرد عليه مقولته؛ لأنّه ﷺ يعلم يقيناً إنْ ردّ عليه فسينقسم الناس إلى قسمين، قسم مؤيد لأبي لهب مستنكرين رَدَّ النبي ﷺ بحكم موقع أبي لهب النَّسَبي، فهو عَمُّه، وعمُّ الرجل صنو أبيه(١٥)، وقد يَعُدُّ بعضهم ذلك الرد تطاولاً من النبي ﷺ على عمِّه، وقسم مؤيد للنبي ﷺ، وبهذا يفسد الهدف الذي من أجله كان الاجتماع، وهو دعوتهم إلى الله، وإقامة الحجة عليهم فآثر السكوت ﷺ، مفوضاً أمره إلى الله سبحانه وتعالى، فلم يكن النبي ﷺ فحاشاً ولا صخاباً، فتولى الباري جل وعلا الرد على أبي لهب، فأنزل في شأنه سورة تتلى إلى يوم القيامة تَبَّتۡ يَدَآ أَبِي لَهَبٖ وَتَبَّ ١ مَآ أَغۡنَىٰ عَنۡهُ مَالُهُۥ وَمَا كَسَبَ ٢ سَيَصۡلَىٰ نَارٗا ذَاتَ لَهَبٖ ٣ الآيات [المسد: ١-٣].

نحن نحتاج اليوم ان نتبع هذا الموقف العظيم من سيرة النبي ﷺ وينبغي للداعي العصري قبل اقباله على دعوته أن يحوز ثقة الناس ليسمعوا كلامه ويصدقوه, وثبت أيضا من هذه الحادثة ان الداعي إلى الحق لا يلتفت الى كلام المخالفين ولا يضيع وقته في مخالفتهم بل يفوض أمرهم الى الله.

- ولما خرج النبي ﷺ في السنة السابعة من الهجرة لفتح خيبر، وكانت معقل يهود

بعد إجلاء بني النضير، فلما وصلها, حاولت يهود قتله ﷺ بطريقة حقيرة ودنيئة تنم عن خبثهم ومكرهم، فعن أنس رضي الله عنه: ((أن امرأة[١٦] يهودية أتت رسول الله ﷺ بشاة مسمومة فأكل منها، فجيء بها إلى رسول الله ﷺ، فسألها عن ذلك فقالت: أردت لأقتلك، قال ﷺ: ((ما كان الله ليسلطك على ذاك، قال: أو قال: ((عليَ)) قالوا: ألا نقتلها؟ قال ﷺ: ((لا)).[١٧]

فانظر إلى سماحة نبي الإسلام، لم يأمر ﷺ بقتلها مع أنها اعترفت بجريمتها وظفر بها، ومع ذلك عفا عنها؛ لأنّ الإسلام دين السماحة والعفو.

- ولما خرج النبي ﷺ لفتح مكة في السنة الثامنة[١٨] من الهجرة وبالتحديد في شهر رمضان[١٩] كان عدد جيش المسلمين عشرة آلاف رجل، فرأت قريش أنه لا طاقة لها بقتال النبي ﷺ، وظنت أنه سيبطش بها، لكن النبي ﷺ عفا عن الجميع، فأسلم عدد كبير منهم، بل وعندما جاءت غنائم حنين، جعل ﷺ يعطي بعضهم عطاء جزلاً، فقد أعطى صفوان بن أمية مائة من النعم، ثم مائة، ثم مائة[٢٠]، وعندما غضبت الأنصار من ذلك، ذكر لهم الرسول ﷺ أنه إنما أعطاهم من أجل أنه يتألفهم لأنهم حديثو عهد بكفر.[٢١]

إنّ القصد من ذكر تلك الأمثلة المتقدمة هو أنه ﷺ كان يحاول جاهداً تجنب المصادمة والمواجهة مع القبائل القرشية في المرحلة المكية، وحرص على تألفهم بعد الهجرة مروراً بقصة الحديبية[٢٢]، وانتهاءً بقصته معهم بعد حنين.

هكذا تتجلى سماحة رسول الإسلام في تألُّف الناس، والتودد إليهم، والصفح عن مسيئهم؛ لتقوية آصرة الروابط الاجتماعية. ويجب علينا ان نتحلى بهذه الصفات ونستنير من السيرة النبوية فى حياتنا الاجتماعية.

تعليمه ﷺ لبعض الصحابة وتربيته لهم

إذا كان النبي ﷺ حريصاً على تأليف قلوب الناس للدخول في الإسلام، فإنّه كان أشد حرصاً على تعليمهم الذين أسلموا منهم بالرفق واللين في حالة حدوث تصرفات من بعضهم بسبب جهلهم بتعاليم الإسلام أو لقربهم من العهد الجاهلي وعاداته السيئة، من ذلك:

- قصة الأعرابي.[٢٣]

عن أنس بن مالك رضي الله عنه قال: ((بينما نحن في المسجد مع رسول الله ﷺ إذ جاء أعرابي فقام يتبوّل في المسجد، فقال أصحاب رسول الله ﷺ، مَهْ مَهْ، قال: قال

رسول الله ﷺ: ((لا تزرموه[٢٤] دعوه[٢٥]، فتركوه حتى بال، ثم إن رسول الله ﷺ دعاه، فقال له: إنّ هذه المساجد لا تصلح لشيء من هذا البول، ولا القَذَر، إنّما هي لذكر الله عز وجل والصلاة وقراءة القرآن)) أو كما قال رسول الله ﷺ، قال: فأمر رجلاً من القوم فجاء بدلو من ماء فشنه عليه.[٢٦][٢٧]

فانظر إلى هذه الحادثة العجيبة، وكيف ساق الله هذا الأعرابي ليعمل ذلك العمل وكيف تعامل النبي ﷺ مع تلك الحادثة، ليتعلم الصحابة ومن بعدهم إلى يوم الدين الرفق واللين منه ﷺ.

- وهناك موقف 'خر حدث لبعض الصحابة تجلت فيه حكمة النبي ﷺ وتربيته في معالجة الأمور،

عن معاوية بن الحكم السلمي رضي الله عنه قال: بينا أنا أصلي مع رسول الله ﷺ: إذ عطس رجل من القوم فقلت: يرحمك الله، فرماني القوم بأبصارهم، فقلت: وا ثُكْل[٢٨] أمياه! ما شأنكم تنظرون إليّ فجعلوا يضربون بأيديهم على أفخاذهم، فلما رأيتهم يُصَمِّتونني لكني سكتّ، فلما صلى رسول الله ﷺ فبأبي هو وأمي ما رأيت معلّماً قبله ولا بعده أحسن تعليماً منه، فوالله ما كَهَرَني[٢٩]، ولا ضربني، ولا شتمني، قال: ((إن هذه الصلاة لا يصلح فيها شيء من كلام الناس، إنّما هو التسبيح، والتكبير، وقراءة القرآن)) أو كما قال رسول الله ﷺ ... الحديث.[٣٠]

هذه هي تعاليم الإسلام التي جاء بها الهادي البشير ﷺ وهكذا كان يعلم النبي ﷺ أصحابه، والتعليم بهذا الأسلوب النبوي العجيب هو المثمر، وهو الذي يجعل الناس يدخلون في دين الله أفواجاً، أما الغلظة والجفاء والسخرية والاستهزاء والازدراء. مما نراه اليوم فى تعامل بعض الدعاة المتشددين الذين ينفرون الناس من الاسلام ويبعدونهم منه. فليست من الإسلام في شيء

وصدق الله سبحانه إذ يقول في حق نبيه ﷺ: وَإِنَّك لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ٤ [القلم:٤]،

- معالجة المشكلات الاجتماعية

لا شّك أن الروابط التي تجمع الناس تختلف من مجتمع لآخر، فهناك روابط مشتركة بين أمة وأخرى بسبب المصالح الدنيوية، فإذا فقدت تلك المصالح انتهت تلك الروابط، وقد تجتمع الروابط بسبب آصرة القربى أو العِرْقأ,اما رابطة العقيدة فهي الباقية بين المسلمين حتى الموت.

ولذلك قال سبحانه: إِنَّمَا ٱلۡمُؤۡمِنُونَ إِخۡوَةٞ[الحجرات: ١٠].

عندما قام النبي ﷺ بِحَلّ بعض المشكلات الاجتماعية التي واجهته في المدينة والتي تمثلت بتشريعه لنظام المؤاخاة. والأخوة الإيمانية, يولِّد شعوراً كبيراً في نفس المسلم, تجعله يعيش في حياة سعيدة طوال حياته، لأنّه فَقِه قول المصطفى ﷺ: ((لا يؤمن أحدكم حتى يحب لأخيه مايحب لنفسه)).(٣١) ومنها:

فقد واجهت النبي ﷺ مشكلة كبيرة بعد هجرته إلى المدينة تتمثل في عدم وجود مأوى مناسب للمهاجرين بالإضافة إلى عدم تمكنهم, وقدرتهم على شراء بيوت يسكنونها لأن المهاجرين رضوان الله عليهم كانوا قد تركوا ثرواتهم في مكة ولم يتمكنوا من أخذها معهم بسبب مضايقة قريش لهم, فما كان منه ﷺ إلا أَنْ شرع نظام المؤاخاة بين المهاجرين والأنصار اثنين اثنين. وكان من ضمن بنود المؤاخاة أن يرث المهاجري الأنصاري دون ذوي رحمه(٣٢), بالإضافة إلى المواساة في كل أوجه الخير والمحبة.

وقد ضرب الأنصار أروع الأمثلة في حبهم وتفانيهم في مواساة إخوانهم المهاجرين, من ذلك قصة سعد بن الربيع الأنصاري رضي الله عنه, عندما آخى الرسول ﷺ بينه وبين عبد الرحمن بن عوف وهو من المهاجرين, وكان سعد بن الربيع من أكثر الأنصار مالاً, قال أنس بن مالك رضي الله عنه: ((لما قدم علينا عبد الرحمن بن عوف رضي الله عنه وآخى النبي ﷺ بينه وبين سعد ابن الربيع وكان كثير المال, فقال سعد: قد علمت الأنصار أني من أكثرها مالاً, سأقسم مالي بيني وبينك شطرين, ولي امرأتان, فانظر أعجبهما إليك فأطلقها حتى إذا حلَّت تزوجتها, فقال عبد الرحمن: بارك الله لك في أهلك...))(٣٣), وفي رواية أنه قال: ((بارك الله لك في أهلك ومالك, أين سوقك؟ فدلوه على السوق...)).(٣٤)

وكان الهدف من هذه المؤاخاة إذهاب الوحشة والغربة التي أصابت المهاجرين بمفارقتهم للأهل والعشيرة, فلمّا عَزَّ الإسلام واجتمع الشمل وذهبت الوحشة, وعرفوا أسباب اكتساب الرزق, أبطل الله التوارث, وبقيت الأخوة في الله, وذلك بنزول قوله تعالى: وَأُوْلُواْ ٱلۡأَرۡحَامِ بَعۡضُهُمۡ أَوۡلَىٰ بِبَعۡضٖ فِي كِتَٰبِ ٱللَّهِۚ إِنَّ ٱللَّهَ بِكُلِّ شَيۡءٍ عَلِيمُۢ [الأنفال: ٧٥].

وهكذا استطاع النبي ﷺ بفضل الله حل مشكلة من أكبر المشكلات الاجتماعية التي واجهته ﷺ في المدينة بعد الهجرة.

والحق أنّ موقف سعد بن الربيع مع عبد الرحمن بن عوف لا يصدقه العقل, ولو لم يرد في صحيح كتب السنة لما صدقه كثير من الناس, وذلك لما فيه من تضحيات تفوق

الخيال. هل يُعقل أن الإسلام والأخوة الإيمانية تجعل الشخص يبذل ماله وأهله لأخيه المسلم دون مقابل؟نعم،يُعقل وموقف سعد خير شاهد.

وفى حياتنا المعاصرة ضرورة شديدة لتطبيق موقف الانصارمع المهاجرين، حيث نعرف كلنا أن بلدنا ايضا يواجه مشكلة كبيرة ,بأن هناك ملايين من الناس فيه الذين يعانون بعدم توفر الأكل والشرب والمأوى مناسب لهم بالإضافة إلى عدم تمكنهم، وقدرتهم على شراء بيوت يسكنونهاوهناك حاجة ملحة فى مجتمعنا بتقديم التضحيات المادية من أثرياء باكستان تطبيقا لسنة الرسول والانصار.

قد قرأت تقريرا اقتصاديا فى سنة ۱۹۸۹ م ذكر فيه أنه لو ادّى اصحاب مصانع مدينة فيصل آباد زكاة اموالهم المفروضة بأمانة وتُوزع على الفقراء بالعدل لما بقي فقير فى باكستان. فمابالكم اذا قام الأغنياء بالتضحيات لاخوانهم الفقراء مثل الانصار رضى الله عنهم.

تطبيق السيرة النبوية فى النواحي الاقتصادية

هناك جوانب عديدة من الناحية الاقتصادية في السيرة النبوية يمكن تطبيقها فى حياتنا المعاصرة منها:

هجرة المسلمين من مكة إلى المدينة أدت إلى زيادة الأعباء الاقتصادية الملقاة على عاتق أهل المدينة.(۳۵)إلا أنّ النبيﷺ عالج مشاكل الاقتصادية بطرق حكيمة وبخطوات عديدة,منها:

نظام المؤاخاة الذي شرعه بين المهاجرين والأنصار كما سبق ذكره ولاداعي للتكرار.

وكذلك عندما نقض بنو النضير العهد وأجلاهم عن خيبر، كانت أموالهم خالصة لرسول الله ﷺ ؛ لأنّه مما لم يوجف عليه المسلمون بخيل ولا ركاب، فقسمها ﷺ بين المهاجرين، ولم يعط للأنصار شيئاً إلا أبا دجانة وسهل بن حُنيف؛ لأنّهما كانا من أشدّ الأنصار فقراً(۳٦)، وكان إعطاء تلك الأموال للمهاجرين عن طيب خاطر الأنصار، وبذلك تحسنت الظروف الاقتصادية عند المسلمين في المدينة، وتقاربت مستويات المعيشة بين الأنصار والمهاجرين.

وأيضا زراعة الأرض كانت من أهم الموارد الاقتصادية في العصر النبوي -أو على الأقل في بداية العصر النبوي- فقد كان النبي ﷺ حريصاً على استغلالها جيداً حتى يكثر الإنتاج ليسد حاجة الناس، فكان يجعل إصلاح الأرض إلى أهلها، ولذلك لما فتح الرسول ﷺ خيبر أقرهم على إصلاح الأرض وزراعتها على أن يكون ثمرها بينه وبين

أهلها بالتساوي.[37] بهذاانتعش الاقتصاد في المدينة.وزاده انتعاشاً بإقامة الأسواق التجارية فيها ، فقد أمر النبي ﷺ بإقامة سوق مجاور للبقيع[38]، ثم نقلها إلى غربي المسجد النبوي.[39] وقد اهتم النبي ﷺ بأمر الأسواق وما يجري فيها من بيع وشراء، ومراقبة ذلك مراقبة شديدة، حتى لا تجلب إليه البضاعة الرديئة إلا إذا عُرِّفت، وإذا عرف عن هذه الأسواق عدم التطفيف في الكيل، وعدم الغش والكذب والخداع أتاه الناس من كل ناحية.

وقد وضع النبي ﷺ ضوابط كثيرة للبيع والشراء والسلع المستوردة، كل ذلك مبثوث في كتب الفقه.

هذا، بالإضافة إلى ما كان يأتي المسلمين من غنائم وزكاة وخراج، حتى تحول المجتمع المدني خاصة في أواخر العهد النبوي إلى مجتمع يمكن أن يكون قد استغنى عن الآخرين بماعنده.

ومما يجدر ذكره أن المسلمين بالإضافة إلى بيعهم وشرائهم في أسواقهم الخاصة إلا أنهم كانوا يعرضون بضاعتهم في أسواق اليهود[40]، كما أن اليهود أيضاً كانوا يشاركون المسلمين في أسواقهم بالبيع والشراء بالبضائع التي لا يجيدها غيرهم كأنواع الأسلحةوأنواع الحُلي، ولاسيما بنو قينقاع الذين اشتهروا بذلك.

ويستفاد من هذه المعاملات التجارية بين المسلمين واليهود، أن للمسلمين شراءمايستفيدون منه من اليهود وغيرهم وبخاصة الأسلحة.

يتضح لنا من هذه القطوف من السيرة النبوية أنها منهج متكامل لجميع جوانب الحياة وفيها معالجة لكل مشاكلنا المعاصرة الأمنية والاجتماعية والسياسية والاقتصادية، ولو طبقناها تطبيقادقيقا فى حياتنا المعاصرة لصَلُحت أحوالنا وتقدمنا على غيرنا ،فلو لم يكن في أيدينا إلا سيرة النبي لكفتنا، لأن أقواله وأفعاله وإقراره منهج،وشرح لكتاب الله ,قال الله تعالى: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا{الأحزاب: ٢١}

وهكذا إذا قرأنا سيرته في جميع أمره نطبقها في حياتنا شبرا بشبر وذراعا بذراع سوى ما اختص به ﷺ فذاك له ﷺ خاصة, وقد بينه أهل العلم في كتبهم . وللاستزادة والاطلاع على سيرته ﷺ مفصلة نرجو قراءة كتب السيرة النبوية.

اللهم علمنا ما ينفعنا، وانفعنا بما علمتنا وزدنا علماً، وأرنا الحق حقاً وارزقنا اتباعه، وأرنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابه، واجعلنا ممن يستمعون القول فيتبعون أحسنه، وأدخلنا برحمتك في عبادك الصالحين بجاه سيد المرسلين ورحمة للعلمين ﷺ.

حوالہ جات

١۔ أخرجه البخاري رقم (٢٦٩٧) ومسلم رقم (١٧١٨).

٢۔ لسان العرب، مادة: سير، والقاموس المحيط، مادة: سير.

٣۔ دائرة المعارف الإسلامية (٢/١٥٢).

٤۔ قواعد التحديث، للقاسمي ص (٣٥-٣٨).

٥۔ السيرة النبوية لابن إسحاق، تهذيب ابن هشام، ووالسيرة النبوية لابن حزم (ت: ٤٥٦هـ)، والسيرة النبوية لعبد الغني المقدسي (ت: ٦٠٠هـ)، والسيرة النبوية لابن عساكر، المطبوعة ضمن تاريخه الشهير بتاريخ ابن عساكر (ت: ٥٧١هـ) وغيرها

٦۔ البخاري، رقم (٦٩) عن أنس، ومسلم، رقم (١٧٣٢) عن أبي موسى بلفظ ((بشروا ولا تنفروا...)).

٧۔ البخاري رقم (٥٠٧)، ومسلم، رقم (٤٦٥).

٨۔ صحيح البخاري، رقم (٨٩٣)، ومسلم رقم (١٨٢٩).

٩۔ أي على الجهة المواجهة لي، الفتح الباری (٦/٣١٥) تحت شرح حديث رقم (٣٢٣١).

١٠۔ قرن الثعالب، هو ميقات أهل نجد، ويقال له أيضاً قرن المنازل. المصدر السابق. وهو على طريق الطائف من مكة المار بنخلة اليمانية، يبعد عن مكة ثمانين كيلاً، ومن الطائف ثلاثة وخمسين كيلاً. المعالم الأثيرة في السنة النبوية، لمحمد شراب.

١١۔ المراد بالأخشبين: جبلا مكة، أبو قبيس، والذي يقابله وكأنه قُعَيْقِعَان، وسميا بذلك لصلابتهما وغلظ حجارتهما، والمراد بإطباقهما: أن يلتقيا على من بمكة. الفتح (٦/٣١٦)، تحت شرح حديث رقم (٣٢٣١).

١٢۔ البخاري مع الفتح (٦/٣١٦) حديث رقم (٣٢٣١).

١٣۔ مصادر السيرة النبوية وتقويمها، ص (٦٢-٦٣) بتصرف.

١٤۔ البخاري رقم (٤٧٧٠)، ومسلم رقم (٢٠٤) واللفظ للبخاري.

١٥۔ جزء من حديث، أخرجه مسلم، رقم (٩٨٣) وغيره.

١٦۔ اسمها: زينب بنت الحارث، أخي مرحب، وهي امرأة سلاَّم بن مِشْكم، ذكر ذلك ابن إسحاق (ابن هشام) (٢/٣٣٧)، وابن سعد في الطبقات (٢/٢٠١).

١٧۔ صحيح مسلم، رقم (٢١٩٠) وقد ذكر عبد الرزاق في المصنف، رقم (١٩٨١٤) عن الزهري أنها أسلمت، وكذلك ذكر الحافظ ابن حجر في الفتح (٧/٤٩٧-٤٩٨) نقلاً عن مغازي سليمان التيمي أنها أسلمت أيضاً.

١٨۔ صحيح البخاري، رقم (٤٢٧٦).

١٩ـ المصدر السابق.

٢٠ـ كصفوان بن أمية، وعكرمة بن أبي جهل، انظر قصة هروبهما، الموطأ رقم(٤٤)، وابن إسحاق (ابن هشام)(٢/٤١٧-٤١٨)، وفيه ضعف لكن قال ابن عبد البر في التمهيد (١٢/١٩):((وشهرة هذا الحديث أقوى من إسناده« إن شاء الله.

٢١ـ انظر: صحيح مسلم، رقم(٢٣١٣).

٢٢ـ اعندما قال لهم: ((يا ويح قريش، لقد أكلتهم الحرب، ماذا عليهم لو خلّوا بيني وبين سائر العرب، فإن هم أصابوني كان الذي أرادوا، وإن أظهرني الله عليهم دخلوا في الإسلام وافرين، وإن لم يفعلوا قاتلوا وبهم قوة ...)) الحديثلسيرة النبوية لابن إسحاق (٢/٣٠٨-٣٠٩)بسند جيد.

٢٣ـ الذي قدم من البادية ممتطياً بعيره حابساً بوله حتى قدم المدينة، بل وحتى دخل مسجد رسول الله، والنبي الكريم عليه الصلاة والسلام جالس مع أصحابه إذ بهذا الأعرابي ينيخ بعيره، ويتوجَّه إلى ناحية من نواحي مسجد رسول الله، وأمام أعين الناس يرفع ثوبه ويجلس ليتخلص من بوله في مسجد رسول الله، إنه منظر يثير الدهشة، سلك طريقاً طويلة لم يجد مكاناً يتبول فيه إلا مسجد رسول الله!!

لذلك أثار فعله هذا حفيظة أصحاب رسول الله فقاموا ليمنعوه وينهروه، ولكن الرجل استمر في بوله غير عابئ بتلك الصرخات التي تعالت عليه من جوانب المسجد تستنكر هذا الفعل، إلا أن النبي الكريم والمربي الحكيم أنقذ الموقف بقوله للصحابة: ((دعوه)).وهناك اختلاف في اسم هذا الأعرابي، فقيل: ذو الخويصرة، وقيل: عيينة بن حصن، وقيل: الأقرع بن حابس، انظر: الفتح(١/٣٢٣-٣٢٤).

٢٤ـ لا تُزْرِموه: بضم التاء وإسكان الزاي، وبعدها راء، أي: لا تقطعوا عليه بوله. النووي مع مسلم (٣/١٩٠).

٢٥ـ قال النووي: ((قال العلماء: كان قوله : دعوه، لمصلحتين: إحداهما: أنه لو قطع عليه بوله تضرر، وأصل التنجيس قد حصل، فكان احتمال زيادته أولى من إيقاع الضرر به، والثانية: أن التنجيس قد حصل في جزء يسير من المسجد، فلو أقاموه في أثناء بوله لتنجس ثيابه وبدنه ومواضع كثيرة من المسجد، والله أعلم« ا.هـ. النووي على مسلم(٣/١٩١).

٢٦ـ فَشَنَّه عليه: أي صَبَّه. المصدر السابق.

٢٧ـ مسلم، رقم(٢٦١)، والبخاري مختصراً رقم(٢٢٠).

٢٨ـ الثُكْل: بضم الثاء وإسكان الكاف وبفتحها: فقدان المرأة ولدها. شرح النووي على مسلم (٥/٢٠).

٢٩ـ ما كَهَرَني: أي ما انتهرني. المصدر السابق.

٣٠ـ صحيح مسلم بشرح النووي,وقال الإمام النووي في شرحه للحديث:...وفيه التخلق

بخلقه في الرفق بالجاهل، وحسن تعليمه واللطف به، وتقريب الصواب إلى فهمه (٢٠/٥).

٣١- البخاري، رقم الحديث (١٣)، ومسلم رقم الحديث (٤٥).

٣٢- البخاري، رقم (١٣٧٨).

٣٣- البخاري، رقم (١٣٧٨).

٣٤- البخاري، رقم (٣٧٨٠).

٣٥- في تاريخ الحضارة العربية الإسلامية جـ(٢)، الحياة الاقتصادية في صدر الإسلام، محمد ضيف الله بطاينة ص (١٠).

٣٦- انظر: الطبقات الكبرى لابن سعد (٣/١٧٤-٢٧٤).

٣٧- ابن إسحاق (ابن هشام) (٢/٣٥٦-٣٥٧) بسند مرسل.

٣٨- وفاء الوفاء للسمهودي (٢/٧٤٧-٧٤٨).

٣٩- البلاذري، فتوح البلدان (١/١٥).

٤٠- البخاري، رقم (٢٠٤٨)، وابن هشام (٢/٤٧-٤٨).

تصوير أخلاقيات الحرب في الغزوات النبوية

محمد نجم الحق الندوي☆

Abstract:

" Being perfect code for mankind, Islam is the greatest blessing of Allah almighty. It leads the life in all and integrates it all the rules and regulations formulated in the light of Qur'an & Sunnah are quite logical and according to the nature. Islam guarantees the social justice and brings peace prosperity by eliminating the negative forces that violate the human rights and create disturbance in society. For this purpose, the principles of war practised by the Holy Prophet Mohammad (ﷺ) in the battle field are notable, which prove that the man made slogan"everything is fair in war love" is not justified. So the prophetic reforms regarding war are necessary to be studied for the sake of peace. In the following article the writer presents his research about the moral values reforms observed by the Holy Prophet (ﷺ) in Ghazawaat."

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على أشرف الأنبياء والمرسلين وعلى آله وصحبه أجمعين وبعد فإن أخلاقيات الحرب موضوع حيوي قد عالجه العلماء والباحثون الإسلاميون والمستشرقون أيضا كذلك قديما وحديثا ويستمر الحديث عن هذا الموضوع منذ بداية الإسلام إلى يومنا هذا. يعالجه العلماء والباحثون الإسلاميون من اتجاهات دينية يعتبرونها عبادة بذكر الأسوة النبوية وممارستها بينهم ويحتسبونها أجرا عظيما في ميزان حسناتهم.

☆ الأستاذ بقسم الدعوة والدراسات الإسلامية، ومدير معهد اللغة العربية، الجامعة الإسلامية العالمية شيتاغونغ، بنغلاديش.

أما المستشرقون والباحثون من أعداء الإسلام والمسلمين فكانوا يعالجون هذا الموضوع الهام من أغراض شنيعة لتشويه سمعة الإسلام ورسوله الأكرم ﷺ بين الناس ليتنفروا عن اعتناق الإسلام دينا ولإلقاء الشكوك والشبهات في قلوب المسلمين لكي يبتعدوا عن تعاليم نبيهم, وكانوا يبذلون غاية جهودهم في اتهام شخصية الرسول ﷺ بأخلاقية إنسانية رذيلة حقدا وعنادا بأنهم قالوا إن محمدا ﷺ رسول محارب يحب القتل والفساد في الأرض وبعث في شعب محارب ليست لديهم حضارة ولا يعرفون من الثقافة إلا الحرب والغارة وكانوا يقتلون الناس باسم الدين وانتصروا على الناس بسيوفهم وأجبروهم على اتباع دينهم.

ومن الحقائق الثابتة أن الإسلام دعوة عالمية ورسالة خاتمة للرسالات السابقة؛ أراد الله تعالى لها أن تكون دعوة إنسانية موجهة للبشر جميعًا، ورضيها الله تعالى للناس دينًا، فكانت هي الدين الكامل الذي أتمَّ الله تعالى به علينا النعمة وشاء أن تكون الدعوة الإسلامية التي بعث بها نبينا محمد صلى الله عليه وسلم كاملة وشاملة فقال تعالى: "اليوم أكملت لكم دينكم وأتممت عليكم نعمتي ورضيت لكم الإسلام دينا" (المائدة: ٣).

وفي ناحية أخرى أن شخصية الرسول ﷺ نفسها أنموذجا للإنسانية جمعاء حيث يتشرف بها في الدنيا والآخرة من يتصف بها حياته ويسترشد بها إلى بناء مستقبل ناجح كما بشر به الله تعالى عباده: "لقد كان لكم في رسول الله أسوة حسنة لمن كان يرجو الله واليوم الآخر وذكر الله كثيرا" (الأحزاب: ٢١) انطلاقا إلى هذا يتبادر المسلمون في اتصاف حياتهم بالأسوة النبوية في الحل والترحال وفي السلم والحرب ويعتبرونها منارة للحياة ولا يتنزلون قط عن اتصاف حياتهم بأسوة النبي ﷺ مهما كانت الظروف والأوضاع. فحاولت في هذا البحث الضئيل تصوير أخلاقيات الحرب في الغزوات النبوية التي أصبحت أنموذجا للإنسانية في كل عصر ومصر.

الجهاد في حياة الأنبياء وأتباعهم

معروف لدى الجميع أن الحرب ليست فكرة مستحدثة في الإسلام فحسب بل هي تستمر منذ تشرف الإنسان بشريعة الله تعالى لما كان الهدف من شريعة الله إقامتها في الأرض وهي مسئولية ربانية بعث بها جميع الأنبياء والرسل كما قال تعالى: "شرع لكم من الدين ما وصى به نوحا والذي أوحينا إليك وما وصينا به إبراهيم وموسى وعيسى أن أقيموا الدين" (الشورى: ١٣) هذا بالإضافة إلى أنه لما كان من مسالك الشيطان لمجاهدة أهل الإيمان أن يقاتلهم بالسيف والسنان، أرسل الله عز وجل رسله بالهدى والبينات، وشرع

لهم شريعة الجهاد، حتى يستطيعوا الدفاع عما هم عليه من الحق، ودفعاً لعدوان وبغي أهل الباطل، ونشراً للتوحيد، وجهادا لمن كفر وأشرك برب العباد فقال تعالى " لقد أرسلنا رسلنا رسلنا بالبينات وأنزلن معهم الكتاب والميزان ليقوم الناس بالقسط وأنزلنا الحديد فيه بأس شديد ومنافع للناس وليعلم الله من ينصره ورسله بالغيب إن الله لقوي عزيز" (الحديد"٢٥) ولهذا السبب أرسل الله عز وجل أنبياءه لنشر عقيدة التوحيد، وإخراج الناس من الظلمات إلى النور، ومن عبادة العباد إلى عبادة الله وحده ومن ضيق الدنيا إلى سعتها، ومجاهدة الشرك والمشركين لإعلاء كلمتي الحق والدين، وفى ذلك يخبرنا رب العالمين عن الجهاد كان فى حياة الأنبياء كافة بقوله عز وجل :"وكأي من نبي قاتل معه ربيون كثير فما وهنوا لما أصابهم في سبيل الله وضعفوا وما استكانوا والله يحب الصابرين" (آل عمران:١٤٦).

الحرب فى الإسلام

وعلم من ذكر جهاد الأنبياء والرسل السابقين من سيدنا نوح عليه السلام إلى سيدنا المسيح عليه السلام في القرآن الكريم مباشرة أو غير مباشرة بأن الجهاد لم تكن شريعة محدثةً فى دين الإسلام، بل كانت فى شرائع الأنبياء أجمعين، وكان دين الإسلام هو الدين الخاتم الذى جاء به لإنقاذ البشرية من الإلحاد والشرك والوثنية وتحريف الكتب السماوية، فَخَتَمَ الله به الرسالات، لذلك لاقى ما لاقى من ألوان الأذى والكذب والافتراءات في حياتهم المكية فاضطر النبي صلى الله عليه وسلم وأصحابه على الهجرة لإقامة دين الله في الأرض حتى واجهوا المؤامرة والاستبداد في المهجر فأذن للحرب والقتال بعد أن كانت منهية في المرحلة الابتدائية وكان ذلك فى العهد المكي، فى وقت الاستضعاف، فلم تُفرَض شريعة الجهاد فى الإسلام منذ فجر البعثة، بل أمر الله عز وجل المسلمين فى هذه المرحلة بالالتفات لتصحيح العبادة، إذ لو فُرِضَ الجهاد على المسلمين فى وقت ضعفهم وقلة عدتهم وعددهم لشَقَّ ذلك عليهم، ولكان من اليسير استئصال شأفتهم، ولَمَا وصل إلينا هذا الدين، فكان ذلك من فضل الله ورحمته على المؤمنين ألا يكلفهم ما لا يطيقون، كما شرع رب العالمين لعباده المؤمنين الهجرة فى وقت الاستضعاف وعدم القدرة على مقاومة كيد المشركين.

الإذن بالحرب في الإسلام

فقد أباح الله تعالى لعباده المؤمنين الجهاد بعد المنع لِمَا نالوه من أذى المشركين

حينما أخرجوهم من ديارهم بغير حق وأخذوا أموالهم، فلما هاجروا إلى المدينة وحصل لهم منعة وقوة أذن لهم بالقتال، فلولا أن شرع الله عز وجل لهم القتال لتمكن أهل الباطل من أهل الإيمان فاستأصلوا شأفتهم كما كان يفعل بنو إسرائيل مع الأنبياء والذين يأمرون بالقسط من الناس فقال تعالى: "أذن للذين يقاتلون بأنهم ظلموا وإن الله على نصرهم لقدير * الذين أخرجوا من ديارهم بغير حق إلا أن يقولوا ربنا الله ولو لا دفع الله الناس بعضهم ببعض لهدمت صوامع وبيع ومساجد يذكر فيها اسم الله كثيرا ولينصرن الله من ينصره إن الله لقوي عزيز" (الحج: ٣٩-٤٠).

وقد كان من عادته أنه لم يكن يحب أن يسوق أصحابه إلى حرب أو مغامرة لا يجدون في أنفسهم شجاعة كافية لخوضها أو لا يؤمنون بجدواها كما تتجلى في سيرته الطيبة ومع ذلك أن القوة المعادية للإسلام قديما وحديثا وبخاصة المستشرقون والباحثون الغربيون يقولون بأن نبي الإسلام كان نبيا محاربا يحب القتل والفساد في الأرض لنشر دينه وضغطه في الناس, وذلك ادعاء لا تقوم به نصوص تاريخية يعتمد عليها بل حافظ الرسول ﷺ على حقوق الإنسان مهما كانت الظروف والأوضاع وأصبح أنموذجا لأخلاقيات الحرب.

ومعروف لدى الجميع أن أخلاقيات الحرب التي وضعها الإسلام تتجلى في الغزوات النبوية وبخاصة في: بدر وأحد وأحزاب وفتح مكة وحنين كما تجلت في صلح الحديبية بشكل واضح وكذا احتوت الغزوات الأخرى أيضا على آداب والقواعد مهمة ولكننا الاكتفاء بما ورد في هذه الغزوات نموذجا. وإن أخلاقيات الحرب التي استخلصتها من الغزوات النبوية تعد من الشواهد العلمية على رحمة النبي ﷺ وعالمية الدين الإسلامي الذي جاء به النبي ﷺ وسبق الإسلام لإقرار حقوق الإنسان في كل ناحية من نواحي الحياة البشرية بما فيها حالة الحرب قبل المنظمات الدولية الحديثة بمئات السنين.

تصوير أخلاقيات الحرب في الغزوات النبوية

من المعلوم أن حياة الرسول ﷺ في المدينة قد امتدت إلى عشر سنوات بعد أن قضى ثلاث عشرة سنة من حياته بمكة المكرمة في ظلم واستبداد وتحمل الأذى صابرا ومحتسبا معه أصحابه السابقون الأولون ورفض على المكافحة والمدافعة ضد الأعداء حتى أذن له بالقتال في السنة الثانية من الهجرة بقوله تعالى "أذن للذين يقاتلون بأنهم ظلموا وإنهم على نصرهم لقدير" (البقرة-) فنجد طوال سنوات المدينة بأن الظروف والأوضاع

قد اختلفت مع الرسول ﷺ لقد كون دولة وأعدها للحرب, ولكنه كان يستهدف تعليم الناس الدين الوسطي المعتدل ونشر الدعوة بين العرب وغير العرب.

ومن الطبعي أن يخوض حروبا ضارية مع الأعداء الذين لم يتركوه بوما دون نزال أو استنفار للحرب بقصد نشر دعوته, وبخاصة بعد أن صارت له دولة وأصبح معه فئة كبيرة من المؤمنين مستعدين لخوض غمار الحروب دفاعا عنه ودفاعا عن الدعوة ودفاعا عن الدولة الحديثة التي قام بها النبي ﷺ لإقامة الدين في الأرض, وقدم أصحابه النفس والنفيس في تحقيق هذه الأهداف النبيلة وفي سبيل نصرة دين الله وإعزازه ونشره من أقصى الأرض إلى أقصاها.

انطلاقا إلى ذلك أن دراسة الغزوات النبوية تفيدنا في بيان التحديات التي واجهتها الدعوة الإسلامية وكيفية مواجهة الرسول ﷺ الأعداء فنجد دروسا أخلاقية واضحة تبين لنا ما يجب أن يتبع في الجهاد وفي قتال الأعداء. ويعد صلح الحديبية علامة فارقة في تاريخ الدعوة الإسلامية بأنه آثر السلم والصلح مع الأعداء رغم الصعوبات التي تحملها في هذا الصلح ولكن الهدف الذي تحقق من هذا الصلح كان كبيرا, ألا وهو حقن الدماء حيث فتح الإسلام شبه الجزيرة العربية بدون سلاح كما مهدها لتوسيع رقعة الدعوة الإسلامية وجعلها في ممالك الأرض بإرسال وفوده ورسائله إلى كسرى والنجاشي والمقوقس وملك الروم وملوك المناطق المتاخمة للجزيرة العربية, فمنهم من استقبل رسالات الرسول ﷺ قبولا حسنا وهناك من صد واستكبر بل أرادوا قتله مما اقتضى أن يجهز الجيوش لتخرج إلى مؤتة خارج الجزيرة العربية وداخل بلاد الروم في هذه المرحلة الجديدة.

تصوير أخلاقيات الحرب في غزوة بدر

تعتبر غزوة بدر أولى غزوات الرسول ﷺ الكبرى, وقد كانت في السنة الثانية الهجرية, وقد أخبر الرسول ﷺ بوجود رحلة تجارية تأتي من الشام وبها عير لقريش, وكانت قريش قد عذبت المسلمين وأخذت ديارهم وأموالهم, فطبعا أن يكون له حق أن يسترد بعض أموال المسلمين أينما وجدت, وليس مستبعدا من العادات بل كان وفقا لقانون الحرب قديما وحديثا لما بدأت الحرب قريش مع أصحاب الرسول ﷺ بمكة المكرمة وتستمر حالة الحرب بعد أن هاجر الرسول ﷺ مع أصحابه إلى المدينة المنورة أيضا. فقانون الحرب حتى الآن يسمح بمصادرة أموال الأعداء في حالة الحرب, فما بالنا إذا كان العدو قد بدأ العداء بمصادرته الأموال والممتلكات في مكة, وعذب المسلمين

وأخرجهم من ديارهم؟!

وصور القرآن الكريم أحسن تصوير لتلك الحالة " للفقراء المهاجرين الذين أخرجوا من ديارهم وأموالهم يبتغون فضلا من الله ورضوانا وينصرون الله ورسوله أولئك هم الصادقون" (الحشر-٨) إذن فالإغارة على أموال من صادر أموال غيره هي من آثار قيام حالة الحرب بين الفريقين فضلا عن أنها هنا من قبيل ما يسمى الآن في القانون الدولي ب"حق الرد" والذي لا يسمح فقط بأخذ الأموال التي أخذت أو بالتعويض عنها بل يسمح كذلك بالأخذ بالثأر وقتل من من قتل من أفراد العدو كذلك. فنحن هنا أمام قاعدة قانونية وأخلاقية من قواعد قانون الحرب[1], وهي:

القاعدة الأولى- ضرورة المقاومة والرد الجوابي على قتل الأشخاص ومصادرة الأموال فقواعد القانون والأخلاق الانتصار من الظلم ومقاومة الطغيان بكل الوسائل.

أما القاعدة الثانية من قواعد الأخلاق في هذه الغزوة فهي تتصل بضرورة مشاورة القائد لجموع الناس. حقيقة هي ليست من قواعد قانون الحرب الحالية, ولكن الأمر يختلف مع رسول وقائد من نوع خاص حيث كان يحترم عقول أصحابه وأفكارهم, فكان يشاورهم دائما وبخاصة في الحروب. يقول القرآن الكريم " فاعف عنهم واستغفر لهم وشاورهم في الأمر فإذا عزمت فتوكل على الله إن الله يحب المتوكلين" (آل عمران -١٥٩). كذلك جنود الرسول ﷺ كانوا من نوع خاص, فهم فقهاء ومجتهدون. وبالفعل جمع الرسول ﷺ أصحابه وشارهم في أمر الخروج لملاقاة جيش قريش بعد أن علم بقدومهم على مقربة من المدينة....

وتكلم المهاجرون كلاما حسنا ومنهم المقداد بن عمرو فقد قال " يا رسول الله امض لما أمرك الله فنحن معك" ولكن الرسول ﷺ ظل ينظر إلى القوم ويقول لهم "أشيروا علي أيها الناس" فقال سعد بن معاذ " والله لكأنك تريدنا يا رسول الله" قال "أجل" فقال سعد "لقد آمنا بك وصدقناك, وشهدنا أن ما جئت به هو الحق, وأعطيناك على ذلك عهودنا ومواثيقنا على السمع والطاعة, فامض لما أردت فنحن معك, فوالذي بعثك بالحق لو استعرضت بنا هذا البحر فخضته لخضناه معك. فسر الرسول ﷺ بقول سعد ثم قال "سيروا وأبشروا فإن الله قد وعدني إحدى الطائفتين. والله لكأني الآن أنظر إلى مصارع القوم".[٢]

فالشورى هنا مهمة وبخاصة مشاورة أهل المدينة من الأنصار لأن الأمر يعينهم ويؤثر عليهم, فمن مكارم أخلاق الرسول ﷺ أنه يستشير من معه من أهل المدينة, وقد

كان يمكنه أن يمضي إلى القتال دون استشارة أحد, لكن الشورى هنا قاعدة أخلاقية ومن آثارها : إشعار القوم بأنهم أصحاب رأي ولهم كلمة فيما يؤثر على مصالحهم وعلى مستقبلهم فيمضون للقتال وهم مقتنعون به لأن القرار قرارهم فيستبسلون في القتال ولا يدخرون جهدا في بذل كل ما يمكنهم لتحقيق النصر.

وقام الرسول ﷺ باستشارة أصحابه في أمر آخر وهو: المنزل الذي نزل فيه لملاقاة أعدائه فقد نزل الرسول ﷺ منطقة العدوة الدنيا —أدنى ماء من مياه بدر – فقال الحباب بن المنذر يا رسول الله أرأيت هذا المنزل, أمنزلا أنزلكه الله ليس لنا أن نتقدمه ولا نتأخر عنه, أم هو الرأي والحرب والمكيدة؟ فقال "بل هو الحرب والرأي والمكيدة" فقال فإن هذا ليس بمنزل بل الأفضل أن ننتقل بالناس حتى نأتي أدنى ماء من القوم فننزله ثم نغور ما وراءه من الآبار ثم نبني عليه حوضا فنملؤه ماء ثم نقاتل القوم فنشرب ولا يشربون" فنهض الرسول ﷺ وتحول إلى المكان والرأي الذين أشار بهما الحباب رضي الله عنه.(٣)

القاعدة الثالثة التي طبقها الرسول ﷺ في غزوة بدر وفي كل غزواته بل في كل أعماله هي : الاتجاه والتضرع إلى الله عز وجل والدعاء بالنصر على الأعداء. وهنا نأخذ قاعدة مهمة هي :أنه مهما كان الاستعداد والعدة للأمر والأخذ دائما بالأسباب, فإن هذا لا يغني أبدا لنجاح العمل عن توفيق الله تعالى. ربما اتخذ ذلك في هذه الغزوة بعدا كبيرا, لقد كانت الغزوة الأولى في تاريخ الإسلام, ومن ثم فإن نتيجة المعركة سيكون لها أثر كبير في مستقبل الإسلام والمسلمين.

وقد عبر الرسول ﷺ عن ذلك بجلاء في دعائه حيث ورد عنه قوله ﷺ "اللهم هذه قريش قد أقبلت بخيلائها وفخرها تحادك وتكذب رسولك. اللهم فنصرك الذي وعدتني..." وظل يناشد الله متضرعا وخاشعا وهو يبسط كفيه إلى السماء حتى أشفق عليه أبو بكر الصديق فالتزمه من ورائه وقال له "يا رسول الله أبشر فو الذي نفسي بيده لينجزن الله لك ما وعدك".(٤) وأقبل المسلمون أيضا يستنصرون الله ويستغيثونه ويخلصون له في الإسلام حيث ورد عن الرسول ﷺ أنه قال " اللهم إن تهلك هذه العصابة فلن تعبد في الأرض بعد اليوم".(٥)

إنها معركة فاصلة ذات أثر كبير على مستقبل العبادة الحقة لله عز وجل بعد أن تاهت البشرية عن العبادة الحقة واتبعت سبلا مختلفة. إن أخلاقيات الحرب في الإسلام تختلف عن أخلاقياتها في القوانين الحديثة والحروب الأخرى القديمة من هذه الزاوية, وقد عبر القرآن عن ذلك في أكثر من آية من ذلك قوله تعالى "إن تكونوا تألمون فإنهم يألمون

كما تألمون وترجون من الله ما لا يرجون وكان الله عليما حكيما" (النساء:۱۰۴) وقوله تعالى "قل هل تربصون بنا إلا إحدى الحسنيين ونحن نتربص بكم أن يصيبكم بعذاب من عنده أو بأيجينا فتربصوا إنا معكم متربصون" (التوبة: ۵۲).

إنه لتسليم كامل لله عز وجل, وثقة مطلقة في حكمه, وأيا كان الأمر فإنه خير للمسلمين, فإما الشهادة والجنة وإما النصر في الدنيا وتعذيب المشركين بأيدي المؤمنين, وهذه غاية أخرى يطلبها كل مؤمن, وهذه من القواعد الأخلافية ذات الطابع المعنوي الذي يستحث المؤمن على النصر أو الشهادة وهي ما يفتقر إليه أي محارب لا يعرف الله عز وجل.

القاعدة الرابعة التي كانت صلتها فهي تتصل بمعاملة الأسرى, وقد عاملهم الرسول ﷺ برفق وأوصى أصحابه بأن يستوصوا بهم خيرا على ما سنفصله في موضع آخر.

أما القاعدة الخامسة التي كانت صلتها بأخلاقيات الحرب فهي تتصل بالغنائم وطريقة توزيعها على المسلمين. فقبل الإسلام هناك كانت هناك فوضى في شن الحروب وفي توزيع أسلابها على المقاتلين, أما بعد الإسلام فقد أصبحت هناك قواعد للقسمة تقضي بتجنيب الخمس للرسول ﷺ وتوزيع الأخماس الأخرى على المقاتلين للفارس سهمان وللراجل سهم واحد.

وتدلنا أحداث السيرة على المسلمين في بداية عهدهم بالإسلام وبالغنائم كانوا يتزاحمون على أخذها, بل وعلى الخمس المخصص للرسول ﷺ كما حدث في غزوة بدر وأحد, بل أكثر من ذلك في غزوة حنين حيث ألجأوا الرسول ﷺ إلى شجرة وهو يخبرهم بأنه ما أخذ إلا الخمس وسيعود به عليهم, إذ هو يعطي للفقراء والمساكين وفقا لقواعد الاستحقاق من بيت المال.

تصوير أخلاقيات الحرب في غزوة أحد

إن غزوة أحد من الغزوات المثيرة للجدل بالفعل, لقد نصر الله عز وجل المسلمين نصرا قويا قبل سنة في غزوة بدر وعاد المشركون إلى المدينة ليعتدوا مرة ثانية على المسلمين وينتقموا لهزيمتهم البشعة في غزوة بدر, ولعل ذلك ما أكده أبو سفيان في آخر الحرب إذ قال "يوم بيوم بدر والحرب سجال". فهنا يظهر أبو سفيان استمرار الحرب بين معسكر الشرك الذي يقوده ومعسكر التوحيد الذي يقوده الرسول ﷺ ولم يرد الرسول ﷺ على هذا القول كما لم تبدو منه أية استفزازات لقريش طوال هذه المدة.

فهذه الغزوة تتحمل أسئلة كثيرة و من أهمها أن المسلمين كانوا يحاربون لإقامة دين الله في الأرض تحت قيادة رسوله وأن الله مع المسلمين وهو الذي يحقق لهم النصر على عدوهم دائما فلماذا الخذلان للمسلمين في هذه الغزوة؟ إن القرآن الكريم أعرب عن أسباب النصر والهزيمة في هذه الغزوة وهي يعطي دروسا للمسلمين في أخلاقيات الحرب وأسباب النصر والهزيمة. لقد كان هناك تحقيق لوعد الله تعالى لرسوله ﷺ بالنصر على أعداء الله في بداية الحرب وأعرب القرآن الكريم " ولقد صدقكم الله وعده إذ تحسونهم بإذنه حتى إذا فشلتم وتنازعتم في الأمر وعصيتم من بعد ما أراكم ما تحبون منكم من يريد الدنيا ومنكم من يريد الآخرة ثم صرفكم عنهم ليبتليكم ولقد عفا الله عنكم والله ذو فضل على المؤمنين "(آل عمران: ۱۵۲).

أولا: فمن الفطرة أن الدنيا تسير على الأسباب ولا يوجد استثناء من ذلك, وهذه قاعدة محققة, لقد كان الموقف في غزوة بدر مختلفا حيث كان المسلمون رغم عددهم قلة أنهم تألفوا واتحدوا والتفوا حول الرسول ﷺ وبذلوا غاية جهودهم لينتصروا جهادا في سبيل الله. ولكن هذه المرة اختلفوا والقرآن الكريم وصف ما حدث منهم بأنه فشل وتنازع وعصيان للرسول ﷺ بل أن بعضهم كان قلبه معلق بالدنيا ويريد غنائم الحرب "منكم من يريد الدنيا" (آل عمران: ۱۵۲) ويصف القرآن الكريم عصيان الرسول ﷺ في نفس السورة "إذ تصعدون ولا تلوون على أحد والرسول يدعوكم في أخراكم فأثابكم غما بغم لكيلا تحزنوا على ما فاتكم ولا ما أصابكم والله خبير بما تعملون" (آل عمران: ۱۵۳). قد تسببوا بالانصراف إلى الغنائم وعصيان أوامر الرسول ﷺ في الهزيمة وفي إصابة الرسول ﷺ وفي غمه وحزنه فأصابهم الله تعالى بالهزيمة.

ثانيا: هناك مسئلة أخرى مهمة وهي تعليم المسلمين أن النصر والهزيمة هما من خصائص وميزات هذه الدنيا فلا يوجد نصر دائم ولا هزيمة دائمة. ورغم أنه درس ورد في غزوة أحد فإنه واضح لنا الآن, ومن ثم ينبغي أن لا نقنط من رحمة الله إذا هزمنا في إحدى الغزوات خاصة إذا كان الإنسان هو المتسبب في تلك الهزيمة, ونجد أكثر من آية في هذا المعنى كما يقول تعالى " قد خلت من قبلكم سنن فسيروا في الأرض فانظروا كيف كان عاقبة المكذبين" (آل عمران:۱۳۷) وكذا قال تعالى "إن يمسسكم قرح فقد مس القوم قرح مثله وتلك الأيام نداولها بين الناس وليعلم الله الذين آمنوا ويتخذ منكم شهداء والله لا يحب الظالمين" آل عمران: ۱۴۰).

ثالثا: تمحيص المسلمين وإيضاح قدراتهم وإن ذلك لا يكون إلا باجتياز الهزيمة

والصبر عليها والاستفادة منها كما قال تعالى "وليمحص الله الذين آمنوا ويمحق الكافرين" (آل عمران: ١٤١).

والقرآن الكريم ينبه المسلمين هنا إلى أن الأيام دول ولا يجب أن نيأس من الهزيمة وينبغي للمسلمين أن يعرفوا الأسباب ونتائجها. ومن المهم أن الملقاة على المسلمين كبيرة وصعبة ولا بد أن يتهيأوا لها ولن تكون هذه التهيئة إلا بالمرور بالنصر والهزيمة أيضا, وعادة ما يأتي النجاح من الفشل والقوة من استيعاب أسباب الضعف والتغلب عليها.

وفي غزوة أحد كان كفار قريش يريدون الانتقام من هزيمتهم المنكرة في غزوة بدر, ومن ثم كانت حربا مشوبة بدوافع الانتقام والأخذ بالثأر من المسلمين, ومرة ثانية كانت الحرب من قبل المسلمين حربا دفاعية, ولا أدل على ذلك من أن الكفار جاءوا إلى أبواب المدينة دولة الرسول ﷺ والمسلمين.

وهنا تتبلور القاعدة الأساسية لأسباب الحرب في الإسلام وهي: الدفاع عن النفس والدفاع عن الدعوة. وتسجل الآيات الأخيرة من سورة آل عمران أخلاقيات الحرب ودروس النصر والهزيمة ليأخذ المسلمون عبرا من الحياة وليأخذوا بالأسباب, فأسباب النصر في الحروب معروفة والله قادر على النصر عباده دائما ولكن طالما أن الإنسان يعيش على الأرض فإنه يخضع لقانون الأسباب وإذا خالف أسباب النصر هزم.

ومن هنا تثبت آيات القرآن الكريم أن النصر في الجولة الأولى كان للمسلمين ولكن عندما تنازعوا وعصوا أوامر الرسول ﷺ وغرتهم الحياة الدنيا كانت الهزيمة غلبت عليهم كما يقول تعالى "ولقد نصركم الله وعده إذ تحسونهم بإذنه حتى إذا فشلتم وتنازعتم في الأمر وعصيتم من بعد ما أراكم ما تحبون منكم من يريد الدنيا ومنكم من يريد الآخرة ثم صرفكم عنهم ليبتليكم ولقد عفا عنكم والله ذو فضل على المؤمنين" (آل عمران: ١٥٢).

الإصرار على تحقيق السلام في عهد الحديبية

لقد جعل الله مكة بلدا آمنا وحرم فيها القتال وجعل أول بيت لعبادته فيها كما قال تعالى "إن أول بيت وضع للناس للذي ببكة مباركا وهدى للعالمين" (آل عمران: ٩٦). ومع ذلك ورغم أن البيت مفتوح لكل الناس يأتون إليه في كل وقت, فإنه بالنسبة للمسلمين عكس ذلك فقد صدتهم قريش عن الدخول فيه دون سائر الناس, وفي ذلك نزل قوله تعالى " يسألونك عن الشهر الحرام قتال فيه قل قتال فيه كبير وصد عن سبيل الله وكفر به والمسجد

الحرام وإخراج أهله منه أكبر عند الله والفتنة أكبر من القتل ولا يزالون يقاتلونكم حتى يردوكم عن دينكم إن استطاعوا ومن يرتدد منكم عن دينه فيمت وهو كافر فأولئك حبطت أعمالهم في الدنيا والآخرة وأولئك أصحاب النار هم فيها خالدون" (البقرة:۲۱۷) وكذا يقول تعالى "وما لهم ألا يعذبهم الله وهم يصدون عن المسجد الحرام وما كانوا أولياؤه إن أولياؤه إلا المتقون ولكن أكثرهم لا يعلمون, وما كانت صلاتهم عند البيت إلا مكاء وتصدية فذوقوا العذاب بما كنتم تكفرون, إن الذين كفروا ينفقون أموالهم ليصدوا عن سبيل الله فسينفقونها ثم تكون عليهم حسرة ثم يغلبون والذين كفروا إلى جهنم يحشرون" (الأنفال:۳۴-۳۶).

فالمسلمون لا يبدأون أحدا بقتال لكن إذا كانت قريش قد صدتهم عن المسجد الحرام ولو أدى الأمر إلى قتال من يمنعهم ويصدهم عنه ولو كان ذلك في الأشهر الحرام.

ومع ذلك ففي الحديبية لم يكن الرسول ﷺ ولا المسلمون يرغبون في القتال, وإنما كانوا يريدون العمرة فحسب, وكسر الحصار المضروب عليهم للدخول في بيت الله الحرام. كان المسلمون محرمين وكانوا يسوقون الهدي, ومع ذلك عندما علمت قريش بقدومهم استعدوا لمنعهم بالقوة ووضعوا أمامهم الفرسان ورأى الرسول ﷺ أن عليه اقتحام هذه الجنود المتراصة لدخوله مكة المكرمة ولكن لرغبة الرسول ﷺ في السلام, رأى أن يتخذ طريقا آخر لا يواجه جيش قريش, ودله بعض أصحابه على طريق وعر وصعب هو طريق الحديبية. ومع ذلك بدأت الرسل بينه وبين قريش. وهنا ينقل عنه ﷺ قوله "يا ويح قريش!! لقد أهلكتهم الحرب".[۲] وبالفعل أرسلت قريش سهيل بن عمرو الرسول ﷺ بهذه الخطة وقبلها الرسول ﷺ بكل ما فيها من شروط مجحفة, أقلها عودة المسلمين من عامهم هذا إلى المدينة دون أداء العمرة وعودتهم في العام المقبل ليس معهم إلا السيوف في جرابها وأكثرها أن من جاء محمدا بغير إذن وليه رده إلى قريش وعدم رد قريش من يأتيها بدون إذن محمد ﷺ ...!!! ومع طعاظم غضب المسلمين من هذه الشروط المجحفة بل رفض بعضهم اتباع أوامر الرسول ﷺ دخل إلى خيمة زوجته أم سلمة غاضبا حزينا يقول لها "هلك الناس هلك الناس يعصون أمر نبيهم فنزلت سورة الفتح التي اعتبرت أن السلام الذي تحقق في الحديبية نصر كبير وأعربه الله تعالى بفتح مبين يقول تعالى "إنا فتحنا لك فتحا مبينا ليغفر لك الله ما تقدم من ذنبك وما تأخر ويتم نعمته عليك ويهديك صراطا مستقيما" (الفتح: ۱-۲) ويعطينا عهد الحديبية مجموعة من أخلاقيات الحرب المهمة, نذكرها فيما يلي:

۱) عدم الدخول في الحرب مع العدو كلما كان ذلك ممكنا, وبذل كل جهد لتفادي الدخول في الحرب, يقول الرسول ﷺ "أيها الناس لا تتمنوا لقاء العدو وسلوا الله العافية فإذا لقيتموهم فاصبروا واعلموا أن الجنة تحت ظلال السيف". (۷)

۲) الانصياع لأي خطط تؤدي إلى تحقيق السلام وعدم الدخول في الحرب حتى لو تمت تنازلات يمكن احتمالها.

۳) اتباع كافة الطرق التي تؤدي إلى تجنب سفك الدماء, ولو نتج عن ذلك متاعب للجيش الإسلامي.

۴) إن مزايا السلام تفوق دائما مزايا الحرب في كل زمان وفي كل عصر.

۵) إن مسالمة العدو والتعاقد معه لتجنب الحرب وتجنب إراقة الدماء من الأمور المشروعة بل المستحبة في الإسلام.

۶) إنه يمتنع قتل رسل السلام التي يرسلها أحد الطرفين للآخر للتفاوض للصلح أو لا, أو لأي هدف سلمي آخر, وإن جزاء قتل الرسل يمكن أن تكون الحرب لازمة, والدليل على ذلم أن الرسول ﷺ قد أخذ بيعة الرضوان من المسلمين الذين كانوا معه, عندما أشيع أن رسوله (عثمان بن عفان) إلى قريش قد قتل.

تصوير أخلاقيات الحرب في فتح مكة

أول ما يلفت النظر في دروس الأخلاقيات في فتح مكة هو تمسك الرسول ﷺ بالوفاء بالعهد بإنفاذ ما تم الاتفاق عليه في صلحه مع قريش في الحديبية. فقد كان أهم بنود هذا الصلح هو البند الذي يقول "إن من أحب أن يدخل في عقد محمد ﷺ وعهده دخل فيه, ومن أحب أن يدخل في عقد قريش وعهدهم دخل فيه"(۸) وبناء على ذلك دخلت خزاعة في هذا العهد منضمة إلى الرسول ﷺ ودخلت بنو بكر في عهد قريش, وكان بين خزاعة وبني بكر غارات قديمة سكنت بعد صلح الحديبية وانحياز كل من القبيلتين إلى فريق من المتصالحين, فلما كانت مؤتة وخيل إلى قريش أن المسلمين قضي عليهم, خيل إلى بني الديل من بني بكر بن عبد مناف أن الفرصة سنحت لهم ليصيبوا من خزاعة بثاراتهم القديمة.

وحرضهم على ذلك جماعة من قريش منهم عكرمة بن أبي جهل وبعض سادات قريش, وأمدوهم بالسلاح, وبينما خزاعة ذات ليلة على ماء لها يدعى "الوتير" إذ فاجأتهم بنو بكر فقتلوا أناسا منهم, ففزعت خزاعة إلى مكة ولجأوا إلى دار بديل بن ورقاء, وشكوا

إليه نقض قريش و نقض بني بكر عهدهم مع الرسول ﷺ و سارع عمرو بن سالم الخزاعي, فغدا متوجها إلى المدينة حتى وقف بين يدي الرسول ﷺ وهو جالس في المسجد بين الناس, و جعل يقص ما حدث و يستنصره, فقال الرسول ﷺ "نصرت يا عمرو بن سالم" ثم خرج بديل بن ورقاء في نفر من خزاعة حتى قدموا المدينة, فأخبروا الرسول ﷺ بما أصابهم و بمظاهرة قريش بني بكر عليهم, عند ذلك رأى الرسول ﷺ أن ما قامت به قريش من نقض عهد لا مقابل له إلا فتح مكة, و أنه لذلك يجب أن يرسل إلى المسلمين في أنحاء شبه الجزيرة ليكونوا على أهبة الاستعداد لإجابة ندائه من غير أن يعرفوا وجهته بعد هذا النداء.

أما حكماء قريش و أصحاب الرأي فيها فما لبثوا أن قدروا ما عرضه لهم عكرمة و من معه من الشبان من خطر, فهذا عهد الحديبية قد نقض, و هذا سلطان محمد ﷺ في شبه الجزيرة يزداد بأسا وقوة, ولئن فكر بعد الذي حدث في أن ينتقم لخزاعة من أهل مكة لتتعرض المدينة المقدسة لأشد الخطر, فماذا تراهم يصنعون, أوفدوا أبا سفيان إلى المدينة ليثبت العقد و ليزيد في المدة, و لعل المدة كانت سنتين فكانت يريدونه عشر.[9] و خرج أبو سفيان –قائدهم و حكيمهم- يريد المدينة فلما بلغ من طريقه عسفان لقيه بديل بن ورقاء و أصحابه, فخاف أن يكون قد جاء محمدا و أخبره بما حدث, فيزيد ذلك في مهمته تعقيدا و قد نفي بديل مقابلته محمدا و لكنه عرف من بعر راحلة بديل أنه كان بالمدينة لذلك آثر ألا يكون محمد أول من لقي فجعل وجهته بيت ابنته أم حبيبة زوجة الرسول ﷺ.[10]

و لعلها كانت قد عرفت عواطف النبي ﷺ إزاء قريش, و إن لم تكن تعلم ما في اعتزامه في أمر مكة و لعل ذلك كان شأن المسلمين بالمدينة جميعا, فقد أراد أبو سفيان أن يجلس على فراش النبي ﷺ فطوته أم حبيبة فلما سألها أبوها: أطوته رغبة بأبيها عن الفراش أم رغبة بالفراش عن أبيها؟ كان جوابها: هو فراش الرسول ﷺ وأنت رجل مشرك نجس فلم أحب أن تجلس عليه, قال أبو سفيان: والله يا ابنتي بعدي شر! و خرج مغضبا, ثم كلم محمدا في العهد و إطالة مدته فلم يرد عليه بشيء, فكلم أبا بكر ليكلم له الرسول ﷺ فأبى, فكلم عمر بن الخطاب فأغلظ له الرد و قال "أنا أشفع لكم إلى رسول الله ﷺ ؟ فوالله لو لم أجد إلا الذر فجاهدتكم به". و دخل أبو سفيان على علي بن أبي طالب و عنده فاطمة فعرض عليه ما جاء فيه و استشفعه الرسول ﷺ فأنبأه علي في رفق أنه لا يستطيع أحد أن يرد محمدا عن أمر إذا هو اعتزمه. و استشفع رسول قريش فاطمة أن يجير ابنها الحسن بين الناس فقالت: ما يجير أحد على رسول الله. و اشتدت الأمور على أبي سفيان فاستنصح عليا فقال له : "والله ما أعلم شيئا يغني عنك شيئا, لكنك سيد بني كنانة, فقم فاجر بين الناس ثم الحق

بأرضك, وما أظن ذلك مغنيا ولكني لا أجد لك غيره", فذهب أبو سفيان إلى المسجد وهناك أعلن أنه أجار بين الناس ثم ركب راحلته وانطلق ذاهبا إلى مكة وقلبه يفيض أسى مما لقي من هوان على يد ابنته وعلى يد أولئك الذين كانوا -قبل هجرتهم من مكة- يرتجون منه نظرة عطف أو رضا.

وتزهم دراسة حديثة أن النبي ﷺ قد نقض عهد الحديبية كعهده في عدم احترام العهود, وأن المسلمين اليوم مثله لا يعرفون عهدا ولا ميثاقا, وأتيقن أن العكس هو الصحيح دائما. فمدة صلح الحديبية سنتان على القول الراجح ولم يرد النبي ﷺ أن يداهم مكة إلا بعد مضي هذه المدة, فلم ينقض أي عهد إذن كما يزعمون. وحتى على فرض أن العهد مته عشر سنين -على زعم آخر- فإن ما فعلته قريش هذا يعد نقضا للعهد, فعهد الحديبية يعتبر عهد عدم اعتداء في المدة المحددة فيه, فإذا ما قامت قريش بمناصرة عدوان على من دخل في عهد محمد ﷺ طبقا لاتفاق الحديبية لصالح حليف لها دخل في العهد معها, فإنها تكون قد فسخت العهد وعادت حالة الحرب المعلنة بين الطرفين إلى سابق عهدها قبل الصلح, فما جدوى الاحتفاظ بعهد لم يحترمه أحد أطرافه؟

لقد ثبت أن قريش قد أمدت بني بكر بالسلاح في حربها ضد خزاعة, وأنه قد قتل عدد كبير من أنصار النبي ﷺ على يدها – بصرف النظر عن عقيدتهم بالطبع- فإن النبي ﷺ من حقه أن ينقض المعاهدة لنقضها من الطرف الثاني أولا, وهي قاعدة مقررة في القانون الدولي والقانون المحلي على السواء, فإن أهم سبب لانقضاء المعاهدة في القانون الدولي عدم وفاء المتعاقد الآخر بالالتزاماته, فمن حق الطرف الآخر أن يدفع بعدم تنفيذ المعاهدة ردا على ذلك وهو ما أيدته نظرية فيينا لقانون المعاهدات المبرمة عام 1969م. (١١)

وهنا فإن ما حدث من قريش ليس مجرد امتناع سلبي عن الوفاء بالمعاهدة بل فعل إيجابي يتمثل في نقض صريح للمعاهدة.

ولأهمية الوفاء بالعهد لم يقبل النبي ﷺ أية محاولات للصلح ولتمديد المعاهدة, حيث سافر أبو سفيان نفسه إلى المدينة لمد أجل المعاهدة, ولكن النبي ﷺ قد رفض, وهنا نجد أن إحدى القواعد الأخلاقية للحرب قد أرسيت, وهي: عدم قبول نقض معاهدة عمدا لاعتداء, والإصرار على الرد على النقض والعدوان بمثله.

ومن المسائل المحيرة أن يرسل أحد الصحابة خطابا إلى قريش يخبرها بخبر استعداد محمد ﷺ للحرب ومداهمته لقريش هو الصحابي الجليل حاطب بن أبي بلتعة, ويعد هذا العمل تجسسا بلغة الحرب قديما وحديثا ويعاقب من يفعل ذلك بعقوبات قاسية.

ومعروف لدى الجميع أن التجسس هو إحدى جرائم الحرب وهي بمثابة الخيانة العظمى في القانون الدولي أيضا. ومع ذلك ورغم ثبوت الفعل إذ أخبر النبي ﷺ به وأرسل عليا بن أبي طالب والزبير بن العوام إلى المرأة التي حملها حاطب الرسالة, واعترف حاطب إذ قال " والله يا رسول الله إني لمؤمن بالله ورسوله ما غيرت ولا بدلت ولكني امرأ ليس لي في القوم من أهل ولا عسيرة, وكان لي بين أظهرهم ولد وأهل, فصانعتهم عليهم".

اعتراف كامل جعل عمر بن الخطاب يطلب من النبي ﷺ الإذن له أن يضؤب عنقه ووصف فعلته بالنفاق. ولكن النبي ﷺ رفض وقال لعمر " لعل الله اطلع على أهل بدر فقال اعملوا ما شئتم فقد غفرت لكم" وكان حاطب ممن شهد بدرا, وقد اعتبر محمد حسين هيكل ما فعله حاطب نوعا من الضعف الإنساني, وعموما فإن ذلك يعطينا إحدى أخلاقيات الحرب في الإسلام, وهي: أنه أثناء الحرب أو التجهيز لها لا يجوز معاقبة أحد المسلمين على خطأ يقع فيه, فالرسول ﷺ سامح حاطبا على فعل شائن بلا شك كان يمكنه أن يؤثر على مسيرة الحرب بين المسلمين وقريش لو تمت". (١٢) يجب أن يأخذ الجيش المحارب بكل أسباب القوة بما في ذلك الإفطار في شهر رمضان فقد قام الرسول ﷺ بالرحيل إلى مكة عند نقطة تسمى وادي الكدية فيه ماء فأفطر وأفطر الناس معه.

البحث عن نطاق النصر بإظهار قوة حقيقية أو مختلفة لإرهاب العدو

ورغم أن قوام الجيش الإسلامي الفاتح عشرة آلاف مقاتل هي إحدى النبوءات التي وردت في التورات عن محمد ﷺ حيث جاء بها, خرج إلى الأمام ومعه عشرة آلاف من الأبرار إلا أن محمدا ﷺ أمر أصحابه أن يوقد كل منهم نارا, مما جعل الخوف يغشي قريش, وقد ورد أن أبا سفيان لما رأى هذه النيران الكثيفة قال: " ما رأيت كالليلة نيرانا قط وعسكرا".

ويدخل في هذا القبيل أيضا أن الرسول ﷺ عندما غادر من الظهران إلى مكة طلب من العباس أن يحبس أبا سفيان بمضيق الوادي عند خضم الجبل حتى يمر به جنود الله فيراها ففعل, فمرت القبائل على راياتها, كلما مرت به قبيلة قال: يا عباس من هؤلاء؟ فيقول سليم-مثلا- فيقول: ما لي ولسليم؟ ثم تمر به القبيلة, فيقول: يا عباس من هؤلاء؟ فيقول: مزينة, فيقول: ما لي ولمزينة؟ حتى نفذت القبائل, ما تمر به قبيلة إلا سأل العباس عنها, فإذا أخبره قال مالي ولبني فلان؟ حتى مر به الرسول ﷺ في المهاجرين والأنصار. قال: ما لأحد بهؤلاء قبل ولا طاقة. ثم قال: والله يا أبا الفضل لقد أصبح ملك ابن أخيك الغداة عظيما. قال العباس: يا أبا سفيان إنها النبوة, قال: فنعم إذن. (١٣)

ومما يدل على كراهية الحرب في هذا اليوم وعدم رغبة الرسول ﷺ في استحابة مكة أرض الله الحرام, أن الرسول ﷺ سمع سعد بن عبادة –كان يحمل راية الأنصار- يقول: "اليوم يوم الملحمة اليوم تستحل الحرمة" فرد الرسول ﷺ بالقول: اليوم يوم المرحمة" ونزع الراية من يد سعد وأعطاها لابنه قيس. فلم يقبل الرسول ﷺ في هذا اليوم العظيم أن يستحل حرمة مكة بل خطب في الناس بعد دخول الكعبة وقال الرسول ﷺ "أيها الناس إن الله حرم مكة يوم خلق السماوات والأرض, فهي حرام بحرمة الله إلى يوم القيامة, فلا يحل لامرئ يومن بالله واليوم الآخر أن يسفك دما أو يعضد بها شجرة, فإن أحد ترخص لقتال الرسول ﷺ فقولوا إن الله أذن لرسوله ولم يأذن لكم, وإنما حلت لي ساعة من نهار, وقد عادت حرمتها اليوم كحرمتها بالأمس, فليبلغ الشاهد الغائب.

وفي رواية لا يعضد شوكة ولا ينفر صيده ولا تلتقط ساقطته ولا من عرفها ولا يختلى خلاه, فقال العباس: يارسول الله إلا الأذخر, فإنه لقينهم وبيوتهم, فقال: إلا الأذخر.

وكانت خزاعة قد قتلت يومئذ رجلا من بني ليث بقتيل لهم في الجاهلية, فقال الرسول ﷺ بهذا الصدد: يا معشر خزاعة ارفعوا أيديكم عن القتل فلقد كثر القتل إن نفع, لقد قتلتم قتيلا لأدينه. فمن قتل بعد مقامي هذا فأهله بخير النظرين, إن شاءوا فدم قاتله وإن شاءوا فعقله. وفي رواية فقام رجل من أهل اليمن يقال له أبو شاة فقال: اكتب لي يا رسول الله ﷺ, فقال رسول الله "اكتبوا لأبي شاة".

تصوير أخلاقيات الحرب في غزوة حنين

تعتبر غزوة حنين من أهم الغزوات التي حدثت في التاريخ الإسلامي وذلك لعدة أسباب, منها: أنها وقعت بعد فتح مكة في العام الثامن الهجري, ومن ثم كان من الطبيعي أن يشارك فيها من شارك في فتح مكة من المهاجرين والأنصار, ثم من انضم إليهم من أهل مكة, ثم طائفة من الذين أسلموا حديثا بعد فتح مكة, ومنهم حديثو عهد بالإسلام بل ومنهم من لم يؤمن بعد, أي أن المؤلفة قلوبهم شاركوا أيضا في الغزوة. كان العدد الكبير في هذا الجيش بل لعله كان أكبر الجيوش التي قاتلت تحت إمرة الرسول ﷺ نفسه, ولذا قال نفر من الصحابة لن نهزم اليوم من قلة, ستكون الهزيمة إن وقعت لسبب آخر. ولقد كان البعض في حالة زهو ويمتلئ ثقة بالنصر.

وقد كانت الحرب بين المسلمين وثقيف وهوازن أهل الطائف الذين سبق لهم أن أهانوا الرسول ﷺ ورفضوا دعوته وأوقعوا به الأذى وسلطوا عليه أطفالهم وسفهاءهم يلقونه بالحجارة, وتعرض الرسول ﷺ لموقف إنساني بالغ الحساسية. ويصور القرآن

الكريم حال المسلمين في هذه الغزوة في قوله تعالى "قد نصركم الله في مواطن كثيرة ويوم حنين إذ أعجبتكم كثرتكم فلن تغن عنكم شيئا وضاقت عليهم الأرض بما رحبت ثم وليتم مدبرين" (التوبة:25).

إن هذه الغزوة قد شهدت تقسيما مختلفا من الغنائم, فقد أخذ أغلبها قادة قريش الذين كانوا دائما ضد الإسلام والمسلمين, وعلى رأسهم أبو سفيان وصفوان بن أمية ولكنهم تطلعوا إلى الغنائم بشراهة بالغة, والأمر الذي كان من أهم أسباب الهزيمة التي كادت أن تجيط بالمسلمين في بداية الغزوة, والغريب أنهم أثناء التقسيم عاملوا الرسول ﷺ بشدة لم يعتد عليها من المسلمين الأولين .[۱۳] وقد حرم الرسول ﷺ الأنصار من الغنائم وكذا بعض كبار الصحابة ممن أبلوا في الإسلام بلاء حسنا, من هنا جاءت أهم دروس غزوة حنين. فلقد واجه سعد بن عبادة زعيم الأنصار الرسول ﷺ باحتجاج الأنصار بعد القسمة وراح الرسول ﷺ يهدئ من روعهم بعد المعركة لم يعاقبهم مع أنه كان بإمكانه أن يفعل ذلك, لأنه قائد عسكري في وسط ميدان الحرب وفريق من جيشه يعترض عليه, وإن كانت القاعدة دائما أن الرسول ﷺ يشاور أصحابه ويرضى الغاضب منهم خاصة إذا كان لهذا الغضب محله. لقد كانت غنائم غزوة حنين أكثر الغنائم التي نالها المسلمون في أي حرب, وقد طلب الرسول ﷺ من سعد أن يجمع له كتيبة الأنصار ودار بينه وبينهم هذا الحوار الرائع, والذي يدل على أن الأموال ليست هي كل شيئ لدى المؤمنين الأخيار. وإليكم نص الحوار الرائع بين الرسول ﷺ وبين الأنصار:

طبقا لقواعد الأنفال فقد أعطى الرسول ﷺ لسادات قريش من مال الغير, فأدى ذلك إلى تهامس الأنصار, وجعلوا يتحدثون إلى بعضهم البعض, وقال بعضهم "لقي والله رسول الله قومه".

ولقد كان بإمكان الرسول ﷺ أن يأخذ من مال ذلك بالشدة ولكنه استدعى الأنصار حتى يقضى على أي بادرة للفتنة أو للتأثير على البناء الضخم الذي أقامه, ومن ثم دار بينه وبينهم حوار يعد من أفضل وثائق الأدب السياسي والإنساني على مر العصور:

قال الرسول ﷺ "يا معشر الأنصار مقالة بلغتني عنكم وجدة وجدتموه في أنفسكم".

قال الأنصار: منا من يقول ذلك ونحن نؤيده.

قال الرسول ﷺ "ألم آتكم ضلالا فهداكم الله وعالة فأغناكم الله وأعداء فألف بين قلوبكم؟"

قال الأنصار: بلى والله ورسوله أمن وأفضل.

فقال الرسول ﷺ "ألا تجيبوني يامعشر الأنصار".

فقالوا: وبم نجيبك يارسول الله؟ لله المن والفضل.

قال الرسول ﷺ "والله إن شئتم لقلتم ولصدقتم أتيتنا مكذبا فصدقناك ومخذولا فنصرناك وطريدا فآويناك وعائلا فآسيناك. أوجدتم يا معشر الأنصار في العلالة من الدنيا تألفت بها قوما ليسلموا, ووكلتكم إلى إسلامكم؟ ألا ترضون يا معشر الأنصار أن يذهب الناس بالشاة والبعير وترجعوا برسول الله إلى رحابكم, فوالذي نفس محمد بيده, لولا الهجرة لكنت امرأ من الأنصار, لو سلك الناس شعبا وسلكت الأنصار شعبا لسلكت شعب الأنصار".

ولأن الغنائم ليست أهم شيئ عند الرسول ﷺ فقد حدث أن جاء وفد هوازن بعد أن انتهت الحرب يعلنون إسلامهم ويطلبون رد الغنائم فأعطاهم الرسول ﷺ ما معه وقال لهم إن معي من ترون وإن أحب الحديث إلى أصدقائه فأبناءكم ونساءكم أحب إليكم أم أموالكم؟" فقالوا ما كنا نعدل بالأحساب شيئا.

فقام الرسول ﷺ في المسلمين فأثنى على الله بما هو أهله ثم قال "أما بعد فإن إخوانكم هؤلاء قد جاءوا تائبين وإني قد رأيت أن أرد إليهم سبيهم فمن أحب أن يطيب ذلك فليفعل, ومن أحب أن يكون على حظه حتى نعطيه إياه من أول مال يفيء الله علينا فليفعل" فقال الناس: طيبنا ذلك يارسول الله, فقال لهم الرسول ﷺ "إنا لا ندري من أذن منكم ممن لم يأذن فارجعوا حتى يرفع إلينا عرفاءكم أمركم".

الحقائق التي تبرز من أخلاقيات الحرب في هذه الغزوة

١) أن الأخذ بالأسباب في الحروب مسئلة مهمة فالإعجاب بالكثرة في الأنفس والعتاد يولد الإحساس بالتعالي, ويهمل أسباب النصر, فلذا أعطى الله المسلمين درسا مهما في الأخذ بأسباب القوة والاعتماد على الله في نفس الوقت.

٢) أن الغنائم في الحرب ليست كل شيئ وأن كسب الغنائم لا ينبغي أن يكون على حساب المبادئ والقيم الإسلامية فتفادي الحرب وآثارها الضارة ومنها: الأسر والفداء مسئلة أهم. وقد ضرب الرسول ﷺ مثلا رائعا في العفو عند المقدرة وإطلاق سراح الأسرى والمن عليهم بالخلاص. وتبدو عظمة الرسول ﷺ هنا في مسئلة أخرى, هي أنه جعل الناس تتبعه في الفداء طواعية حتى لا يوغر صدورهم بإطلاق سراح من أخذه القوم من الأسرى مما جعلهم جميعا يتبعونه.

٣) أن من أخلاقيات الحرب كذلك: مراعاة البذل الذي قدمه الجنود والقادة وأخذ رأيهم في التجاوز عن بعض آثار الحرب المعروفة مثل: تسريح الأسرى والمن عليهم بالفداء. وقد بين الرسول ﷺ أن تحرير الأشخاص أهم بكثير من تحرير الأموال.

٤) السعي إلى استرضاء المؤمنين والمسلمين من أخلاقيات الحرب في الإسلام, فلا ينبغي الشديد على هؤلاء السابقين إلى الإسلام والذين آووا ونصروا ولو كان لهم موقف من القائد أثناء الحرب, كما فعل الرسول ﷺ مع الأنصار, فالمهم استمالة جانب من يغضب واسترضاءه, كل بحسب درجة إيمانه.

وهذه من أهم أخلاقيات الحرب في الإسلام التي تجلت في الغزوات النبوية واحترام المقدسات وتقديس الحرمات وعدم الاعتداء على حرمة الأماكن المقدسة وقبلها عدم الاعتداء على الأنفس ولو كان ذلك أخذا بثأر قديم أو حديث. وأظن شخصيا أن القانون الدولي الإنساني قد تبنى هذه القاعدة حديثا, فحرم العدوان على المقدسات وخاصة دور العبادة وحرم إلى جوارها الأماكن الثقافية مثل : المتاحف وأماكن الآثار كذلك حرم العدوان على المستشفيات والطائرات المخصصة للأغراض الطبية. وأن الله عز وجل أدب نبيه محمدا ﷺ وأحسن تأديبه فقد بدأ هو بتحريم العدوان على هذه المقدسات. ومع ذلك أن القوة المعادية للإسلام والمسلمين تسمر محاولاتهم في تشويه سمعة الإسلام والمسلمين ويتحدثون بأن نبينا محمد ﷺ رسول محارب يحب القتل والفساد في الأرض وانتصر على أعدائه بالسيف فهذه الكلمات تتحمل علامة استفهام وكبرت كلمات تخرج من أفواههم إن يقولون إلا كذبا.

الهوامش والمصادر

١ـ د. جعفر عبد السلام, "مبادئ القانون الدولي العام" الطبعة السادسة ٢٠٠٣م, دار النهضة العربية بمصر, ص ٦٧.

٢ـ محمد سعيد رمضان البوطي, " فقه السيرة النبوية" دار السلام للطباعة والنشر والتوزيع والترجمة, القاهرة, ص ١٥٦ ـ١٥٧.

٣ـ روى ابن هشام في سيرته حديث الحباب بن المنذر هذا عن ابن اسحاق عن رجاله من بني سلمة فهي فيما رواه ابن هشام رواية عن قوم مجهولين. وذكر الحافظ بن حجر هذا الحديث في "الإصابة" فرواه عن ابن اسحاق عن يزيد بن رومان عن عروة بن الزبير وغير واحد في قصة بدر. وهذا سند صحيح والحافز بن حجر ثقة فيما ينقل ويروي. راجع الإصابة

٢٠٢/١

٤۔ ابن هشام, السيرة النبوية: ٥٠٢/١, وزاد المعاد: ٨٧/٢, وحديث استغاثة الرسول صلى الله عليه وسلم بربه في غزوة بدر متفق عليه.

٥۔ رواه الإمام البخاري في صحيحه في كتاب المغازي

٦۔ يراجع النص الكامل في كتاب "حياة محمد" لمحمد حسين هيكل, ص ٣٥٦.

٧۔ الحديث سبق تخريجه.

٨۔ يراجع: سيرة ابن هشام, ٣٠٩/٣, "حياة محمد" لمحمد حسين هيكل, ص٣٥٧ وما بعدها.

٩۔ راجع هذا القول محمد حسين هيكل في كتابه" حياة محمد" المرجع السابق, ص ١٣٨ وما بعدها.

١٠۔ يراجع: سيرة ابن هشام, ٣١٢/٢.

١١۔ د. جعفر عبد السلام, "مبادئ القانون الدولي" مرجع سابق, ص٣٨٨, وراجع دراسة للشيخ محمد العدوي في الرد على هذا المدعى, منشورة في مجلة "الجامعة الإسلامية" التي تصدرها رابطة الجامعات الإسلامية, العدد٣٧, ص ١٤٣.

١٢۔ أوردت هذه الحادثة كافة كتب السيرة قديما وحديثا مثل سيرة ابن هشام وطبقات ابن سعد وحللتها الكتابات الحديثة مثل فقه السيرة لمحمد الغزالي ولمحمد سعيد رمضان البوطي ولمحمد حسين هيكل.

١٣۔ ذكرت هذه الرواية كافة كتب السيرة قديما وحديثا مثل سيرة ابن هشام وطبقات ابن سعد وحللتها الكتابات الحديثة مثل فقه السيرة لمحمد الغزالي والنص لمحمد سعيد رمضان البوطي, ص-

١٤۔ راجع: سيرة ابن هشام٣٥/٣, طبقات ابن سعد٤٠٠/٤ , فقه السيرة لسعيد رمضان البوطي: ص ٢٨٤, فقه السيرة لمحمد الغزالي: ص ٢٩٨ حيث يقول "كانت هذه القسمة مبنية على أسباب حكيمة فإن في الدنيا أقواما كثيرون يقادون إلى الحق من بطونهم لا من عقولهم كما تهدي الدواب إلى طريقها بحزمة برسيم... كذلك فهذ الأصناف من البشر تحتاج إلى فنون من الإغراء حتى تستأنس بالإيمان".

References

1. *Oxford Dictionary of English, 2nd Edition, London, England. 2003 (P-1893)*
2. *Surah-Al Anbia, XXI:107, Al Quran*
3. *Ahmed JameelKh, Muhammad in Non-Muslim Eyes, Lahore, 1978, Pakistan.*
4. *Al-Nadvi Hassan Abdul, Islam and the world, Lahore, Pakistan.*
5. *Waseem Muhammad, Dr. Hayat Umer, the status of Ibn-e-Syed-un-Naas in writing Seerat (P.B.U.H), Zia-e-Tahqeeq, Vol. 3, Issue 6, GC University, Faisalabad, Pakistan, 2013 (P-35)*
6. *Rafiq Muhammad Sh, Bukhari Syed Masood Haider, Ch Ahmed Nisar, History of Islam, Lahore, Pakistan, 1993.*
7. *Qureshi Muhammad Ishaq Dr., Nufhat-e-Seerat, Baghdad Printers, Faisalabad, Pakistan (P-118)*
8. *Anglis David & Hughson Jhon, Confronting Culture, UK, 2004 (P-04)*

The greatest gift of this life of truth of the Holy Prophet (P.B.U.H) is the promulgation of the CULTURE OF TRUTH. Culture; “Culture is the result of human activity rather than the product of nature.” (8). Culture as a whole encompasses thoughts, actions, tangible and non tangible items, verses, language, artifacts, tools, human behavior, attitude, knowledge and what not. It means, culture, is a very broad term and when, one culture is influenced by other culture, it is called Acculturation. Culture is total atmosphere of society. This atmosphere is a product of human activity on land, on wood, on institution, on family, on individual, on group. Thus, culture is a very vast term that is why, it is impossible to define it in one line. In modern age, we come across many words associated with culture, culture of poverty, culture of corruption, culture of nepotism but we won’t be able to listen or read culture of truth. It is the land mark of the life of the Holy Prophet (P.B.U.H) that a culture of truth prevailed with him. It is unbelievable that a society which was marked by brutality, idol worship, violation of human rights, a society without any clear goal was transformed by one single personality into a unit with culture of truth. That truth prevailed not only in the religious life but in their social life, in their economic life, in their political life and in their spiritual life. It was the result of the culture of truth that the rights of God the Almighty and the rights of people were defined.

The birth of the Holy Prophet (P.B.U.H) on earth reflects the love of God for mankind. The message of the God in the shape of The Holy Quran, the teachings of Holy Prophet (P.B.U.H) and His life are the sole foundations of a successful life in this world and for the next world. To write and read on the life of The Holy Prophet (P.B.U.H) is a blessing in itself.

Abi Talib, where the Holy Prophet (P.B.U.H) endured the social attack of society with His followers and taught them how to face hunger for truth, one can only think of it, it is beyond one's imagination. These years of endurance were only for the Holy Prophet (P.B.U.H) because no one else could endure such turmoil. Mairaj-un-Nabi was a gift by God to the Holy Prophet (P.B.U.H) where he saw the realities of both worlds. Truth sets foundation for a just society and a just society forms just laws for its people. The Government of Madina at the time of Holy Prophet (P.B.U.H) is still referred as the best Government which not only established a Muslim Territory but it gave the message of peace to everybody, the Charter of Humanity, with its basic theme, to live and to let live, for the Muslims and for the Non-Muslims. The incident of Muwakhat-e-Madina was based on true human feelings which united the Ansaar and Quraish.

The life of truth bears a strong magnetic effect that is why people love to write about the Holy Prophet (P.B.U.H), on His Seerat, on His tradition because truth enjoys a quality which catches every eye, which catches every soul, which catches every heart that is why the message of God in the shape of Quran and the sayings of the Holy Prophet (P.B.U.H) are preserved to date. Seerat-e-Rasool (life of Holy Prophet (P.B.U.H) remained very important topic in all the past ages and still its significance is very important for mankind. Even non Muslims love to write on the sacred life because everything there is based on truth. For a Muslim, for me, it is a very difficult task, it involves your heart, your soul, your knowledge, your religious obligation, your choice of words, the sources you rely upon, the areas you chose, thus the beauty of Seerat lies in the very fact that whenever you try to write on this sacred topic, you find something new and you are amazed with the fact that the practice of the Holy Prophet (P.B.U.H) is still a source of salvation for the present humanity. People have spent their whole life on this topic and still they leave this world with more urge to write. Writing on the Seerah is basically a service to humanity. It is a service to disclose, how an individual can follow the zenith of humanity.

The basic theme in the agreements of Meesaq-e-Madina and Sulah-Hudaibia was based on truth. “The teachings of the Holy Prophet (P.B.U.H) are based on human behavior in the backdrop of human wisdom and understanding” (7). The words were honored by Holy prophet (P.B.U.H) and his companion in true letter and spirit. The incident of Hazrat Abu Jandal while the agreement of Hudaibia was not signed but the Prophet honored the words, the new Muslim, Hazrat Abu Jandal, was handed back to the Quraish.

In society one needs a social status to survive. A status demands sometimes the majority of your clan, sometimes wealth, sometimes land, sometimes a unique skill and sometimes a rare feather of character. In the society of desert which was covered with ignorance, the status of SAADIQ and AMEEN for the Holy Prophet (P.B.U.H) displays how well the truth full personality of Holy Prophet (P.B.U.H) in the eyes of society. Business in the old ages meant a lot for people because dearth of the means of communication and means of transportation proved to be more insecure but owing to the truthful personality of the Holy Prophet (P.B.U.H), Hazrat Khadija and Hazrat Saib chose Him as their partner. The servant of Hazrat Khadija, Maisra quoted his acts of transparency before his land lady. The posting ceremony of Hajre-Aswad which erupted a situation, among the tribes of Makkah was saved with the presence of the Holy Prophet as everybody respected him.

The chapter of preaching of Islam at Makkah had its strong foundation on truth which was eminent in the life of Holy Prophet (P.B.U.H). His truthful personality as a messenger touched every living person at Makkah and they were forced to think about the message of God. Truth when finds tolerance as its companion it becomes not only sublime but it is a unique combination which can only be prayed. In the life of Holy Prophet (P.B.U.H) the journey of Taif is an example of Tolerance, even in those severe circumstances, He prayed for the people and for their mercy.

Endurance is a source of inspiration for truth and truth is a source of inspiration for endurance. The incidence of Shaib-e-

of everybody. Truth means the quality or state of being true (1). It means that truth is something which is permanent, which is not hidden, which is based on facts, which needs no support as being truth. So truth enjoys many dimensions. (i)it is reality, (ii) It is said without fear, (iii) And the one who speaks truth sticks to it or carries it for the rest of his life. The test of truth is the life history of that very person, who endured pressure of wealth, status and anything one can think of on one side and on the other side he also endured coercion in its hardest forms. Here one needs to understand, there is no example on earth of any human being who fulfilled these three dimensions except those who were sent by God as messengers and on the top of it the life of the Holy prophet (P.B.U.H). It is not easy to write on this sacred life because every incident of this sacred life holds significance regarding different patterns of life and soul. Every word the Holy prophet (P.B.U.H) uttered, every act He performed is like a guiding star in the history of mankind. One needs to understand that the Holy prophet (P.B.U.H) reflected the truth of God in every aspect of His life.

Quran says "we sent not thee but a mercy for all creatures."(2). The Quranic verses bears testimony to the fact that the mercy for all the creatures is in the shape of Holy prophet (P.B.U.H) which is enlightened throughout with truth. "His simplicity and merciful character attracted his severest enemies." (3). "His advent gave humanity a new life, a new light, a new faith."(4). "Each movement and each act of the Holy prophet (P.B.U.H) is a source of guidance and salvation for humanity."(5). All these references bring forth one pivotal point that is truth because mercy is a shape of truth, simplicity is a shape of truth, merciful character is a shape of truth.

One positive aspect of His (P.B.U.H) life of truth is that the followers of Holy prophet (P.B.U.H) never hesitated from the path of truth before powerful kings and emperors. The migration of Habsha and the speech of Hazrat Jaffar Tayyar bears testimony to the fact. "The martyrdom of Hazrat Samia by Abu Jahal with a spear" (6) is an example of the followers of Holy prophet (P.B.U.H) who lost their lives in the way of God.

Truthfulness of the Holy Prophet (PBUH)

Zeshan Ahmad Khan[☆]

Abstract

"History of Universe is replete with different events which have changed the flux of history in many dimensions. The whole course of history has yet to match the blessed life of the Holy prophet (P.B.U.H), a gift from God which changed the world horizontally and vertically, same hold good for human heart and soul. His (P.B.U.H) life is a panacea for human beings regardless of time and age with truth as its basic foundations. Truth remained the hall mark of the life of Holy Prophet (P.B.U.H).This paper is only a humble effort as the topic is beyond human knowledge and wisdom."

The birth of the Holy prophet (P.B.U.H) marked a new era in the Arabian desert. Writing on such a prized life is a unique honor because I do believe that these are the matters of heart and soul. I once wrote Naat-e-Rasool Maqbool (P.B.U.H) and while writing one needs a unique balance between his heart and words in honor of Holy prophet (P.B.U.H). The message of God in the life of the Holy prophet is evident from his worthy acts and words. Tolerance remained the hall mark of the personality of the Holy Prophet which established Islam as a religion in the hearts. The love, homage and respect for the Holy Prophet (P.B.U.H) compelled devotees to write on the life of Holy Prophet (P.B.U.H) in the past, in the present and it will continue in the future till the day of judgment.

The message of Islam contains truth, here the question arises what is truth for a layman; truth means the real position, the real situation and this is marked by true words. Here true words mean, words generally understood in a sense by a given society. Truth means something which stands firm in the eyes

☆ *DDSA / C. QEC, zeshan_adv@yahoo.com*

CONTENTS

Sr. No.	Article	Author	Page No.
1.	Truthfulness of the Holy Prophet (PBUH)	Zeeshan Ahmad Khan	**05**

ADVISORY BOARD

International

Dr. Llioyd Ridgeon
Glasgow University, Glasgow, U.K.

Dr. Hafiz M. Munir
Al Azhar University, Egypt

Dr. Ghulam Yahya Anjum
Hamdard University,
New Delhi (India)

Dr. Yasmin Saikia
Arizona State University, U.S.A

Dr. Najm-al-Haq Nadvi
International Islamic University
Chittagong, Bangladesh

Dr. Ja'afar Ismail Jafaee
University of South Africa, S.A

Dr. Shah Kausar Mustafa
University of Dhaka, Bangladesh

National

Dr. Muhammad Ishaq Qureshi
Markaz-e-Tahqeeq, Faisalabad.

Dr. Abdul Quddoos Sohaib
Bahauddin Zakariya University, Multan.

Dr. M. Hammad Lakhvi
Punjab University, Lahore.

Dr. Hafiz Muhammad Sajjad
(AIOU, Islamabad)

Dr. Muhammad Farooq Hyder
G.C University, Lahore

Dr. Muhammad Akram Virk
Govt. Postgraduate College, Gurjanwala

Dr. Merajul Islam Zia
Peshawar University, Peshawar

Seerah Special Edition

Zia-e-Tahqeeq

Issue No.7 | Jan - June 2014 | Vol: 4

Patron in-Chief
Professor. Dr. Zakir Hussain
Vice-Chancellor

Chief Editor
Prof. Dr. Humayun Abbas
Chairman: Department of Islamic Studies & Arabic
Dean: Faculty of Islamic and Oriental Learning

Editor
Dr. Umar Hayat

Co-Editors
Yasir Arfat Awan, Dr. Iftikhar Ahmad

More Light

Department of Islamic Studies & Arabic
Govt. College University, Faisalabad.
E-mail:drhumayunabbas@gcuf.edu.pk
E-mail:drumarhayyat@yahoo.com
Phone:041-9201559

ISSN: 2225-613X

سیرت نمبر
اشاعتِ خاص

ضیائے تحقیق

Vol: 4, Issue: 7

More Light

شعبہ علوم اسلامیہ وعربی
جی سی یونیورسٹی فیصل آباد